خزائنِ معرفت و محبت

از افادات

مُرتّب:

خادمِ خاص حضرتِ والا

دامت برکاتہم

خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ: گلشن اقبال کراچی پاکستان

به فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے | محبت تیرا صدقہ ہے ثمر تیرے ہی نازوں کے
به اُمیدِ نصیحت دوستوں کی اشاعت ہے | جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

احقر کی جملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا و مولانا محی السنۃ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

ضروری تفصیل

نام کتاب: خزائن معرفت ومحبت

نام صاحب ملفوظات: شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ
حکیم محمد اختر صاحب دامہ ظلّہم علینا الیٰ مأۃٍ وّ عشرِینَ سنۃً

موضوع: مجموعۂ ملفوظات

مرتب: سید عشرت جمیل میرؔ صاحب خادم خاص حضرت والا دامت برکاتہم

کمپوزنگ: مفتی محمد عاصم صاحب مقیم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، کراچی

اشاعت اوّل: ذوالقعدۃ ۱۴۳۳؁ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۲؁ء

تعداد: ۲۲۰۰

ناشر: کُتب خانہ مظہری
گلشن اقبال-۲ کراچی، پوسٹ آفس بکس نمبر ۱۱۱۸۲

فہرست

عنوانات — صفحہ نمبر

مجلسِ اہلِ دل

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس
مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

بنتی ہے آرزو کے لہو سے شرابِ دل
لیکن بقدرِ ظرف الگ ہے نصابِ دل

وہ خالق شبابِ جوانانِ کائنات
دیتا ہے اہلِ دل کو دوامِ شبابِ دل

پاتے ہیں دل میں شوق سے وہ ربّ کائنات
پیتے ہیں خونِ قلب و جگر جب جنابِ دل

کس درجہ ہے گناہ میں اُف تلخیٔ حیات
عشقِ مجاز سے جو ہوئے ہیں خرابِ دل

سن لو کمالِ عاشقاں اخترؔ کی زباں سے
کرتے ہیں پیش بزمِ وفا میں کبابِ دل

عرضِ مرتب

آج سے تقریباً ۴۴ رسال پہلے ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں جب احقر پہلی بار حضرت مرشدی ومولائی قرۃ عینی وقلبی، سراج الملۃ والدین، مجددِ دوراں، غوثِ اعظم، شیخ العرب والعجم، عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم ۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

کیا کہوں جب حضرت والا کا نامِ نامی زبان پر آتا ہے تو قلب و روح میں شہد گھل جاتا ہے اور کیف میں ڈوب جاتا ہوں اور قلم اپنی روش چھوڑ کر حضرت والا کی مدح سرائی پر مجبور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرشدی دامت برکاتہم کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تا حیات قائم رکھے اور حضرت والا کو پھر سے صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے اور میرے قلبِ مضطر کو چین بخشے، آمین۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ۴۴ رسال قبل جب پہلی بار حضرت والا کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرت والا حسب عادت شریفہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی محبت کی گفتگو اور اپنے ارشادات سے مشرف فرماتے تو احقر کیف و وجد میں ڈوب جاتا کہ ایسے ارشادات نہ کبھی کانوں نے سنے تھے نہ کتابوں میں پڑھے تھے۔ اس وقت احقر کے پاس نہ ٹیپ ریکارڈ تھا، نہ قوی حافظہ تھا، نہ علمی استعداد تھی جب موقع ملتا تو اپنی یادداشت سے ان ملفوظات کو نوٹ کر لیتا، بعض دفعہ دو دو تین تین دن کے بعد نوٹ کرتا۔

اب اتفاقاً ایک دن وہ پرانا رجسٹر اٹھا کر دیکھا تو احقر کی حیرت کی انتہا

نہ رہی کہ یہ عظیم الشان مضامین جو قرآن وحدیث کے الہامی علوم کے ساتھ تصوف وسلوک کی روح اور محبت ومعرفت کے بیش بہا خزانے ہیں نہ جانے کس طرح اس ناکارہ سے قلم بند ہوگئے۔ کیونکہ احقر خود کو جانتا تھا کہ نہ احقر کے پاس اتنا قوی حافظہ تھا، نہ علم تھا، نہ کوئی صلاحیت، بے ساختہ دل نے گواہی دی کہ یہ صرف اور صرف حضرت والا کی کرامت کا ظہور ہوا ہے جو یہ مضامین ایک بندۂ ناکارہ کے ذریعہ ضبط ہوگئے۔

جتنے ملفوظات مرتب ہوسکے وہ پیش نظر کتاب میں شائع کردیئے گئے ہیں، باقی کا ان شاء اللہ آئندہ اشاعت میں اضافہ کردیا جائے گا۔ آخر میں چند ملفوظات ۱۹۹۷ء اور اس کے بعد کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شرف قبول عطا فرمائیں، امت مسلمہ کے لیے نافع فرمائیں اور قیامت تک صدقہ جاریہ بنائیں، آمین یارب العالمین بحرمۃ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

احقر سید عشرت جمیل میرؔ عفا اللہ عنہٗ
خادم خاص حضرت والا دامت برکاتہم
۲۲؍شوال المکرم ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۰؍ستمبر ۲۰۱۲ء

خزائن معرفت و محبت

۱۳؍ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ ۳۰؍مئی ۱۹۶۹ء، بروز جمعۃ المبارک
مدرسہ امداد العلوم واقع موسیٰ کالونی کراچی

علم کی حفاظت کے لیے نصیحت

بعد فجر اپنے مدرسہ...... میں حضرت والا مع چند متعلقین کے لیے تشریف لائے۔ چائے کی دعوت تھی۔ کچھ صاحبان بغیر پنسل کاغذ آ گئے تھے فرمایا کہ کیا آپ لوگوں نے یہ سمجھا کہ بس چائے پی کر اور گپ شپ کر کے واپس آجائیں گے۔ مسلمان کی خلوت ہو یا جلوت اللہ کے ذکر سے خالی نہیں ہوسکتی۔ ایسی مجلس جو اللہ کے ذکر سے خالی ہو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منحوس فرمایا ہے۔ یہ ہماری مجلسیں بھی اسی لیے ہوتی ہیں کہ اللہ کی یاد میں ترقی ہو۔ کسی کام میں لگے ہوئے ہو دل اللہ کے ساتھ رہے کوئی لمحہ اللہ کی یاد سے غافل نہ گذرے جیسے صحابہ کی شان تھی کہ شام میں ہیں اونٹوں پر غلہ لا د رہے ہیں اور زبان پر اللہ کا تذکرہ چھڑا ہوا ہے ؂

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگِ محفل دیکھ لیتے ہیں

ہماری کوئی تقریب محض ہنسی مذاق اور گپ شپ اور تفریح کے لیے نہیں ہوتی یہ تو کافروں کا شیوہ ہے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ دوسرے

اپنے مربی کی باتوں کی حفاظت کرنی چاہیے کیونکہ انہی باتوں میں تمہارے دل کی تربیت کا سامان موجود ہے۔ ممکن ہے کسی موقع پر ایسی بات منہ سے نکل جائے جو پچھلے پندرہ سال میں نہ نکلی ہو اور آئندہ بھی پھر کبھی منہ سے نہ نکلے کیونکہ اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ میں تو اپنے شیخ کے ساتھ جب بھی ہوتا تھا چاہے سفر پہ ہوں یا گھر پر یا کہیں ہمیشہ اپنی جیب میں ایک کاغذ پنسل رکھتا تھا۔ ایک بار تانگہ میں تشریف لئے جا رہے تھے بخاری شریف پڑھتے پڑھتے ایک دم کتاب بند کر دی اور فرمایا حکیم اختر سن لو دعا مانگتے مانگتے اگر آنسو نکل پڑیں تو سمجھ لو قبول ہو گئی۔

اگر میرے پاس اس وقت کاغذ پنسل نہ ہوتی تو میں بھی ایسے ہی بیٹھا رہتا۔ علم کی بڑی قدر کرنی چاہیے جو شخص علم کی قدر نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اسے محروم رکھتے ہیں۔ آئندہ اگر کوئی خالی ہاتھ آیا تو اس کو سزا دی جائے گی۔ جیسے کوئی یوں کہے کہ گلاب جامن کھا نہیں تو ڈنڈے ماروں گا، گلاب جامن کے لیے ڈنڈا کھانا بے وقوفی ہے کہ نہیں۔ اللہ کا ذکر تو دنیا کی تمام گلاب جامن سے کہیں زیادہ لذیذ ہے۔

اللہ کی راہ میں مزاحمت ترقی کا ذریعہ ہے

ایک نے عرض کیا کہ گھر والے یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت کے پاس آنے سے دنیا کے کام کا نہیں رہے گا اس لیے بعض اوقات کچھ مزاحمت ہوتی ہے فرمایا کہ اس راستہ میں جتنی مزاحمت ہے تو اتنی ہی ترقی ہوتی ہے اور جن کو کچھ مزاحمت نہیں اٹھانا پڑتی ان کی ترقی بھی کم ہوتی ہے جیسے کوئی شخص آگے بڑھنا چاہ رہا ہو اور کوئی اس کو پیچھے کو گھسیٹ رہا ہو تو اس کو آگے بڑھنے کے لیے قوت صرف کرنا پڑے گی اور کیونکہ آگے بڑھنے میں اس کو مشقت ہو گی تو جو کچھ حاصل کرے گا اس کی اس کے دل میں قدر ہو گی اور جدوجہد میں قوت پرواز بھی بڑھتی ہے بہ نسبت

اس شخص کے جس کو کچھ مشقت اٹھانی نہیں پڑ رہی وہ ایک خاص رفتار سے آگے بڑھتا رہتا ہے اور جس کو مشقت کرنا پڑتی ہے وہ لامحالہ اپنی رفتار کو تیز کرتا رہتا ہے کہ کہیں گھسیٹنے والا غالب نہ آجائے۔ یہ راستہ ہی ایسا ہے کہ اس میں لوگوں کی لعن طعن بھی سننا پڑتی ہے۔لیکن اس لعن طعن کے باوجود جو اپنی جگہ پر قائم رہے اس کا ایمان اور تازہ ہوجاتا ہے اس کے دل سے پھر مخلوق کا خوف نکل جاتا ہے بس استقامت کی ضرورت ہے۔ دنیا دار سمجھتے ہیں کہ اللہ والے نکمے ہوتے ہیں۔مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اہل دنیا اپنی نادانی کی وجہ سے انہیں کاہل کہتے ہیں لیکن آخرت کے کاموں میں تو یہ چاند سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔

کارِ دنیا را زکل کاہل ترند
در رہ عقبیٰ ز مہہ گومی برند

یہ دنیا کے کاموں سے کاہل نظر آتے ہیں تم آخرت کے کاموں سے کاہل ہو۔ذرا ایک گھنٹہ مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کر کے دکھا دو تو پتہ چل جائے کہ کیسے جفا کش ہو۔بات یہ ہے کہ دنیا کی محبت دل میں ہے جس کے بارے میں حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حقیقت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں اور آخرت کی فکر نہیں جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ دنیا آخرت کے تابع ہے، آخرت حقیقت ہے دنیا سایہ۔سائے کے پیچھے بھاگو گے حقیقت اور دور ہوتی جائے گی۔آخرت کو پکڑ لو سایہ خود قبضہ میں آجائے گا۔اسی وجہ سے اللہ والوں کو روزی بھی عزت سے ملتی ہے، وہ دنیا کو ٹھکراتے ہیں دنیا ان کے قدموں میں آتی ہے۔ بس اللہ والے بن جاؤ یعنی جو مشقتیں اس راہ میں اٹھانی پڑیں انہیں جھیل لو۔کیا جن کے لیے ہم قربان ہونے کو تیار ہیں انہیں اتنی قدرت نہیں کہ ہماری ضروریات کو پورا کر دیں۔ جب آخرت عطا فرما دیں گے تو دنیا جیسی حقیر چیز کیوں نہ دیں گے۔ بہر حال اپنے کام میں لگا رہنا چاہیے اور والدین اگر اس

راستہ میں حائل ہوتے ہیں انہیں نرمی سے سمجھا دینا چاہیے۔ اگر کبھی کچھ سخت الفاظ نکل جائیں تو دوسرے وقت انہیں راضی کرلو۔ والدین کے سامنے کندھوں کو جھکائے رہو اور اف تک مت کہو۔ ہاں اگر کسی گناہ کے کام کا حکم کریں تو اطاعت مت کرو۔ والدین جو اللہ کے راستہ میں حائل ہوتے ہیں یہ ان کی نادانی کی محبت ہے حالانکہ یہ ان کی خوش قسمتی ہے کہ ان کا بچہ اللہ والا ہو جائے نیک اولاد صدقۂ جاریہ ہے۔ جو نیک کام یہ کرے گا اس کا ثواب ان کو پہنچتا رہے گا۔ ان کے مرنے کے بعد بھی جب تک نیک اولاد زندہ رہتی ہے والدین کو ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ یہ کوٹ پتلون والے کچھ کام نہ آئیں گے، نہ ان کی کار کام آئے گی نہ بنگلہ کام آئے گا۔ ان والدین کو تو اپنی خوش نصیبی پر شکر ادا کرنا چاہیے بجائے اس کے فکر مند ہوتے ہیں۔ مجھے تو انتہائی خوشی ہو اگر مظہر میاں خالی دین کے کام میں لگے رہیں اور دنیا کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوں تو مجھے تو کبھی یہ خیال نہ آئے کہ یہ اپنی زندگی تباہ کر رہے ہیں۔ خوش قسمتی کو اگر آدمی تباہی سمجھ لے تو اس کی بدنصیبی ہے۔

اللہ کی محبت کا نشہ

ارشاد فرمایا کہ

ساقیا برخیز درده جام را
خاک برسر کن غمِ ایام را

حافظ شیرازی فرماتے ہیں کہ اے ساقی اٹھ یعنی اے اللہ کرم فرمائیے اپنی محبت کا جام پلا دیجئے اور غمِ ایام کے سر پر خاک ڈال دیجئے۔ نشہ میں کوئی غم معلوم ہوتا ہے؟ بس ایک غم ہوتا ہے، محبوب کا غم جو مست کیے رہتا ہے ہر حال میں ان کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ کوئی حال ہو نظر اللہ تعالیٰ پر رہتی ہے کہ اگر وہ خوش ہیں تو ہر غم لذیذ ہے ورنہ اگر وہ خوش نہیں تو تخت و تاج بے کار ہے۔ جنہیں وہ اپنی محبت

کا جام پلا دیتے ہیں دنیا کے غموں سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ ان کی محبت کا نشہ کسی حال میں نہیں اترتا، تلواروں کی دھار کے نیچے بھی نہیں اترتا۔ جہاد میں سیسے کی دیوار بنے کھڑے ہیں جسم کے پرخچے اڑ رہے ہیں، کیوں نہیں بھاگتے؟ جان پر سے یہ نشہ ہی تو نہیں اترتا۔ بخلاف اس کے دنیا کا غم کمر توڑ دیتا ہے کیونکہ بیہودہ ہے۔ اللہ کا غم لذیذ ہے ایسا نشہ رکھتا ہے کہ غم ایام کے سر پر خاک ڈال دیتا ہے۔

وہ تو کہیئے کہ ترے غم نے بڑا کام کیا
ورنہ مشکل تھا غم زیست گوارا کرنا

اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے میں جو غم اٹھانا پڑتا ہے اللہ کی محبت ہی اسے گوارا کرتی ہے۔ ان کا غم جس سینہ میں نہیں ہوتا وہ نافرمانیوں سے بچنے کے غم کو گوارا نہیں کرسکتا۔ مصیبت میں گرفتار ہوجانا معصیت میں گرفتار ہوجانے سے کہیں بہتر ہے کیونکہ مصیبت تو اللہ کا اور مقرب کر دیتی ہے اور معصیت اللہ سے دور کر دیتی ہے۔ ایک بزرگ کسی مصیبت میں مبتلا تھے کسی نے دیکھا تو بڑا اظہار افسوس کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ مصیبت میں گرفتار ہوں معصیت میں نہیں الحمدللہ کہ ''بمصیبتے گرفتار ہستم نہ بمعصیتے۔'' معصیت سے بچنے کے لیے مصیبت بھی مول لی جاتی ہے آخر کیا بات تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بیڑیاں پڑ رہی ہیں زنداں میں ڈالا جا رہا ہے سب کچھ منظور ہے لیکن محبوب کی نافرمانی منظور نہیں۔

حسن جب مقتل کی جانب تیغ برّاں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پابہ جولاں لے چلا

آں چنانش انس و مستی داد حق
کہ نہ زنداں یادش آمد نے غَسَق

زنداں میں انہیں ایسی عشق و مستی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی کہ نہ پھر انہیں زنداں یاد آیا نہ زنداں کی تاریکی۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگراست

جن کے سینہ اللہ کی محبت سے خالی ہیں وہ اس خنجر تسلیم کی لذت کو کیا جانیں۔ ان دنیا دار بوالہوسوں کو کیا معلوم کہ اللہ کے غم میں کیا لذت ہے وہ تو ہوس رانی میں لگے ہوئے ہیں اور اس غم سے محروم ہیں جو اللہ کی محبت میں اپنی ہوس کو تشنہ رکھنے میں آتا ہے اور خواہشات کو شمع رضائے الٰہی میں جلانے سے میسر آتا ہے۔ سوزِ غم تو پروانوں کو ہی ملتا ہے کبھی کسی مکھی کو شمع پر جلتے ہوئے دیکھا ہے؟ مکھی کیا جانے کہ شمع پر جل جانے میں کیا مزا ہے۔ سرمد بڑے مشہور صوفی گزرے ہیں دہلی میں مدفون ہیں فرماتے ہیں۔

سرمد غمِ عشق بولہوس را نہ دہند
سوزِ غمِ پروانہ مگس را نہ دہند

اللہ تعالیٰ اپنا عشق کا بوالہوس یعنی دنیا داروں کو نہیں دیتے اپنے عاشقوں کو عطا فرماتے ہیں۔ پروانے کا سوزِ غم پروانے کو ہی دیتے ہیں مکھی کو نہیں دیتے۔ یہ دنیا دار تو مکھی ہیں جو دنیا کی لذتوں اور گناہوں کی غلاظت پر بھنبھنا رہی ہو، اپنی ہوس کے تقاضوں پر عمل کررہی ہیں انہیں پروانوں کا سوزِ غم یعنی اللہ تعالیٰ کا عشق نصیب نہیں۔ کیا کسی مکھی کو شمع کے قریب جاتے ہوئے دیکھا ہے؟ جیسے مکھی شمع کے عشق سے محروم ہے ایسے ہی یہ دنیا دار اللہ کے عشق سے محروم ہیں۔ دردِ عشق تو ان کو ہی عطا ہوتا ہے جو پروانوں کی طرح خود کو اپنے ارادوں کو گناہ کے تقاضوں کو رضائے الٰہی کی شمع پر جلا کر خاکستر کررہے ہیں اپنی خواہشات کو مرضیات الٰہیہ میں فنا کردیتے ہیں نافرمانیوں کے قریب بھی نہیں جاتے۔ کبھی کسی پروانے

کوغلاظت کے قریب جاتے ہوئے دیکھا ہے؟ ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دوکار می باید کرد
یاتن بہ رضائے دوست می باید داد
یا قطع نظر زیار می باید کرد

فرماتے ہیں کہ اے سرمد شکایت کومختصر کرواوران دو کاموں میں سے ایک کام کرو یاتو اپنے جسم کو رضائے دوست کے حوالے کردو یعنی احکام جسم کو رضائے الٰہی کے تابع کردو یا پھر دوست سے ہی نظر اٹھالو یعنی یا تو اپنی خواہشات نفسانیہ کومرضیات الٰہیہ میں فنا کردو اگر ایسا نہیں کرسکتے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں نہ ملیں گے۔

درسِ تسلیم ورضا

بندہ کو ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہیے۔حالات موافق ہوں شکر ادا کرو کہ اے اللہ میں اس قابل نہ تھا میری نا اہلیت کے باوجود آپ نے اپنا فضل فرمایا اور حالات مخالف ہوں تو اور یقین رکھو کہ اس میں ہی تمہاری کوئی مصلحت ہے البتہ اپنی حاجت کے لیے گریہ وزاری کرتے رہو مانگتے رہو۔ شکایت کا کوئی لفظ زبان پر نہ آئے نہ دل میں کوئی غلط خیال رہے مثلاً کسی کی شادی نہیں ہوتی تو یوں سوچنے لگے کہ اگر ہمارے پاس مال و دولت ہوتی تو ہماری بھی شادی ہوجاتی۔خوب سمجھ لو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں پوری کائنات اور کائنات کا ہر ذرہ اس کی زیرِ ربوبیت ہے۔امیر ان کی ربوبیت سے خارج نہیں۔اگر امیروں کو آرام میں دیکھتے ہو تو وہ بھی ان کی ربوبیت کی ایک شان ہے ان کا یہ آرام روپیہ پیسہ کی وجہ سے نہیں ہے۔مال میں یہ اثر نہیں ہے کہ ان کی خواہشات کو پورا کردے۔جس کو چاہتے ہیں جس

حال میں رکھتے ہیں۔ کتنے امیر ایسے ہیں کہ مال دھرا رہ جاتا ہے اور ان کی آرزوئیں دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہیں۔ یوں تو کفار بھی دنیا میں عیش اڑا رہے ہیں کیا کسی مسلمان کے دل میں نعوذ باللہ یہ تمنا ہوسکتی ہے کہ ہم بھی کافر ہوتے کہ خوب عیش اڑاتے۔ ایسی تمنا کرنا بھی کفر ہے۔ خوب سمجھ لو کہ روس اور امریکہ بہ رعایت مراحمِ خسروانہ زندگی کے ایام گذار رہے ہیں کبھی ان پر لالچ نہ کرنا۔ پھانسی کے مجرم ہیں حکومت نے اپنے خزانہ سے روپیہ دے دیا ہے کہ پھانسی لگنے سے پہلے پہلے عیش کرلو کوئی آرزو دل میں نہ رہ جائے۔ کیا ایسے مجرم کو کھاتا پیتا دیکھ کر کوئی یہ تمنا کرے گا کہ کاش ہمیں بھی یہ عیش مل جاتا۔ ارے تمہارے پاس تو وہ دولت ہے کہ ساری کائنات اس کے سامنے بے قیمت ہے۔ اپنے پاس خزانہ چھپائے ہوئے ہو اور دربدر کوڑیوں کی بھیک مانگتے پھرتے ہو ؎

یک سبد پُر ناں ترا بر فرقِ سر
توہمی جوئی لبِ ناں دربدر

روٹی سے بھری ہوئی ایک ٹوکری تیرے سر پر رکھی ہے اور تو روٹی کے ٹکڑے کے لیے دربدر مانگتا پھرتا ہے۔ دولت ایمان کے سامنے دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔ جیسے اہل دنیا چاندی کے سکوں کی حفاظت کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ایمان کی حفاظت اور ترقی کی دھن لگی رہنی چاہیے۔

اذکار و وظائف کا مقصد

دین صرف تسبیح گھمانے کا نام نہیں۔ وظائف کا مقصد ہے کہ باریک باریک گناہ نظر آنے لگیں۔ وظائف اسی لیے بتائے جاتے ہیں کہ یہ استعداد پیدا ہوجائے۔ ورنہ اگر اللہ اللہ تو کر رہے ہو لیکن گناہوں سے کوئی پرہیز نہیں تو ایسے وظیفے بالکل بے کار ہیں کیونکہ ان کا مقصد تو حاصل ہی نہیں ہوا۔ موٹے موٹے گناہ کا علم تو ہر شخص کو ہوتا ہے حتیٰ کہ خود گناہگار جانتا ہے کہ یہ گناہ ہے۔

کمال تو یہ ہے کہ باریک باریک گناہ نظر آنے لگیں اور ان سے بچنے کا اہتمام طبیعت میں پیدا ہوجائے۔ مولانا تھانوی علیہ الرحمہ ایک بار سفر کررہے تھے کہ رات کو ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر ٹھہرنا ہوگیا وہاں کا اسٹیشن ماسٹر حضرت کا معتقد تھا لیکن تھا ہندو کیونکہ پلیٹ فارم پر اندھیرا تھا اس لیے وہ لالٹین لے آیا۔ حضرت کو خیال ہوا کہ یہ تو ریلوے کی ہوگی، فرمایا کہ بھائی یہ لالٹین ریلوے کی ملک ہے ریلوے کے کاموں ہی میں استعمال ہوسکتی ہے ذاتی استعمال میں لانا ہمارے لیے جائز نہیں اسے واپس لے جاؤ۔ وہ ہندو رونے لگا کہا کہ یہ ہیں اللہ والے۔ کافروں کے دلوں میں بھی اسلام کی حقانیت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے اللہ والوں کو دیکھ کر۔ غرض جس جگہ بھی ہو جس کام پر بھی ہو یہ خیال رہے کہ کوئی ایسی بات تو سرزد نہیں ہورہی جو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو خصوصاً مدرسوں کے اہتمام اور چندہ کے لیے بڑے تقویٰ کی ضرورت ہے۔ مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ کام اسی کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے جو اعلیٰ درجہ کا متقی ہو، معمولی تقویٰ والے کو تو اس کام کے قریب بھی نہ جانا چاہیے ورنہ ثابت قدم رہنا سخت مشکل ہے۔ اگر کسی میں تقویٰ نہیں ہے تو بے احتیاطی میں مبتلا ہوجاتا ہے اور یہ بے احتیاطی اس راہ میں سمِ قاتل ہے۔ بہت سوں کے حالات خراب ہوگئے۔ ساری ترقی مسدود ہوگئی اور دنیا دار بن کر رہ گئے۔ میرے ایک پیر بھائی تھے ایک مدرسہ کا چندہ وصول کرنا ان کے ذمہ تھا لیکن کرتے کیا تھے کہ ادھر رسید کاٹی اور ادھر خربوزے منگوالئے چائے اڑا رہے ہیں لسی پی رہے ہیں۔ نتیجہ کیا ہوا کہ دین تباہ ہوگیا اور بالکل دنیادار ہوگئے۔ اور صحابہ کا طرزِ عمل کیا تھا کہ ایک بار بیت المال کا اونٹ کھو گیا۔ حضرت عمر خود تلاش کرنے چل دیئے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ایک اونٹ کی تلاش میں کیوں جارہے ہیں خدام چلے جائیں گے فرمایا کہ قیامت کے دن عمر سے سوال ہوگا، خادموں سے نہیں۔ اگر اللہ نے سوال کرلیا

کہ بیت المال کا اونٹ گم ہو گیا تھا تم نے تلاش کیوں نہیں کیا تو کیا جواب دوں گا۔

عُجب کا نہایت مؤثر علاج

غرض ظاہری و باطنی گناہوں سے بچنے کی ہر وقت فکر رہنی چاہیے۔ بعض دفعہ آدمی ظاہری گناہوں سے بچتا ہے۔ لیکن باطنی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے مثلاً چندہ اور اہتمام کا کام تو دیانت سے کیا مخلوق میں واہ واہ ہو گئی اور عجب پیدا ہو گیا کہ واقعی میں بڑا اچھا کام کرتا ہوں میں بھی کچھ ہوں۔ بس سمجھ لو کہ کام خراب ہو گیا۔ جب آدمی اپنے آپ کو اچھا سمجھتا ہے تو اللہ کی نظر میں برا ہوتا ہے۔ اس لیے جب مخلوق تعریف کرے یا دل تعریف کرے تو سالک کو کیا کرنا چاہیے؟ دشمن خارجی ہو یا داخلی دونوں سے ہوشیار رہنا چاہیے اور داخلی اور خارجی دونوں دفاع مضبوط رکھنا چاہیے۔ جب دل تعریف کرے تو داخلی دفاع کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت یہ سوچنا چاہیے کہ میں پیشاب پاخانے سے بدتر ہوں، مجھ سے اچھا وہ کتا ہوگا بلکہ پاخانے کا کنستر مجھ سے اچھا ہوگا اگر میرا خاتمہ خراب ہو گیا۔ کیونکہ اس غلاظت سے حساب کتاب نہیں ہوگا۔ جب تک خاتمہ بالخیر نہیں ہو جاتا اس وقت تک اپنے آپ کو کیسے اچھا سمجھ لوں کیوں کہ خاتمہ پر ہی اچھا یا برا ہونا منحصر ہے اور مجھے ابھی اپنے خاتمہ کا علم نہیں کہ کیا مقدر ہے۔ ہاں جس دن خاتمہ صحیح ہو جائے گا اس دن سمجھ لوں گا کہ میں اچھا تھا اگر آج اپنے آپ کو اچھا سمجھ لوں اور خدانخواستہ خاتمہ خراب ہو جائے تو کیا میں حقیقت میں اچھا ہوں گا اور کیا یہ اپنے آپ کو اچھا سمجھنا مجھے اللہ کی نظر میں اچھا کرے گا۔ اس لئے جب تک خاتمہ بالخیر نہیں ہو جاتا اس وقت تک میں پیشاب پاخانہ سے کتے اور سور سے بدتر ہوں۔ اسی طرح جب مخلوق تعریف کرے تو گویا خارجی دشمن حملہ آور ہوا ہے۔ اس لیے خارجی دفاع کو مضبوط رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت اپنے اللہ سے یوں کہو کہ اے اللہ آپ

کی ستاری ہے کہ آپ نے میرے عیوب کو مخلوق سے چھپا دیا۔ اگر ان عیوب میں سے کسی ایک عیب کی آپ پردہ دری فرما دیں تو لوگ مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہ کریں۔ میرے اندر تو ہزاروں عیوب ہیں یہ آپ کا کرم ہے کہ آپ نے لوگوں سے ان کو چھپا دیا۔ اے اللہ بھلائیاں آپ کو زیبا ہیں برائیاں ہم کو لائق ہیں۔ جس طرح پیٹ کے اندر پاخانہ چھپا ہوا ہے اگر پیٹ میں کوئی سوراخ ہو جائے تو لاکھ عطر لگاؤں لوگ تعفن سے قریب نہ پھٹکیں آپ نے نیکی کا یہ تھوڑا سا عطر لگا دیا اور میرے عیوب کے پاخانہ کو جو میرے اندر موجود ہے چھپا دیا۔ ہر بیماری کا علاج اپنے اللہ سے مشغول ہو جانا ہے۔ شیطان نے تو تمہارے کان میں پھونک ماری تھی دشمنی سے کہ اللہ سے دور ہو جائے وہ دشمنی ذریعۂ قرب بن گئی پیر کے راستہ بتانے سے۔ کیونکہ اگر دل کی تعریف کرنے سے یا مخلوق کی تعریف سے خوش ہو کر تم اپنے آپ کو اچھا سمجھ لیتے تو شیطان کامیاب ہو جاتا لیکن تم نے اپنے آپ کو اور حقیر کر لیا اور اللہ سے مشغول ہو گئے۔ شیطان نے جو دشمنی کرنی چاہی تھی وہ ذریعۂ قرب ہو گئی۔

اللہ والے کسی کی تعریف سے متاثر نہیں ہوتے اسی لیے انہیں قطب کہتے ہیں۔ قطب ستارہ اپنی جگہ سے ہلتا نہیں۔ نہ مخلوق کی تعریف ان پر اثر انداز ہوتی ہے نہ برائی۔ مدح و ذم ان کے لیے برابر ہوتی ہے۔ حضرت جنید بغدادی اپنے مریدوں کے ساتھ ایک بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک بڑھیا نے انہیں مکار کہا۔ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کہ صرف اس بڑھیا نے جنید کو صحیح پہچانا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ امداد اللہ پر اللہ کی ستاری ہے ورنہ یہ علماء مجھ سے بیعت ہو سکتے تھے؟ اللہ والوں کی نظر اپنے کمالات پر نہیں ہوتی اپنے عیوب پر ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو دنیا کی ہر شے سے حقیر سمجھتے ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بانگ دہل ہولم از دور بود
بغیب اندرم عیب مستور بود

میرے ڈھول کی آواز سے میرا رعب و ہیبت دور دور پہنچ گیا ہے لیکن میرے اندر کا جو پول نظر نہیں آرہا اس کی بدولت میرا عیب پوشیدہ ہوگیا ہے۔ ڈھول کے اندر پول ہوتا ہے۔ میرا رعب و ہیبت مثل ڈھول کی آواز کے ہے کہ آواز تو دور دور جا رہی ہے لیکن اندر سے خالی ہے عیب دار ہے۔ کیونکہ وہ نظر نہیں آرہا ہے اس لئے عیب پوشیدہ ہوگیا۔

۱۵/ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۶۹ء بروز اتوار

متفرق ملفوظات

آج صبح جب حسب معمول حاضرین جمع ہوئے اور حضرت والا اپنے ملفوظات سے بہرہ ور فرمانے والے تھے کہ حضرت کے بھانجے کا لڑکا جو ماشاء اللہ بہت شریر ہیں آگئے اور شرارتیں کرنے لگے۔ حضرت نے انہیں ڈانٹ کر اندر بھجوا دیا اور باہر سے کواڑ بند کرا لیے۔ ارشاد فرمایا کہ شیطان علم کے راستہ میں اپنا ہر حربہ استعمال کرتا ہے ایسے موقعوں پر بچوں پر مسلط ہو کر تماشے کراتا ہے تاکہ خلل پڑے اور لوگ علم حاصل نہ کرسکیں۔ لِكُلِّ شَيْءٍ اٰفَةٌ وَلِعِلْمِ اٰفَاتٌ ہر شے کے لیے ایک آفت ہے اور علم کے لیے بہت سی آفتیں ہیں یہی وجہ ہے کہ مدارس میں شروع میں طالب علم بہت داخل ہوجاتے ہیں لیکن دس پندرہ میں چار پانچ ہی عالم بن کر نکلتے ہیں شیطان اکثر کو بہکا دیتا ہے، کسی کو کچھ پریشانی لاحق ہوگئی کچھ بیماری ہوگئی یا پڑھنے میں دل نہ لگا بس وہ کان میں پھونک دیتا ہے کہ چھوڑو تمہارے بس کا علم حاصل کرنا نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ کام میں لگے رہتے ہیں اور کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے وہی اس کے مکائد سے محفوظ رہتے ہیں۔ شیطان کو یہ بات کب پسند ہوسکتی ہے کہ اللہ کا علم پھیلے اور کوئی لوگوں کی ہدایت

کا ذریعہ ہوجائے اس لیے وہ علم سے روکنے میں اپنی پوری قوت صرف کرتا ہے۔

مدرسہ کا ایک بچہ تسبیح لایا اسے حضرت والا نے روزانہ ۳۰۰ / بار اللہ اللہ کرنا بتادیا۔ فرمایا کہ ہم اس کے گرو ہیں یہ ہمارا سب سے چھوٹا چیلا ہے۔ مشایخ پہلے طالب علم کو مرید ہونے کو منع فرماتے تھے حضرت مولانا تھانوی نے طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے بیعت ہو نے کی خواہش ظاہر کی تھی فرمایا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اس وقت علم حاصل کر نے میں لگے رہو۔ لیکن اب کیونکہ فتنہ کا زمانہ ہے جو طالب علم بغیر کسی اللہ والے سے تعلق کئے ہوئے علم حاصل کرتے ہیں مدرسوں سے بالکل کورے نکلتے ہیں کتابی علم ہوتا ہے سینے نور سے خالی ہوتے ہیں لہٰذا میرے شیخ نے اس فیصلہ کو تبدیل فرمایا اور فرمایا کہ اس زمانہ میں طالب علموں کو چاہیے کہ کسی اللہ والے سے بیعت ہو جائیں تا کہ علم کا نور ان کے دلوں میں اتر جائے اور عمل کی توفیق ہوجائے زمانے کے ساتھ احکام بدلتے رہتے ہیں۔ اللہ اللہ کرنے کی برکت سے ان طلبا کی باتوں میں اثر ہی کچھ اور ہو جاتا ہے اور جو اس زمانے میں اللہ اللہ نہیں کرتے وہ کیونکہ خود عمل سے کورے ہوتے ہیں ان کی باتوں میں اثر بھی نہیں ہوتا۔

کالج کے ایک طالب علم حاضر ہوئے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کو جو معمولات بتائے تھے پورے کر رہے ہیں؟ عرض کیا جی ہاں کلمہ طیبہ کی جو مقدار آپ نے بتائی تھی روزانہ پورا کر لیتا ہوں فرمایا کہ ہاں یہ بہت ضروری ہے اللہ کا نام لینے سے نور پیدا ہوتا ہے اور طاعت آسان ہو جاتی ہے جو شخص معمولات پورے نہیں کرتا تو ظلمت پیدا ہونے لگتی ہے، طاعات چھوٹنے لگتی ہیں شیخ کے پاس جانے سے جی چراتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ ہر جنس اپنی جنس کو اپنی طرف کھینچتی ہے کبوتر کبوتر کے ساتھ رہتا ہے اور باز باز کے ساتھ ”کبوتر با کبوتر باز با باز“۔ اس کی وجہ جنس کی کشش ہے۔ معمولات چھوٹنے سے کیونکہ ظلمت

پیدا ہوتی ہے اس وجہ سے نور والوں کے پاس اس کا دل نہیں لگتا۔ اور جو شخص اللہ اللہ کر کے نور حاصل کر لیتا ہے اس کا دل کہیں نہیں لگتا سوائے اللہ والوں کی صحبت کے۔ اسے ان کی باتوں میں نور معلوم ہوتا ہے مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

نوریاں مر نوریاں را جاذب اند

نور والوں کو نور والے اپنی طرف کھینچتے ہیں اس لیے اگر کبھی طاعات میں تساہل ہونے لگے اور شیخ کے پاس جانے میں وحشت محسوس ہونے لگے تو سمجھ لو کہ یا تو معمولات چھوٹ رہے ہیں یا کسی گناہ میں مبتلا ہو رہے ہو توبہ کرلو اور کام میں لگ جاؤ۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی قیمت

ارشاد فرمایا کہ معلوم ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی کیا قیمت ہے؟ حدیثِ شریف میں ہے کہ اگر ساتوں زمین و آسمان ترازو کے ایک پلڑے پر رکھ دیئے جائیں اور ایک میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو یہی پلڑا جھک جائے گا۔ اللہ اکبر ایسی نعمتیں ہمارے پاس ہیں اور کافر ملکوں کے عیش پر ہم لوگ رال گراتے ہیں۔ ارے ان کافروں کے پاس کیا رکھا ہے کافر صدر ہو یا کافر بادشاہ انہیں کوئی اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ اصلی دولت تو ان کے پاس ہے ہی نہیں، کافر بادشاہ یا کافر حاکم تو زمین کے ذرا سے ٹکڑے پر حکومت کر کے اللہ سے غافل ہو گئے اور مومن جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے تو ساتوں زمین اور ساتوں آسمانوں پر اس کی بادشاہت ہوتی ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ساتوں زمین و آسمان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے مقابلہ میں ہلکے ہیں، بڑی بڑی کافر حکومتوں کے سربراہ اور جملہ کفار تو پھانسی کے مجرم ہیں۔ انگریزوں کے زمانہ میں قانون تھا اور آج بھی ہے کہ پھانسی کے مجرم کو حکومت شاہی خزانہ سے روپیہ دلاتی ہے کہ اس کو خوب کھلاؤ پلاؤ اس کی کوئی آرزو تشنہ نہ رہنے پائے

کیونکہ اسے پھانسی لگنے والی ہے۔ تین دن کے لیے حکومت کی طرف سے چھوٹ دے دی گئی ہے کہ وہ خوب عیش کر لے۔ پھانسی کے مجرم کے تین دن اور ان کافروں کے ساٹھ سال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ آج اللہ تعالیٰ نے انہیں چھوٹ دے رکھی ہے کہ خوب عیش اُڑالو چاند پر پہنچ جاؤ لیکن کل تمہیں کوئی طاقت ہماری پھانسی سے نہ بچا سکے گی کیونکہ تم مجرم ہو، تم نے اپنی زندگی کے مقصد کو نہ پہچانا، کیا تمہیں چاند پر جانے کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تھا؟ تمہیں ہمارے پاس لوٹ کر آنا تھا لیکن اپنے غرور میں تم نے ہماری آیات کا انکار کیا کہ ہم نے انسان اور جن کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

تعلق مع اللہ حاصل کرنے کا طریقہ

ارشاد فرمایا کہ زمانہ ایک رخ بہا جا رہا ہے پھر زمانہ کے خلاف چلنے کی قوت کیسے پیدا ہو، ایمان کامل کیسے حاصل ہو؟ بس اس کا ایک ہی راستہ ہے کسی اللہ والے کے پاس رہ پڑو۔ ایمان کا ادنیٰ درجہ تو ہر مومن کو حاصل ہے، ضرورت تو کمال ایمان کی ہے یہ راستہ تو ولایت کا ہے ایمان کے ادنیٰ درجہ پر قناعت کرنے کا نہیں۔ ایمان کا کمال حاصل ہوگا کسی اللہ والے کے پاس رہنے سے۔ جو لوگ ہر وقت فاسقوں اور نافرمانوں کے پاس بیٹھتے ہیں ڈر ہے کہ کہیں وہ بھی ان جیسے ہی نہ ہو جائیں جیسے کوئی ناک والا نکٹوں میں چلا گیا تھا تو نکٹوں نے اسے ہی نکٹا بنا دیا شور مچ گیا کہ نکٹا آ گیا نکٹا آ گیا، نکٹوں کے پاس رہنے سے پھر وہ سوچنے لگتا ہے کہ میں ہی نکٹا ہوں اور یہ گناہ کی لذتیں اٹھانے والے ہی صحیح ہیں۔ گھروں میں دفتروں میں کالجوں میں بازاروں میں آجکل ایسے ہی نکٹے بھرے ہوئے ہیں جہاں ڈاڑھیوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے نماز روزہ کرنے والے پر پھبتیاں کسی جاتی ہیں جہاں دین اور آخرت کی بات کی تو فوراً کہا جاتا ہے کہ ہٹ جاؤ مولوی صاحب آ گئے۔ اس لیے گھروں اور دفتروں سے کسی

ناک والے کے پاس کچھ دیر کے لیے آجایا کرو۔ وہ تمہیں بتائے گا کہ تمہاری ناک ہی ٹھیک ہے نکٹوں کے کہنے پر نہ جاؤ۔ اس کے پاس آنے سے نکٹوں کی صحبت کا اثر زائل ہوتا رہے گا اور تمہیں اپنی ناک کا یقین بڑھتا رہے گا۔ مخلوق کے طعن میں کیا رکھا ہے مخلوق تو مٹی ہے ایک دن تم بھی نہ رہو گے وہ بھی نہ رہے گی۔ اس وقت تمہارا عمل ہی تمہارے کام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم ہمارے سچے اور پکے دوست بن جاؤ لیکن اللہ کی دوستی کیسے حاصل ہوگی، خود ہی اس کا طریقہ بھی بتاتے ہیں، فرماتے ہیں:

﴿كُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۝﴾

(سورۃُ التوبۃ، آیت:۱۱۹)

اللہ والوں کے ساتھ رہ پڑو۔ رہ پڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مستقل ان کی صحبت اختیار کرو یہ نہیں کہ آج آگئے اس کے بعد مہینوں کو غائب ہوگئے پھر کبھی جی چاہا تو ہو آئے، نہیں بلکہ ان کے پاس جانے کا معمول بنالو۔ پابندی کے ساتھ ان کی خدمت میں رہو پھر دیکھنا اللہ کا کیسا قرب نصیب ہوتا ہے، کیسا رنگ چڑھتا ہے کہ پھر کوئی رنگ تم پر نہیں چڑھ سکتا۔ گہرا رنگ نصیب ہو جائے گا گہرے رنگ پر کوئی رنگ نہیں چڑھ سکتا ہلکے رنگ پر کوئی رنگ چڑھالو۔ اللہ والے جتنے بھی ہیں وہ اللہ والوں کی صحبت سے ہی بنے ہیں۔ صحبت کی برکت سے ایسی استقامت نصیب ہوجاتی ہے کہ دنیا بھر کی طاقتیں چاہیں کہ یہ اللہ کو چھوڑ دے، کفر کے تمام ممالک ایٹم بم کی قوت لگادیں، یہ اپنے جسم کے پرخچے اڑادے گا لیکن اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ جو اللہ والوں کے پاس نہیں رہتے چاہے خود اپنے طور پر عبادت بھی کرتے ہوں مگر انہیں استقامت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ بغیر صحبت کے اللہ کی محبت دل میں نہیں آسکتی اور بغیر محبت کے استقامت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ بغیر صحبت کے اللہ کی محبت دل میں پوری نہیں آسکتی اور بغیر محبت کے

استقامت سخت دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ پرتاپ گڈھ میں میں نے ایک صاحب کو دیکھا ہے ان کا ایک رکوع اتنی دیر کا ہوتا تھا کہ ہم چار رکعات پڑھ لیں۔ چہرہ ڈاڑھی سے بھرا ہوا تھا سالوں تک ایسی نمازیں پڑھتے رہے پھر جو دیکھا تو ڈاڑھی صاف تھی اور نمازیں غائب ہوگئیں۔ معلوم ہوا کہ ڈاڑھی اس لیے رکھی ہوئی تھی کہ ایک گال پچکا ہوا تھا اور نماز اس لیے پڑھتے تھے کہ صحت خراب تھی جب اللہ نے صحت دے دی سارے اعمال چھوٹ گئے افسوس کہ گال کے لیے نماز پڑھتا تھا کسی اللہ والے کی صحبت مل جاتی تو اللہ کے لیے پڑھتا۔

دین کے معاملہ میں مخلوق کی لعن طعن کی پرواہ نہ کیجئے

ارشاد فرمایا کہ آج مخلوق کے طعن کے خوف سے لوگ دین کے بہت سے احکامات پر عمل نہیں کرتے۔ اگر کوئی ان کے ماں باپ پر طعن کرے تو برداشت نہیں کر سکتے بیوی بچوں کو مخلوق کے طعن کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے لیکن افسوس ہے ہمارے ایمان کے انحطاط پر کہ مخلوق کے طعن سے دین کو چھوڑ دیں گے۔ اگر لوگ تمہارے ماں باپ کو گالی دینے لگیں تو کیا اس وقت چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھے رہو گے کہ لوگ تم پر طعن کریں گے کیونکہ زیادہ تر تمہارے ماں باپ کے خلاف ہیں۔ اس وقت آدمی جان کی بازی لگا دے گا اگر غیرت رکھتا ہے اور ان کی مدد کو آئے گا مخلوق کی ذرا پرواہ نہ ہوگی۔ کیا اللہ و رسول کی محبت ماں باپ سے بھی کم ہے کہ مخلوق کے خوف سے ہماری غیرت جوش میں نہ آئے۔ مخلوق کے طعن سے تو ایمان اور پختہ ہو جانا چاہیے شکر کرو کہ ان کے راستہ میں ستائے جارہے ہیں:

﴿اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ﴾

(سورۂ اٰل عمران، آیت: ۱۹۵)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ہمارے راستہ میں ستائے گئے تھے۔ قرب تو

یوں ہی نصیب ہوتا ہے کیا بغیر تکلیف اٹھائے اللہ کا دوست ہونا چاہتے ہو؟ جب دوستی کا دعویٰ کیا ہے تو کچھ کر کے دکھاؤ۔ آج اگر کوئی طعن کرتا ہے تو برداشت کرلو کچھ جواب نہ دو بلکہ اس کی بھلائی سوچو، کیا کسی کو یہ پسند ہوگا کہ وہ جنت میں ہو اوراس کا بھائی دوزخ میں ہو۔ برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی ایک کافر سے جنگ ہورہی تھی وہ پہلوان تھا یہ اسد اللہ تھے اسے گرالیا سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گئے اوراس کے گلے پر تلوار چلانے والے تھے کہ اس نے منہ پر تھوک دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فوراً تلوار میان میں رکھ لی اور سینہ سے اتر گئے۔ اس کافر کو سخت تعجب ہوا پوچھا کہ آپ مجھے قتل کرنے سے کیوں رک گئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے جواب دیا ؎

تیغ را من از پئے حق می زنم
عبد حقم نے کہ مامور تنم

اس وقت میں تیغ اللہ کے لیے چلا رہا تھا میں اپنے اللہ کا بندہ ہوں اپنے نفس کا بندہ نہیں ہوں ؎

شیر حقم نیستم شیرِ ہوا

میں اللہ کا شیر ہوں خواہش نفسانی کا شیر نہیں ہوں۔ یہ ہیں اخلاص والے لوگ ان کا کوئی عمل اپنے نفس کے لیے نہیں۔ معلوم ہے اس کافر پر کیا اثر ہوا اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا کہ یہ دین سچا ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ یہ جھوٹا ہو، جس کے ماننے والے کوئی عمل اپنے لیے نہ کرتے ہوں بلکہ کسی اور کے لیے کرتے ہوں معلوم ہوا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ موجود ہیں ورنہ عمل میں اتنا اخلاص آ ہی نہیں سکتا تھا۔ پوری دنیائے کفر بلکہ کفر کی پوری تاریخ ایسی ایک مثال لا کر دکھائے۔ ہرگز ایک مثال ایسی نہیں مل سکتی۔ یہ تو مردہ جسم کو بھی نہ چھوڑیں۔ مرنے کے بعد حضرت حمزہ کا کلیجہ کھا لیا تھا یہ وہ قوم ہے۔ یہ ہمارا اسلام ہی ہے کہ عین جہاد کے وقت حکم دیتا

ہے کہ اگر کافر بوڑھا ہے تو اسے قتل مت کرو، تلوار خالی جوانوں پر چلے بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو مت مارو قید کرلو۔ قیدیوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، زخمی ہے تو مرہم پٹی کرنی پڑے گی۔ جو خود کھاؤ انہیں بھی کھلاؤ۔ صحابہ نے تو خود چنے چبا لیے ہیں اور عمدہ کھانا انہیں کھلا دیا ہے۔ نرمی کا تو یہ حال ہو کہ دشمنوں کے ساتھ بھلائی کرو اور سختی کا یہ حال ہو کہ ان کے حملے ان کے طعن تمہیں اللہ کے راستہ سے نہ ہٹا سکیں۔ ایمان کی علامت کیا ہے دل میں مخلوق کا خوف نہ رہے کہ معاشرہ ماں باپ اعزا اقربا اور محلہ والے کیا کہیں گے کہ انہوں نے ڈاڑھی رکھ لی، برا سمجھیں گے یا میرے اسلامی طریقوں پر طنز کریں گے مخلوق سے نظر اٹھ جائے بس خالق سے ملی رہے۔ ماں باپ سے لوگ اگر لڑنے آجائیں تو ان کی محبت میں کسی کے طعنہ کا خوف نہیں رہتا ہے۔ ماں باپ سے بڑھ کر اللہ و رسول کی محبت ہونی چاہیے۔ اگر مخلوق کی نظر میں تم حقیر بھی ہو گئے تو تمہارا کیا بگڑ گیا۔ خلیفہ ہارون رشید کی سواری گذر رہی تھی ایک بھنگی نے بادشاہ کو دیکھا اور کہا کہ آج خلیفہ ہارون رشید میری نظروں سے بالکل گر گیا بادشاہ نے سن لیا وہ ہنسا اور وزیروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہے کوئی جو اس بھنگی کی نگاہ میں مجھے باعزت کر دے۔ ایک بھنگی کی نگاہوں میں اگر بادشاہ حقیر ہو گیا تو بادشاہ کی عزت میں کیا فرق آتا ہے۔ دنیا داروں کی حقیقت بھنگی سے زیادہ نہیں اور جو اللہ کے دین کو تھامے ہوئے ہے وہ مقرب ہے شہزادہ ہے اسے سوچنا چاہیے کہ اللہ کے نزدیک میری عزت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیا کے نزدیک میری عزت ہے تمام اولیاء صلحائے امت کے نزدیک میں باعزت ہوں:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(سورۃ المنافقون، آیت:۸)

عزت اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور مومنین کے لیے۔ اگر چند بھنگی

مجھے ذلیل سمجھ رہے ہیں تو ان کے سمجھنے سے میں ذلیل نہیں ہوسکتا۔ ذراسی استقامت کی ضرورت ہے پھر یہی دنیا دار عزیز اقربا و دوست قدموں میں آجائیں گے۔ جب ان پر دین کی حقیقت کھلے گی جب ان کا بچہ بیمار ہوگا یا جب ان کی روزی پر بات آئے گی یا کوئی اور پریشانی ہوگی یہ تم ہی سے دعا کرائیں گے اور وہی لوگ پھر خود بھی دیندار ہو جائیں گے۔ میرے ایک عزیز جو مجھ سے سخت دشمنی رکھتے تھے صرف دین کی وجہ سے کہتے تھے کہ یہ بالکل نکما ہے دنیا کے کام کا نہیں اور لوگوں کے سامنے ذلیل کرتے تھے۔ میں تنہائی میں اپنے اللہ سے روتا تھا کہ اے اللہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی وجہ سے میں کتنا ستایا جا رہا ہوں اپنے لیے استقامت کی اور ان کے لیے ہدایت کی دعا کرتا تھا آج وہی ہیں کہ اپنی حرکات پر سخت نادم ہیں اور خطوں میں لکھتے رہتے ہیں کہ پنشن مل جائے بس پھر میں تمہارے پاس رہوں گا اور اپنے بچوں کو عالم بناؤں گا۔ اللہ کے راستہ میں تو جان دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے جان چلی جائے اور اللہ تعالیٰ مل جائیں تو بھی سمجھ لو کہ سستا سودا ہو گیا۔ ایک طالب علم تھا حدیث شریف پڑھنے ایک مدرسہ میں داخل ہو گیا تھا۔ استاد نے اس کے کھانے کا انتظام ایک صاحب کے یہاں کر دیا۔ اس طالب علم کو معلوم ہوا کہ وہ صاحب رشوت لیتے ہیں اس نے ان کے یہاں سے کھانا لینا چھوڑ دیا اور استاد سے بھی کچھ نہ کہا۔ ان صاحب نے خود سے کہا کہ وہ طالب علم آتا ہی نہیں بعد میں استاد کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ وہ کیوں کہ رشوت لیتے ہیں اس لیے میں ان کے یہاں نہیں کھا سکتا۔ وہ استاد بھی دنیا دار تھے کہنے لگے کہ اگر اتنا تقویٰ اختیار کرو گے تو پھر بھوکے مر جاؤ گے۔ طالب علم نے کہا کہ کوئی ہیضہ سے مرتا ہے کوئی طاعون سے مرتا ہے میں اگر اللہ کے خوف سے مر گیا تو کیا بات ہے۔ مجھے اللہ کو ناراض کر کے زندہ رہنا پسند نہیں۔ معلوم ہے اس طالب علم کو کیا عزت

ملی ،شہر کے لوگ اس کے خریدار ہو گئے ۔استاد سے درخواست کرتے تھے کہ اس طالب علم کو ہمیں دے دیجئے ہمارا کھانا اگر یہ کھالے گا تو ہماری خوش نصیبی ہو گی ہمارے رزق میں برکت ہو گی ۔اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو دنیا میں بھی عزت عطا فرماتے ہیں اور آخرت تو ان کے لیے ہے ہی ۔اس بے دینی کے دور میں بھی ڈاڑھی والوں کو سلام ملتا ہے ایک ڈاڑھی منڈانے والا ڈاڑھی والے کو سلام کرتا ہے اپنے ہم شکلوں کو سلام نہیں کرتا، فاسقوں کے دلوں میں بھی ڈاڑھی والے کی عزت ہوتی ہے۔اگرچہ ہماری ڈاڑھیاں نقلی ہیں لیکن یہ نقلی ڈاڑھیاں بھی کام آتی ہیں دنیا اور آخرت میں ۔

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

اہل اللہ کی وضع قطع کی اہمیت

ارشاد فرمایا کہ فرعون کے جادوگروں کو اللہ تعالیٰ نے صرف نبی کی صورت بنانے پر ہی تو ایمان عطا فرمایا تھا۔ جب ان جادوگروں نے حضرت موسیٰ کے مقابلہ کے لیے بہت سارے سانپ بنائے جو ان کی طرف بڑھ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ موسیٰ اپنا عصا زمین پر ڈال دو، وہ اژدھا بن گیا اور تمام سانپوں کو کھا گیا پھر جادوگروں کی طرف بڑھنے لگا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل بنالی حالانکہ یہ صرف انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے کیا تھا لیکن اللہ کی رحمت جوش میں آ گئی کہ یہ اس وقت میرے نبی کی صورت میں ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنے نبی کی صورت بنانے والوں کو میں آگ میں جلاؤں، اسی وقت ان جادوگروں کو دولتِ ایمان عطا فرمادی، انہوں نے صورت بنائی تھی اللہ تعالیٰ نے اسے حقیقت بنادیا اس وقت وہ لوگ سجدے میں گر گئے۔

فرعون نے کہا کہ اچھا یہ موسیٰ سے ملے ہوئے ہیں۔ اسے کیا خبر کہ اللہ نے نواز دیا۔ اپنی وضع قطع شکل وصورت اللہ والوں کی سی بناؤ۔ تمہاری فوج میں تمہارا ہی کوئی سپاہی ہندوستانی وردی میں آجائے جب کہ ہندوستان سے جنگ بھی ہورہی ہو۔ وہ لاکھ کہے کہ دل سے وفادار ہوں لیکن حکومت نہیں چھوڑے گی۔ تم بھی اللہ کے سپاہی ہو تمہاری ہر سانس کفر سے جنگ ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے لباس میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ نافرمانوں کے لباس میں ہو اور دعا مانگ رہے ہو کہ اللہ پاس کردے، ملازمت دلادے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل بناؤ۔ یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی دن میں شکل بنالو گے بلکہ عقیدہ کو درست کرلو، کافروں کے کوٹ اور پتلون اور ان کے تمام طریقوں کو دل سے برا سمجھو اور اپنے نبی اور صحابہ کے طریقے کو دل سے اچھا سمجھو اور سوچا کرو کہ یہی طریقہ اللہ کو پسند ہے پھر ہمیں کیوں پسند نہ ہو۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

(سورۂ اٰل عمران، آیت:۳۱)

ترجمہ: اے نبی آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری چلن چلو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کے دعا مانگا کرو کہ اے اللہ آپ جن باتوں سے خوش ہوتے ہیں مجھے ان پر عمل کی توفیق عطا فرمایئے، اور جن باتوں سے آپ ناراض ہوتے ہیں ان سے بچنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمایئے، پانچوں وقت یہ دعا مانگا کرو کہ اے اللہ مخلوق کی محبت اور خوف میرے دل سے نکال دیجئے اور اپنا خوف اور اپنی محبت عطا فرمایئے۔ مخلوق کی نظر میں ایسی عزت جس سے اللہ کی نظر میں آدمی ذلیل ہوتا ہے کس کام کی۔ دنیا کا ایسا نفع جس سے آخرت تباہ ہوجائے کس کام کا، آج عام بات ہے لوگ حکومت سے سودی قرضا

لے کر بلڈنگیں بنوا رہے ہیں حالانکہ سود لینے اور دینے والے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم سے اعلان جنگ ہے اللہ سے کوئی جنگ جیت سکتا ہے؟ ایسے لوگوں کا خاتمہ ہی خراب ہو جاتا ہے۔ایک ایسی بلڈنگ میں رہ رہا ہے جو سودی پیسہ سے تیار کی گئی ہے اور ایک جھونپڑی میں رہ رہا ہے جو حلال پیسہ سے تیار کی گئی ہے۔ یہ دو دریا ہیں، یہ دونوں دریا کہاں جا رہے ہیں؟ ایک ہمیشہ راحت کی طرف اور ایک ہمیشہ عذاب کی طرف ،اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے محفوظ فرمائے اور جو مسلمان سود سے اور نافرمانیوں سے نہیں بچ رہے انہیں ہدایت عطا فرمادے ہمیں بھی اور انہیں بھی معاف فرمادے۔

رسوخِ ایمان کی علامت

جب آدمی کے دل میں ایمان راسخ ہو جاتا ہے تو نافرمانیوں سے دل کو کراہت ہو جاتی ہے چاہے اس نافرمانی میں دنیا کا کتنا ہی بڑا نفع کیوں نہ نظر آرہا ہو۔صحابہ کو نبی کی صحبت بلکہ ایک نظر کی بدولت یہی چیز تو حاصل ہوگئی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے لیے فرماتے ہیں:

﴿حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَ کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡیَانَ﴾

(سورۃ الحجرات،آیت:۷)

ترجمہ: ایمان کو تمہاری طرف محبوب کر دیا اور مزین کر دیا اور ناگوار کر دیا تمہاری طرف کفر کو فسق کو اور عصیان کو یعنی تمام گناہوں کو۔اسی مضمون کو بطور دعا مانگا کرو کہ اے اللہ اپنے نبی اور ایک لاکھ صحابہ کے صدقہ میں اپنے نبی کے ایک ادنیٰ غلام کے دل میں بھی ایمان کو محبوب اور مزین فرما دیجئے اور کفر وفسوق و عصیان کو مکروہ فرما دیجئے۔کراہت کے معنیٰ ناگواری کے ہیں۔ جیسے کسی گندی چیز سے طبعی کراہت ہوتی ہے ایسی ہی گناہ سے ہونی چاہیے،کفر وفسق کی کوئی

بات دل کو نہ بھانی چاہیے۔

اللہ کے دشمنوں سے بغض رکھنا شعبۂ ایمان ہے

جب کسی کافر کی کوئی بات بھلی معلوم ہوتو سمجھ لو کہ دل میں بیماری ہے ایمان نہیں ہے باپ کے دشمن سے دلی بغض ہوتا ہے یا نہیں؟ ایسے ہی اللہ کے دشمن سے جانی بغض ہونا چاہیے چاہے وہ چاند پر جائیں یا مریخ پر۔ کیا ان کا چاند پر پہنچ جانا انہیں اللہ کے عذاب سے بچالے گا؟ جو اپنے رب کو نہ پہچان سکے اگر انہوں نے چاند کو پہچان لیا تو کیا کمال ہے۔ ان کے دعوے ایسے ہیں جیسے ایک گدھے نے پیشاب کیا اس میں ایک تنکا بہنے لگا ایک مکھی اس پر بیٹھ گئی اور سر ہلا ہلا کر کہنے لگی کہ میں بہت بڑی تیراک ہوں۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

صاحبِ تاویلِ باطل چوں مگس
وہمِ او بولِ خر و تصویرِ خس

چاہے سائنس ہو یا کچھ اور قرآن و وحی کے سامنے ایسی ہی ہے۔ کافر اوہام میں مبتلا ہیں ان کا وہم کیا ہے جیسے گدھے کا پیشاب اور خس کی تصویر۔ اصل علوم تو علوم نبوت ہیں جو لوگوں کی جانوں کو اللہ سے باخبر کر دیتے ہیں۔ علم کے ساتھ عمل کی توفیق مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچائے۔

گناہ کی پر فریب لذت کی مثال

گناہ کی لذت سے پناہ مانگو اس لذت سے اللہ محفوظ فرمائے۔ گناہوں میں ایک لذت رکھ دی ہے اس لذت پر مت جانا بس دو منٹ کی لذت ہے اس کے بعد تکلیف ہی تکلیف ہے جیسے پاخانے کی کوڑی پر برسات میں سبزہ جم آتا ہے جو دیکھنے میں بڑا خوش نما معلوم ہوتا ہے جیسے چمن کھلا ہوا ہو لیکن چمن اوپر ہی اوپر کا ہے، جس نے پہلے اس پاخانے کو نہیں دیکھا ہے وہ اس

کے دھوکہ میں آجائے گا۔ بس گناہ بھی دیکھنے میں ایسے ہی خوبصورت معلوم ہوتے ہیں اوران کی لذت بھی اتنی ہی دیر کی ہے بعد میں اللہ کے قہر وغضب کے سوا کچھ نہیں مل سکتا۔ شیطان گناہوں کی لذتوں کو خوبصورت کر کے دکھاتا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم اللہ کے راستہ پر نہ چلو لیکن اللہ اوراس کا رسول کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے پہلے خبر دار کر دیا ہے کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور ہم تمہارے دوست ہیں دشمن کے کہنے سے دوست کا پیمان مت توڑو۔

بقول دشمن پیمان دوست بشکستی

ببیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

دشمن کے کہنے سے دوست کا پیمان مت توڑ، دیکھ لے کہ کس سے رشتہ توڑا اور کس سے جوڑا۔ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ پر رونے لگتے تھے۔ شیطان کے کہنے میں آکر اللہ سے رشتہ توڑ رہے ہو اور دشمن سے جوڑ رہے ہو۔ شیطان کے حربے مختلف ہیں کبھی یہ گناہوں کی لذت دکھا کر اللہ سے رشتہ توڑ دیتا ہے کبھی مخلوق کے طعن وتشنیع کا خوف دِلا کر اللہ سے دور کر دیتا ہے۔

راہِ حق میں مخلوق کے طعن وتشنیع سے نہیں ڈرنا چاہیے

خوب سمجھ لو کہ اللہ کے راستہ میں غم جھیلنے سے اور مصیبت اٹھانے سے ہی ایمان چمکتا ہے۔ مخلوق اگر طعنہ نہ دے تو ایمان بھی نہ چمکے۔ صحابہ نے طعنے سنے تھے چوٹیں کھائی تھیں تلواریں چلائی تھیں، اپنا خون بہایا تھا جب ہی تو ان کا ایمان چمکا تھا۔ ان کی قربانیوں کی بدولت ہی ایمان کی روشنی ہم تک پہنچی ہے۔ پھر جو مذاق اڑاتا ہے اس کا بھی دل کہتا ہے کہ میں غلط راستہ پر ہوں صحیح راستہ پر وہی ہے کہ اللہ کو یاد کر رہا ہے۔ جس کے ضمیر میں تھوڑی سی بھی زندگی کی رمق ہو گی وہ یہ ضرور سوچے گا چاہے بظاہر مذاق اڑاتا ہے۔ میں جب طبیہ کالج الٰہ آباد میں پڑھتا تھا تو میں ہی ایک داڑھی والا تھا، لڑکے جملے کسا کرتے تھے، دل کو

تکلیف ضرور ہوتی تھی لیکن کالج سے واپس آتے ہی حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چلا جایا کرتا تھا اللہ والوں کی تلاش میں رہا کرتا تھا۔نکٹوں سے نکل کر ناک والے کے پاس چلا جایا کرتا تھا۔ ایمان تازہ ہوجاتا تھا ان کے سارے جملے بھول جاتے تھے۔ اللہ کے راستہ میں ایسے ہی ستائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے نیک بندوں کو کیوں ستاتے ہیں، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ ان کا جرم کیا ہے؟ ان کا جرم یہ ہے کہ یہ ہم پر ایمان لے آئے ہیں ہماری نافرمانی نہیں کرتے:

﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ○﴾

(سورۃ البروج، آیت:۸)

لوگ اسی لیے ستاتے ہیں کہ ان کا عیش کرکرا ہوتا ہے، اپنی پیٹھ پر وہ ہمیں ناسور سمجھتے ہیں کہ یہ ساتھ رہتے ہیں تو کیوں ہماری طرح لڑکیوں پر جملہ نہیں کستے کیوں ہمارے ساتھ سینما نہیں جاتے ہر وقت اللہ رسول کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ بس ان کے طعنوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرلو۔ دل کو غم ہوگا یہی غم کیمیا ہے جس سونے پر زنگ لگ جاتا ہے اگر وہ آگ کی آنچ برداشت کر لے تو زنگ دور ہو جائیگا۔ ایمان بھی اس غم کی آنچ سے چمکے گا۔ یہ لوگ جو آج مذاق اڑا رہے ہیں کل خود ہی نادم ہوں گے۔ ہم گناہ گاروں کی کیا ہستی ہے اللہ کے معصوم نبی کو اس راستہ میں کیسی کیسی ایذائیں پہنچائی گئی ہیں، طائف کے بازار میں اللہ کے محبوب کے اتنے پتھر مارے گئے کہ نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ وہ خون کوئی معمولی خون تھا اللہ کے نزدیک اس خون کا ایک قطرہ زمین و آسمان عرش و کرسی لوح و قلم سے زیادہ قیمتی ہے۔ عرش غضبِ الٰہی سے ہل گیا۔ طائف کے دونوں جانب کے پہاڑوں پر جو فرشتے مامور تھے حاضر ہو گئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کہیں تو ہم ان پہاڑوں کو ایک

دوسرے سے ملا دیں کہ اہل طائف بالکل آٹے کی طرح پس جائیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں شائد ان کی اولاد ایمان لے آئے یہ بے خبر ہیں یہ پہچانتے نہیں۔ یہ ہوتا ہے نبی کا ایمان اور یقین۔ ہمیں ایمان جیسی دولت مفت میں مل گئی ہے اس لیے ہمیں اس کی قدر نہیں ورنہ جن کے کلیجہ اس راستہ میں منہ کو آ گئے انہوں نے ایمان کی قدر پہچانی، کیسی کیسی ایذائیں بر داشت کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

﴿وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا○﴾

(سورۃ الاحزاب، آیات:۱۱-۱۰)

یہاں تک کہ ان کے کلیجہ منہ کو آ گئے۔ ایمان بغیر غم اٹھائے ہوئے نہیں چمکتا۔ مخلوق سے جو اذیت پہنچے برداشت کرو، گناہوں سے بچنے میں جو غم ہو اس کو جھیل جاؤ غموں کی اس آگ سے ایمان چمک اٹھے گا۔ اگر یہاں اپنے ایمان کا سونا نہیں چمکاتے تو دوزخ میں اس کو چمکایا جائے گا۔ جو کالا کلوٹا سونا ہوگا اس کا زنگ دور کرنے کے لیے اس کو وہاں آگ میں رکھا جائیگا پھر پاک صاف کر کے جنت میں بھیجیں گے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہیں وہ گندی چیز کو کیسے خرید سکتے ہیں؟ لیکن مخلوق کا طعن سننا آسان ہے، گناہوں سے بچنے کا غم اٹھانا آسان لیکن سمجھ لو اس آگ کا تحمل نہ ہو سکے گا۔ یہاں خواہ کتنی ہی تکلیف ہو قابل برداشت ہے دوزخ کی تکلیف برداشت نہ ہو سکے گی۔ اس تکلیف سے بچنے کا سامان کرلو ورنہ بعد میں پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ دعا مانگو کہ اے اللہ! مخلوق آپ کے راستہ سے مجھے ہٹا رہی ہے آپ استقامت کا فیضان میرے اوپر ڈال دیجئے:

﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ○﴾

(سورۃ الاعراف، آیت:۱۲۶)

اے اللہ! صبر کا فیضان میرے اوپر ڈال دیجئے اور مجھے اسلام کی حالت میں

موت دیجیے۔ جب کسی کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اس کو بجلی کا شاک دیا جاتا ہے تاکہ قوت پیدا ہو جائے۔ لوگوں سے طعنہ اور اذیت دلا کر اللہ تعالیٰ ہمارے دل پر کرنٹ مارتے ہیں کہ ایمان میں حرارت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح گناہوں سے بچنے سے جو غم پیدا ہوتا ہے وہ بھی کرنٹ ہے ایمان چمکانے کا۔

حفاظتِ نظر پر قربِ الٰہی کی مٹھاس کا انعام

حدیث قدسی ہے کہ جس وقت بندہ کسی حسین عورت کی طرف سے نظر پھیر لیتا ہے ہم اس کو اسی وقت ایمان کی مٹھاس عطا فرماتے ہیں۔ اگرچہ میرا حکم اس بندے کے لیے کڑوا تھا کیونکہ اس کا دل شدید تقاضا کر رہا تھا کہ ایک نظر دیکھ لے مگر اس نے میری محبت میں اپنے تقاضے کو مار دیا اس کا کیا بدلہ دیں گے؟ ہم اپنے قرب کی مٹھاس عطا فرمائیں گے جس کو وہ اپنے دل میں موجود پائے گا۔ لیکن یہ مٹھاس اس وقت عطا ہوتی ہے کہ نظر کے ساتھ دل کو بھی پھیرو۔ یہ نہیں کہ نظر تو پھیر لی لیکن دل میں صورت جمی ہوئی ہے اور خیالات پکا رہے ہو بلکہ نظر بھی اور دل بھی پھیرو یعنی استغفار کرنے لگو یا ذکر کرنے لگو۔ ہر غم کا علاج اپنے اللہ سے مشغول ہو جانا ہے۔

دعا کے بعد فرمایا کہ مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی دعاؤں کے بعد حضور کی امت کے لیے یہ دعا مانگے گا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، اَللّٰھُمَّ انْصُرْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس کی برکت سے اس کی تمام دعائیں قبول ہو جائیں گی۔

طالب علموں کے لیے نصیحت اور بچوں کو دین دار بنانے کی تلقین

ایک طالب علم سے مخاطب ہو کر فرمایا جو مدرسہ سے آیا تھا کہ جتنی تعداد

تمہیں بتادی ہے اس سے زیادہ ذکرمت کرنا کہ ہر وقت تسبیح ہاتھ میں لیے گھومتے رہواور پڑھائی وغیرہ سب چھوڑ دو۔ارشادفرمایا کہ بچے کی روح سادی تختی کی طرح ہے،سادی تختی پر جوحروف لکھ دیئے جاتے ہیں وہ پختہ ہوجاتے ہیں اس وقت جو رنگ چڑھ جائے گا وہ پختہ ہوگا پھرعمر بھرنہیں اترتا۔جو ماں باپ بچپن میں اپنے بچوں کو دین دارنہیں بناتے وہ پھراکثر بے دین ہی رہتے ہیں پھرآخر میں خود پچھتاتے ہیں کیونکہ جو بچہ اللہ کا حق نہیں پہچانتا وہ باپ کا حق بھی نہیں پہچانے گا۔ یہاں ایک صاحب ہیں انہوں نے اپنے بچہ کو دین سے بالکل بے خبر رکھا اور انگریزی تعلیم میں اپنا سارا روپیہ خرچ کر دیا۔ جب اسی لڑکے سے تکلیف پہنچی تو میرے پاس آئے اور کہا میں لڑکے کو سمجھادوں کہ باپ کے حق کو پہچانے میں نے کہا کہ تم نے اللہ کا حق اسے کبھی نہ سکھایااب چاہتے ہو کہ وہ تمہاراحق سیکھ لے۔دین داراولاد ہی کام آتی ہے۔لیکن آجکل بچوں کو دین سے بالکل بے خبر رکھتے ہیں اور ساری توجہ کافروں کی زبان پڑھانے پرصرف کرتے ہیں۔ پہلے بالکل دنیا دار بنادیا پھر چاہتے ہیں کہ وہ ان کی اطاعت بھی کرے۔

۲۱ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۷ رجون ۱۹۶۹ء، بروز سنیچر،

مابین المغرب والعشاء، برمقام قیام گاہ

نفع کامل کے لیے شیخ کی صحبت میں طویل مدت رہنا ضروری ہے

عرض کیا کہ حضرت کے پاس آکر تعلق مع اللہ اور قرب میں ترقی معلوم ہوتی ہے اور الگ ہوئے جب کچھ دن ہوجاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حالت خراب ہوگئی اور تعلق مع اللہ میں کمی ہوگئی ۔فرمایا کہ یہ دلیل ہے آپ کے صحیح راستہ پر ہونے کی ،شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ مربی کی صحبت میں روح

میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور دوری سے وہ حرارت کم ہو جاتی ہے ایک عرصہ تک ایسا ہی چلتا ہے، پھر اس کی جان میں خود حرارت آ جاتی ہے پھر اس کی جان میں خود چراغ جل جاتا ہے کہ بغیر صحبت کے بھی قرب محسوس کرتا ہے اور شیخ سے دوری سے بھی اس حرارتِ قرب میں کوئی کمی نہیں ہوتی لیکن اس کے لیے ؎

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

طویل سفر چاہیے کہ خامی پختہ ہو جائے، سفر سے مراد سفر باطنی ہے۔ سلوک طے کرنے سے مراد ہے۔ ایک عمر چاہیے ایک دو دن کی بات نہیں ایک عمر کسی اللہ والے کی صحبت میں رہنا ضروری ہے۔

خوابوں کی تعبیر اور عملِ صالح کی ترغیب

ایک صاحب نے خواب دیکھا تھا کہ میں جنت میں داخل کر دیا گیا اور تین آدمی دوزخ میں ڈال دیئے گئے۔ وہ حاضر ہوئے ان سے فرمایا کہ آپ کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ جنت کا راستہ اختیار کرو۔ جو عمل جنت میں لے جانے والا ہے وہ شروع کر دو اور جو عمل دوزخ میں لے جانے والا ہے اسے چھوڑ دو۔ جنت خواب سے نہیں ملتی عمل سے ملتی ہے۔ کسی ایسے کی صحبت اختیار کرو جو تمہیں جنت میں لے جانے والے اعمال بتائے اس کی ہدایات پر عمل کرو۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے یہ خواب بھی دیکھا تھا کہ قرآن پڑھ رہا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ خواب میں قرآن پڑھنے سے بھی جنت نہیں ملتی جب بیداری میں قرآن پڑھو گے تب ملے گی۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ اس رات میں نے تہجد بھی پڑھا، فرمایا کہ کسی کی صحبت اختیار کرنے کے بعد تہجد پڑھے، بغیر صحبت کے آدمی سمجھ لیتا ہے کہ تہجد پڑھنے سے بس جنت میرے لیے واجب ہو گئی شیطان کان میں پھونک دیتا ہے کہ تم جنتی ہو گئے حالانکہ جنت کے لیے بہت سے عمل کی

ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کرنے کی، شکل صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی بنانے کی، سچا اور پکا مسلمان بننے کی ضرورت ہے۔ صرف خواب دیکھنے سے جنت تھوڑی ملتی ہے۔ خواب میں اگر یہ دیکھو کہ میں کھانا کھا رہا ہوں اور جاگنے کے بعد دن بھر کھانا نہ کھاؤ تو کیا کھانا مل جائے گا کھانے کے فوائد حاصل ہو جائیں گے؟ انہوں نے اسی قسم کے دو ایک خواب اور بیان کیے۔ ارشاد فرمایا کہ خواب کی تعبیر یہ ہے کہ دین سیکھو سچے اور پکے مسلمان بن جاؤ۔ عمل درست نہ کرو گے تو وہ تین آدمی تمہیں بھی دوزخ میں گھسیٹ کر لے جائیں گے جن کو تم نے دوزخ میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ تمہاری باری بھی آجائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے سے جنت ملے گی یا انگریز کے طریقہ پر چلنے سے ملے گی؟ ان صاحب نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے سے ہی جنت ملے گی انگریز کے طریقہ پر چلنے سے کیسے مل سکتی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ دیکھئے آپ خود ہی فیصلہ کر رہے ہیں میں کچھ نہیں کہہ رہا ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اپنانا چاہیے یہ انگریزی بال کوٹ پتلون انگریز کا طریقہ ہے۔ اسے رفتہ رفتہ چھوڑ دو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ رفتہ رفتہ اپناؤ ڈاڑھی رکھو شرعی لباس پہنو۔ اللہ سے رو رو کر اور گڑ گڑا کے دعا مانگو کہ اے اللہ! جو باتیں آپ کو پسند ہیں مجھے ان پر عمل کی توفیق عطا فرمایئے اور جو باتیں آپ کو ناپسند ہیں ان سے مجھے بچنے کی ہمت عطا فرما دیجئے۔ اللہ سے گڑ گڑا کے مانگو، انشاء اللہ حالت درست ہو جائے گی۔ صرف خوابوں سے کیا ہوتا ہے عمل کی ضرورت ہے۔ بے دین آدمی خواب کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ تعبیر دینا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں۔ کسی بے دین سے یہ خواب بیان کر دیتے تو کہہ دیتا کہ تم جنتی ہو گئے حالانکہ اس خواب کا مطلب یہ ہے کہ نیک عمل کرو جنت کا راستہ اختیار کرو۔

بیعت میں جلدی نہ کرنے کی وجہ

ارشاد فرمایا کہ میں بیعت میں جلدی نہیں کرتا۔ اپنے بزرگوں کا کہنا ہے کہ بیعت کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہیے۔ میں نے اصول بنالیا ہے کہ بے ڈاڑھی والوں کو بیعت نہیں کروں گا۔ جب ڈاڑھی رکھ لیتے ہیں اور ظاہری وضع قطع درست کر لیتے ہیں تب بیعت کرتا ہوں البتہ ذکر بتا دیتا ہوں تا کہ اللہ اللہ کرنے سے ان کی جان میں اللہ کی محبت پیدا ہو جائے۔ محبت سے اعمال آسان ہو جاتے ہیں پھر عمل کی ہمت پیدا ہوتی ہے فرمایا کہ فلاں صاحب کو بھی میں نے ابھی صرف اللہ اللہ کرنا بتایا ہے بیعت نہیں کیا ہے ابھی کچی بیعت ہے اگر چہ وہ مجھے اپنا شیخ ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ صاحب دفتر کے ماحول سے مغلوب ہو جاتے ہیں کہ ڈاڑھی رکھ لوں گا تو لوگ ملا کہیں گے لوگوں کے طعن برداشت کرنا بڑا مشکل کام ہے بلکہ آج ان کی داڑھی بھی کچھ زیادہ کٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی اس لیے میں بیعت میں جلدی نہیں کرتا کیونکہ بغیر عمل کے صرف بیعت ہو جانے سے کیا فائدہ۔

ارشاد فرمایا کہ فلاں صاحب نہیں آئے۔ طبیب کے پاس وہ جائے جو بیماری سے اچھا ہونا چاہے اور جو اپنی بیماری ہی سے خوش ہو وہ طبیب کے پاس کیوں جائے گا۔ جس کو اپنی بیماری عزیز ہوگی کہے گا کہ مجھے بیمار ہی رہنے دیجئے۔

بعض پر دنیا کی مشقت اور بعض پر آخرت کی مشقت آسان ہونے کا سبب

ارشاد فرمایا کہ کسی پر دنیا کی مشقت آسان ہے کسی پر آخرت کی مشقت آسان ہے۔ ایک شخص ہے کہ اس کو فیکٹریوں اور کارخانوں کا انتظام آسان ہے اور نماز روزہ ذکر تلاوت بھاری ہے اور دوسرے پر دین کے کام آسان ہیں اور

دنیا کے کام اسے مشکل معلوم ہوتے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے دنیاوی ضرورتیں تو سب کے ساتھ ہیں پیٹ اس کے ساتھ بھی ہے جو اللہ والا ہے اسے بھی کھانے پینے کی اور دوسری ضروریات ہیں لیکن اسے بقدرِ ضرورت دنیا میں لگنا سخت گراں ہے اور نماز روزہ ذکر تلاوت آسان ہے۔ اور دوسرے شخص کو اگر فیکٹری قائم کرنی ہے تو رات رات بھر جاگے گا سخت سے سخت محنت کرنے کے لیے تیار ہے لیکن دو رکعت نماز پڑھنا بھاری معلوم ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو دین کے کام آسان معلوم ہوتے ہیں اور جس کو دنیا کے کام آسان معلوم ہوتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کے رونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر دین کے کام آسان کردیں کیونکہ جہاں چند روز قیام ہے وہاں کے لیے تو سخت سے سخت محنت گوارا ہو اور جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے اعمال مشکل معلوم ہورہے ہیں کہ کچھ کما کر نہ لے جاسکے گا اور یہاں کی محنت کا پھل یہیں رہ جائے گا۔ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ کون جنت میں جارہا ہے اور کون نہیں حضور نے فرمایا:

((كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ))

(سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی القدر)

ہر شخص جو جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس پر جنت کے اعمال آسان ہوگئے ہیں اور جو دوزخ کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس پر دوزخ کے اعمال آسان ہوگئے ہیں۔ شکر کرو اگر نماز روزہ میں دل لگ رہا ہے یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ انہوں نے اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمادی ہے اپنا سرمایہ اس گھر میں منتقل کررہے ہو جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص یہاں سے برطانیہ چھ مہینہ کے لیے ویزا پر چلا جائے اور وہاں جاکر خوب روپیہ کمائے اور خوب عیش اڑائے لیکن اس روپیہ کو اپنے وطن منتقل نہ کیا بلکہ لندن کی خوبصورتی میں

ایسا گم ہوا کہ یہ بھول گیا کہ کراچی واپس جانا ہے وہاں روپیہ منتقل کر دوں، جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ جس دن اس کا ویزا ختم ہوگا اس دن اس کو اپنی مفلسی کا احساس ہوگا کسٹم پر اس کا سارا روپیہ چھین لیا جائے گا اور یہ خالی ہاتھ واپس آئے گا اور یہاں آکر جھونپڑی میں رہنا پڑے گا اور ایک وہ شخص ہے جو برطانیہ تو گیا لیکن ہر لمحہ اس کو اپنے وطن کا خیال رہا جو کچھ کمایا برطانیہ کی چند روزہ زندگی کے لیے نہیں بلکہ اپنے وطن کے لیے کمایا اور سارا روپیہ یہاں منتقل کرتا رہا۔ برطانیہ میں یہ ایسے رہا جیسے مسافر رہا کرتے ہیں وہاں کے عیش وعشرت، شراب وکباب میں مبتلا نہ ہوا بلکہ اپنے مال کو کراچی کے لیے بچاتا رہا۔ یہ دونوں شخص جب کراچی آتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ مفلس کون ہے۔ برطانیہ میں اسے بے وقوف کہتے تھے کہ نہ سنیما دیکھتا ہے نہ شرابیں پیتا ہے نہ عیش اڑاتا ہے لیکن وطن آکر معلوم ہوگا کہ بے وقوف کون تھا یہ دوسرا شخص اسے دکھا دکھا کر پاکولا پئے گا اور اُس کے پاس کچھ نہ ہوگا۔

پس وہ لوگ جو دنیا میں آکر یہ بھول گئے کہ آخرت کو واپس جانا ہے اور یہاں کے عیش وعشرت میں مشغول ہوگئے اپنے جان و مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کیا گویا انہوں نے اپنا سرمایہ اپنے اصلی وطن منتقل نہ کرایا کیونکہ آخرت کا سکہ اعمال حسنہ ہیں جس دن ان کا ویزا ختم ہوگا اس دن انہیں اپنی مفلسی کا احساس ہوگا، خالی ہاتھ جارہے ہوں گے حتی کہ جسم کا لباس بھی اتر جائے گا بنگلہ اور کاریں رہ جائیں گی اس دن حسرت کریں گے کہ کاش اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرکے دنیا کا سکہ آخرت کے سکہ میں تبدیل کرا لیا ہوتا۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہو جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اور وہ شخص جو دنیا میں رہ کر دنیا سے کنارہ کش رہا یہاں کا عیش وآرام شراب وکباب اسے اپنی طرف متوجہ نہ کرسکے بلکہ اسے دھن لگی رہی کہ اصل آرام تو آخرت کا آرام ہے

اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اپنے سرمایہ کو اپنے اصلی وطن میں منتقل کراتا رہا جس دن اس کا ویزا ختم ہوگا اس دن اس کو اپنی امارت کا احساس ہوگا اور دنیا کے مسافر خانہ کی تمام تکلیفوں کو بھول جائے گا۔ بلکہ دنیا کی زندگی میں بھی اصل آرام اصل سکون قلب اسی کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ میں جو کچھ عمل کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کریں گے اطاعت وفرماں برداری اس کو مطمئن رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی میں بھی اس کے دوست ہوجاتے ہیں:

﴿نَحْنُ اَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ...الخ﴾

(سورۃ فُصِّلت، آیت:۳۱)

آخرت کی کھیتی کی مشقت اُٹھانے کی ترغیب

جو لوگ دنیا کی مشقتوں میں لگے ہوئے ہیں ان سے اگر کہا جائے کہ آپ کچھ دین کی طرف آیئے کچھ نماز و جماعت کی پابندی کیجئے ایمان ویقین میں روشنی لانے والے اعمال کیجئے تو کہتے ہیں کہ میں بہت بزی (Busy) ہوں لیکن افسوس بزی کاہے میں ہیں؟ دنیا کی مشقتوں میں، جسمانی محنتوں سے زیادہ ذہنی اور فکری محنتیں کرتے ہیں، لاکھوں من کا بوجھ ان کے دماغ پر ہے مزدور بھی اتنی محنت نہیں کرتا جتنی یہ کرتے ہیں۔ جہاں چند روز رہنا ہے وہاں کے آرام کے لیے تو انہوں نے اپنا آرام حرام کر رکھا ہے اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لیے ذرا سی مشقت بھی گوارا نہیں اور اس ابدی آرام کی فکر نہیں اس کی کوشش اور مشقت کے لیے فرصت نہیں، پھر کہتے ہیں کہ ہم بہت عقل مند ہیں حالانکہ دنیا ہی میں موقع ہے کہ اس زندگی کے لیے جدوجہد کر لی جائے۔ ورنہ اگر اب بزی رہے تو پھر یہ موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ کسان اگر بیج بونے کے وقت یوں کہہ دے کہ میں اس وقت بہت بزی ہوں تو جب کھیتی کٹنے کا وقت آئے گا تو

ہاتھ ملے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ:

((اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ))

(مرقاۃُ المفاتیح، کتاب الآداب، باب البر والصلۃ)

دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا میں رہ کر اگر ہم نے وہ بیج نہ ڈالا جس سے آخرت کی فصل تیار ہو گی بلکہ دوسرے کاموں میں مشغول ہو گئے تو کٹائی کے وقت کی حسرت کا اندازہ لگا لو۔ وہ لوگ جنہوں نے بونے کے وقت محنت کی تھی آخرت میں انہیں ہر بھری کھیتی تیار ملے گی اور جو بونے کے وقت بزی ہو گئے وہاں بنجر زمین کے علاوہ کوئی پھل نہ پائیں گے۔ کھیتی اس کی ہری بھری ہوتی ہے جو بونے کے وقت محنت کرتا ہے۔

جو لوگ دنیوی عیش اور دنیوی ترقیات کو مقصود سمجھتے ہیں یہ یورپ والے جن کی تقلید میں ہم فخر محسوس کرتے ہیں ان کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا۝﴾

(سورۃُ الدھر، آیت: ۲۷)

دنیاوی محبت میں مبتلا ہیں یہ لوگ اور چھوڑ بیٹھے ہیں اپنے پیچھے ایک گاڑھے دن کو گاڑھے دن سے مراد موت کا وقت ہے جس وقت دنیا کی محبت کی حقیقت کھل جاتی ہے اور یہاں کے سارے عیش و آرام تلخ ہو جاتے ہیں بیوی بچے بنگلے اور کاریں سب ساتھ چھوڑ دیتی ہیں یہ وہ وقت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت میں ان کافروں نے اس گاڑھے وقت کو بھلا دیا ہے یہ بیماری تو کافروں کے اندر تھی۔ اب انہوں نے مختلف طریقوں سے اس کو مسلمانوں میں بھی پہنچا دیا۔ اب مسلمان کے پاس بھی جب تک کار نہ ہو، چار سو گز کے پلاٹ کا ائیر کنڈیشنڈ بنگلہ نہ ہو چاہے سودی قرضہ سے کیوں نہ بنوانا پڑے اس وقت تک اس کا معیار زندگی نہیں بنتا۔ اب مسلمان کی زندگی کا معیار کار اور بنگلہ رہ گیا ہے چاہے سودی قرضہ لینا پڑے رشوت لینی پڑے حرام مال کمانا پڑے کسی سے

دریغ نہیں معیار زندگی بنانا ہے۔لیکن یہ زندگی بننا نہیں ہے۔زندگی بنتی ہے اللہ کے راضی ہونے سے اور بگڑتی ہے اللہ کے ناراض ہونے سے اگر اللہ ناراض ہے تو چاہے تمہارا دل اور ساری مخلوق یوں کہے کہ واقعی تم نے بڑی ترقی کی خاندان کی ناک اونچی کردی،مخلوق کے ماشاءاللہ کہنے اور تعریف کرنے سے یہ زندگی نہیں بنتی۔کل ان وزیر خارجہ قسم کے لوگوں کو جو مولویوں کو گولی سے اڑا دینا چاہتے ہیں معلوم ہوگا کہ معیار زندگی کس کا بلند ہے۔جس کو یہ معیارِ زندگی سمجھ رہے تھے اس کی کیا حقیقت ہے اور اصل معیار اللہ کے نزدیک کیا ہے؟
لوگ کہتے ہیں کہ دین کا کام سخت مشکل ہے لیکن یہ سب قلت محبت کی باتیں ہیں جب محبت ہوجاتی ہے تو جوئے شیر لانا بھی آسان معلوم ہوتا ہے اسی لیے جنہیں دنیا سے محبت ہے انہیں دنیا کے کام آسان معلوم ہوتے ہیں۔انہیں لوگوں کو دین کے کام مشکل ہیں کیونکہ انہیں اللہ سے محبت نہیں۔قصہ تو پھوہڑ ہے لیکن عبرت ناک ہے اور غیرت دلانے کے لیے کافی ہے۔ایک صاحب عشق مجازی میں مبتلا ہوگئے۔رات کو ۵ ؍میل جاتے تھے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے پھر بستر پر آلیٹتے تھے۔کیوں صاحب یہ روزانہ دس میل کا سفر کیسے آسان ہوگیا ایک مردہ لاش جس کے جسم میں کیڑے چلنے والے ہیں اس کی محبت میں ہر مشقت آسان ہوگئی گھر میں بیٹھا ہوا کوئی کام کررہا ہے لیکن دل کہیں اور ہے۔کیا اللہ کا عشقِ لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہو۔

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود

بات یہ ہے کہ دل میں اللہ کی محبت نہیں ورنہ ان کے راستہ کی کوئی مشکل مشکل نہ معلوم ہوتی۔دنیا کے لیے جو ساری مشقتیں آسان ہیں اس کی وجہ دنیا سے محبت ہے اور دین کے کام جو مشکل معلوم ہوتے ہیں اس کی وجہ اللہ تعالیٰ سے قلت محبت ہے۔ایسے ہی جب اللہ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے تو جسم کہیں ہوتا ہے دل

کہیں ہوتا ہے۔ بیٹھا ہوتا ہے دفتر میں اور دل ہوتا ہے اللہ والوں کے ساتھ کہ کب چھوٹوں اور کب جاؤں۔ اور اپنے اللہ کے ذکر سے اپنے دل کو ٹھنڈا کروں جیسے مچھلی بنا پانی کے بے چین رہتی ہے ایسے ہی اس کا دل اللہ کی یاد میں بے چین رہتا ہے۔ اللہ اللہ کرنا اسی لیے بتاتے ہیں کہ دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جائے۔ محبت ہو جاتی ہے تو سب کام آسان ہو جاتے ہیں۔

نظامِ کائنات کے پس پردہ دستِ قدرت کارفرما ہے

ربر کا پائپ زمین پر پڑا ہوا تھا اس کو کسی نے طے کرنا شروع کیا وہ چلنے لگا تو فرمایا کہ دیکھئے یہ پائپ خود بخود بھاگتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ لیکن یہ خود نہیں بھاگ رہا کسی کے ہاتھ میں ہے۔ ایسے ہی سارے عالم کا نظام بھی کسی کے ہاتھ میں ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا نظام خود بخود چل رہا ہے۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ ہوا چل رہی ہے پتے ہل رہے ہیں سمجھتے ہیں کہ سب خود ہو رہا ہے۔

۲۲؍ ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ مطابق ۸؍ جون ۱۹۶۹ء، بروز اتوار

عشقِ الٰہی سے مجروح قلب کی آہ کا اثر

ارشاد فرمایا کہ آج صبح ایک صاحب آئے تھے کہتے تھے کہ مجھے اللہ کا راستہ بتا دیجئے کہ میں اللہ تک پہنچ جاؤں۔ ان سے کچھ عرض کرنے کی توفیق ہوئی کیونکہ مجھے ان کی جان میں پیاس کے آثار نظر آئے۔ کسی کو پیاسی لگی ہوتی ہے، اس کی صورت سے پتہ لگ جاتا ہے اس کے خشک لب بتا دیتے ہیں کہ یہ پیاسا ہے۔ جان کے بھی لب ہوتے ہیں۔ جان بھی پیاسی ہوتی ہے۔ جب پانی نہیں ملتا تو اس کے لب بھی خشک ہو جاتے ہیں لیکن اس کا پانی یہ پانی نہیں ہے بلکہ اللہ کا ذکر ہے جب جان کو یہ پانی ملتا ہے تو جان سیراب ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی یوں کہے کہ لیجئے جان کو کیسے دیکھ لیا تو مراد یہ ہے کہ آثار و قرآئن سے

معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی روح میں اللہ کی پیاس ہے۔ جان کے خشک لب جان ہی دیکھتی ہے جسم نہیں دیکھتا۔ یہاں اجسام فیل ہیں۔ یہ روح کے معاملات ہیں۔ اہلِ ارواح ہی روح کے پیاسے لبوں کو دیکھتے ہیں، یہ باتیں سن کر ان پر اتنا اثر ہوا کہ رونے لگے، مجروح دل کی آہ اثر کرتی ہے ورنہ جس کا دل مجروح نہ ہو اس کی آہ! لبوں سے آتی ہے دل سے نہیں نکلتی، وہ شخص جو خود زخمی ہو اس کی آہ سے لوگوں کے دل دہل جاتے ہیں اور ایک وہ شخص جو زخمی نہیں ہوا کتابوں میں زخموں کی کیفیت پڑھ کر آہ کرتا ہے مگر وہ آہ اثر نہیں کرتی۔ میرا دل بھی اللہ کے راستہ میں بہت زخمی ہوا ہے اپنے شیخ کے ساتھ ایسے ایسے مجاہدات کئے ہیں کہ کلیجہ منہ کو آگیا ہے۔ یہ آج اسی کی برکت ہے کہ جب میں روتا ہوں تو خلق میرے ساتھ روتی ہے۔

چوں بہ گریم خلق ہا گریاں شوند
چوں بہ نالم خلق ہا نالاں شوند

جب میں روتا ہوں تو خلق میرے ساتھ روتی ہے، جب میں نالہ کرتا ہوں تو خلق میرے ساتھ نالہ کرتی ہے۔

میرا علم کتابی نہیں ہے ہمارا علم اور ہماری آواز عالمِ غیب سے آتی ہے۔ یہ خدانخواستہ کوئی دعویٰ نہیں ہے دعویٰ کروں گا تو راندۂ درگاہ ہو جاؤں گا۔ اللہ اپنے فضل سے محفوظ فرمائے بلکہ اللہ کی نعمت کا اظہار ہے یہ ان کا انعام ہے میرا کمال نہیں جو کچھ کیا وہ ان کی دی ہوئی توفیق کی وجہ سے کیا اور جو کچھ ہے وہ سب ان ہی کا کرم ہے۔ ورنہ اگر آج اس انعام کو چھین لیں تو ایک لفظ منہ سے نہیں نکل سکتا زبان پر تالہ پڑ جائے اللہ تعالیٰ سے ان کے کرمِ خاص کی دعا کرتا ہوں کہ ایک لمحہ کے لیے اپنی نظر کرم نہ ہٹائیں۔ اور کچھ عرصہ پہلے ان صاحب نے مجھے ایک خط بھی لکھا تھا کہ میں اللہ کا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہوں مجھے کچھ ایسی

کتابیں بتادیجئے جن کو پڑھ کر اللہ کی محبت پیدا ہو میں نے ان کو کتابوں کے نام لکھ دئے تھے لیکن کیونکہ بے چارے راستہ سے ناواقف ہیں اس لیے غلط قسم کے پیروں کے چکر میں آ گئے کسی بدعتی پیر کے پاس پھنس گئے تھے۔ آج میں نے ان سے کہا کہ آجکل سینکڑوں مجنوں بنے پھرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہیں لیلیٰ تک پہنچا ئیں گے لیکن لیلیٰ کے یہاں مجنوؤں کی فہرست میں ان کا نام بھی نہیں۔ وہ جب خود مقرب نہیں تو دوسرے کو کیا پہنچائیں گے۔ ایسے ہی وہ لوگ جو دنیا دار ہیں جن کے عمل شریعت وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں لاکھ دعویٰ کریں کہ وہ ولی اللہ ہیں لیکن اللہ کے یہاں اولیاء کے رجسٹر میں ان کا نام نہیں۔ ولی وہ ہیں جن کو قرآن ولی کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے ولی وہ ہیں جو ہم سے ڈرتے ہیں:

﴿اِنْ اَوْلِيَآءُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ○﴾

(سورۃ الانفال، آیت:۳۴)

ہماری دوستی کی شرط تقویٰ ہے جو جتنا بڑا متقی ہے اتنا ہی بڑا ہمارا ولی ہے۔ اگر تم ہمارے دوست بننا چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو ہماری خشیت ہمارا خوف اپنے دل میں پیدا کرلو۔ جب دل میں تقویٰ پیدا ہو جائے گا تو تمہارا کوئی عمل ہمارے حکم کے خلاف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ تو خود چاہتے ہیں کہ تم ان کے دوست ہو جاؤ اسی لیے فرماتے ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾

(سورۃ التوبۃ، آیت:۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ کے دوست ہو جاؤ۔ اس آیت کے لفظی معنیٰ تو یہ ہیں کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو لیکن اس ڈرنے کی صفت کو پہلی آیت میں شرطِ ولایت فرمایا ہے کہ ہمارے ولی وہ ہیں جو ہم سے ڈرتے ہیں اِنْ اَوْلِيَآءُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ اس لیے جب یوں فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو تو

باالفاظ دیگر یہی مطالبہ فرماتے ہیں کہ ایمان والو! اللہ کے دوست ہو جاؤ۔ یہ مطالبہ تمام مسلمانوں سے ہے۔اللہ تعالیٰ تو چاہتے ہیں کہ تمام مومنین ان کے ولی بن جائیں صرف غلام نہ رہیں۔غلام تو کافر بھی ہے وہ بھی ان کی غلامی سے آزادنہیں ہوسکتا، اس لیے صرف غلامی پر قناعت نہ کرو ولی بن جاؤ۔ جب کوئی اللہ کا ولی ہوجاتا ہےتو اللہ تعالیٰ صرف آخرت میں ہی نہیں دنیا میں بھی اس کے دوست ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں نَحْنُ اَوْلِیَآءُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں بھی جب تمہارا کوئی گاڑھا وقت آئے گا ہم اپنی دوستی کا حق ادا کریں گے جب تمہارا کوئی آسرا نہ رہے گا ہم تمہارا آسرا ہوں گے ۔ ہم ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں گے ہر حال میں تمہاری مدد فرمائیں گے۔ جب تم ہمارے ولی ہوجاؤ گےتو ہر قدم ہر موڑ پرتم ہماری طرف آؤ گےہمیں پکارو گے، وضو کر کے مسجد کی طرف بھاگو گے۔ یہ علامت ہے کہ ہماری دوستی تمہیں مل گئی۔اس وقت جو کچھ تم ہم سے مانگو گے عطا فرمائیں گے۔ تم اپنے دل پر ہمارا ہاتھ محسوس کرو گے اس لیے اللہ کو خوب یاد کرو صرف غم اور تکلیف میں اللہ کو یاد کیا تو کیا یاد کیا، سکھ کی حالت میں بھی انہیں خوب یاد کرتے رہو مطلبی بندے نہ بنو اگر کوئی اپنے کسی دوست کے یہاں صرف عید بقرعید کو جائے یا تکلیف میں کسی غرض کے لیے جائے پھر سال بھر خبر نہ لےتو وہ بھی سمجھے گا کہ مطلبی ہے، مطلبی کی دوست کے دل میں محبت اور وقعت نہیں ہوتی۔

عاشقِ حق کو قربِ بے انتہا پر بھی صبر نہیں آتا

جب آدمی اللہ کے راستہ میں قدم رکھتا ہے اسی وقت سے سکون شروع ہوجاتا ہے۔حالت میں تبدیلی اسی وقت سے ہوجاتی ہے۔اگرچہ بہت تھوڑی سہی، ۱/۱۰۰ سہی لیکن بہرحال دل کی کیفیت میں اسی لمحہ سے تبدیلی واقع ہونی شروع ہوجاتی ہے۔پھر جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے سکون قلب میں ترقی

ہوتی جاتی ہے۔ اور نافرمانی کے راستہ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، جوں ہی اس راستہ میں قدم رکھا سکون اسی وقت سے کم ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ اور جوں جوں نافرمانیاں بڑھتی جاتی ہیں دل کی بے چینی بھی بڑھتی جاتی ہے نافرمانیوں کا راستہ آگ کا راستہ ہے جیسے بیس میل کے علاقہ میں آگ لگی ہو اب جو شخص آگ کی سمت میں قدم بڑھائے گا وہ اگرچہ ابھی آگ سے پانچ میل دور ہے لیکن آگ کا دھواں اس کی ناک میں پہنچے گا ادھر کی گرم ہوائیں ابھی سے اس کی طبیعت کو مکدر کر دیں گی اور جو شخص نافرمانیوں کا راستہ چھوڑ کر اللہ کے راستہ میں قدم رکھتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں دودھ اور شہد کی رنگ برنگے خوشبودار پھول کھلے ہوئے ہوں تو جو شخص اس باغ کے راستہ میں قدم رکھے گا وہ اگرچہ ابھی اس باغ سے پانچ میل دور ہے لیکن باغ سے جو نسیم بہار آئے گی خوشبوئے قربِ یار لائے گی اس کا ایک جھونکا مشام جاں کو معطر کر دے گا۔ آگ کی طرف سے رخ پھیر لیا، ہوا بدل گئی اگرچہ ابھی وہ باغ سے دور ہے لیکن ہوا کے جھونکے خوشبوئے قربِ یار لا رہے ہیں، پیام دوست دے رہے ہیں نوید جانِ جاناں مل رہی ہے بس اسی لمحہ سے اس کی جان کو سکون ملنا شروع ہو گیا اب جوں جوں وہ آگے بڑھتا رہے گا خوشبوئے دوست بھی بڑھتی رہے گی قرب میں روز بروز ترقی ہوتی رہے گی، باغ دوست کی نسیم بہار روز بروز زیادہ معطر ہوتی جائے گی کیونکہ یہ قریب آتا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ ایک روز یہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے گا قرب کی انتہا نصیب ہو جائے گی۔ اس وقت اس کی جان کا رابطہ صاحبِ باغِ قرب سے ہو جائے گا اسی کا نام سلوک ہے سلوک کے معنیٰ ہیں اللہ کا راستہ طے کرنا جس نے اس راستہ میں شروع شروع قدم رکھا ہے وہ مبتدی ہے اور جس نے آدھا راستہ طے کر لیا وہ متوسط ہے اور جسے نسبت نصیب ہو گئی یعنی پورا راستہ طے کر لیا وہ منتہی کہلاتا ہے

لیکن یہ راستہ منتہی کے لیے بھی ٹھہرنے کا نہیں ہے۔آخری دم تک ترقی کرتا رہے ہر مقام کو چھوڑ کر آگے بڑھتا رہے اللہ کے قرب کی کوئی انتہا نہیں ہے قرب کے کسی مقام پر صبر نہ آئے ولایت کے کسی درجہ پر اطمینان نہ ہو کیونکہ ہر مقام کے آگے اس سے ایک اعلیٰ مقام موجود ہے۔آخر دم تک تراش خراش میں لگا رہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش

تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

یہ راستہ ولایت کا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صبر کرنے کا نہیں ہے جس نے دوستی کا دعویٰ کر دیا ہو کیا اسے اس پر صبر آ سکتا ہے کہ میرے دوستی مکمل ہو گئی اور میں نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔اگر کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو یہی خیال رہتا ہے کہ ابھی دوستی نا تمام ہے ہم سے دوستی کا حق ادا نہ ہو سکا کتنا ہی قریب ہو جاؤ یہ تمنا پوری نہیں ہو سکتی کہ قرب کمال کو پہنچ گیا یہی فکر لگی رہتی ہے کہ دوستی میں ہر لمحہ ہر روز ترقی ہوتی رہے خواہ جان چلی جائے اللہ والے یہی چاہتے ہیں کہ چاہے جسم کے پرخچے اڑ جائیں لیکن اللہ کا ایسا قرب نصیب ہو جائے کہ جسم کے ریزہ ریزہ میں ان کا نور سما جائے انہیں کسی مقام پر صبر نہیں آتا ہر لمحہ قرب میں ترقی کرتے رہتے ہیں۔ان کی روح ہر لمحہ پرواز کرتی رہتی ہے۔دنیا دار تھوڑے سے دین پر قناعت کر لیتا ہے کہ بس نماز روزہ کافی ہے لیکن دنیا کے معاملہ میں قناعت نہیں ہوتی وہاں صبر نہیں آتا بلکہ فکر اور لگن رہتی ہے کے دو سو گز کا پلاٹ خریدا ہے تو دو سو گز کا اور مل جائے، دنیا کی کسی ترقی پر صبر نہیں آتا حالانکہ معاملہ برعکس ہونا چاہیے تھا کہ دنیا پر تو ضرورت کے درجہ میں قناعت کی جاتی اور دین کی ترقی پر صبر نہ آتا لیکن افسوس ہے ہماری عقلوں پر اور ہمارے زوالِ ایمان پر کہ چند روزہ بہار پر عمر خراب کی جا رہی ہے اور آخرت پر صبر کر لیا ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں بعض مثالیں ایسی دی ہیں جو

بظاہر فحش معلوم ہوتی ہیں لیکن ان سے جو سبق نکالتے ہیں اس پر وجد آجاتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

من نہ خُسپم با صنم با پیرہن

یعنی میں نہ سوؤں گا اپنے محبوب کے ساتھ کپڑوں میں، یعنی آدمی اپنے محبوب کے ساتھ کپڑوں میں سونا پسند نہیں کرتا کوئی چیز اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان حائل نہ رہے، وہ تو قرب کی انتہا چاہتا ہے۔ قدرت نہیں ورنہ اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنا سینہ پھاڑ کر اسے سینہ میں چھپالوں۔ دنیوی مثال مولانا اسی لیے دیتے ہیں تاکہ لوگوں کی سمجھ میں آجائے پھر غیرت دلاتے ہیں کہ افسوس دنیوی محبت تو سمجھ میں آجائے اور اللہ کی محبت کی بات سمجھ میں نہ آئے اللہ تعالیٰ کے عاشق بھی اللہ سے قرب کی انتہا چاہتے ہیں وہ اپنے جسم کے لباس کو بھی اتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ جسم کو اللہ کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیتے بلکہ تمنا کرتے ہیں کہ جسم کوہِ طور کی طرح پھٹ جائے اور ان کی تجلی ریزہ ریزہ میں سما جائے دل وجان میں ان کا نور اتر جائے، عاشق کو قرب کے کسی مقام پر صبر نہیں آتا اس کی پیاس بجھتی نہیں وہ تو بہ زبان حال کہتا ہے کہ ؎

آجا مری آنکھوں میں سما جا مرے دل میں

دنیا کی فانی لذتوں میں کیا رکھا ہے؟ ارے محبت کے قابل تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن آج لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، سمجھ میں کیا نہیں آتی دین کے کاموں کے لیے یوں کہتا ہے کہ میں بزی ہوں وقت نہیں ہے۔ وقت کیا نہیں تجھ کو اللہ سے محبت نہیں۔ تیرے اندر اللہ کی پیاس نہیں، پیاسے کو پانی پیش کیا جائے وہ کہہ تو دے کہ میں مشغول ہوں بہت بزی ہوں۔ اگر پیاسا ہے تو یہ الفاظ کہنا تو دور پانی کو دیکھ کر ہاتھ بڑھ جائیں گے آنکھیں پھٹ جائیں گی منہ کھل جائے گا سراپا طلب بن جائے گا اگر یہ کہتا ہے کہ اس وقت میں بزی ہوں

سمجھ لو اس کی جان میں اللہ کی پیاس نہیں ہے اپنی جانوں میں اللہ تعالیٰ کی پیاس پیدا کرو اگر یہ پیاس نہیں ہے تو بھی ناامید ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کرو اس کی برکت سے تمہاری جان میں اللہ کی پیاس پیدا ہوجائے گی مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

گر تو طالب نیستی تو ہم بیا

تا طلب یابی ازیں یار وفا

جب ذکرونماز کا دل نہ چاہے اس وقت ادا کرنے پر دگنا اجر ملتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ جو معمولات بتائے گئے ہیں ان کو پابندی کے ساتھ پورا کرتے رہو چاہے کتنا ہی دل نہ لگے زبردستی ذکر کرنے بیٹھ جاؤ۔ اس راستہ میں سالک پر ایسے حالات گذرتے ہیں کہ اس کا دل ذکر میں نماز میں نہیں لگتا اور گناہوں کو خوب طبیعت چاہتی ہے اس وقت نفس کے تقاضے کے خلاف ذکر اور نماز میں لگ جاؤ اور گناہوں سے بچتے رہو یہ نہ سمجھنا کہ جب دل ہی نہیں چاہ رہا تو نماز و ذکر سے کیا فائدہ بلکہ خوب سمجھ لو کہ اس دن دگنا اجر ملے گا کیونکہ نفس کو تکلیف ہورہی ہے۔ سوچ لیا کرو کہ آج میاں دگنی مزدوری دیں گے۔ اسی طرح جب گناہوں کا تقاضا پیدا ہو تو خوش ہوجاؤ کہ وقت آگیا میاں کو راضی کرنے کا، اس تقاضا کو کچل کر گناہوں سے بچنے میں جو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اس سے دل ٹوٹتا ہے اور اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دلوں ہی میں رہتے ہیں۔ خزانہ تو ویرانے ہی میں دفن کیا جاتا ہے اپنے آپ کو شکستہ کرلو خزانۂ قرب مل جائے گا تمام گناہوں سے بچنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے مثلاً کوئی حرام روزی کمانے والے کے یہاں ٹیوشن کرتا تھا اللہ کے خوف سے اس نے وہ ٹیوشن چھوڑ دیا، روپیہ میں کمی ہوئی ضروریات میں کمی کرنی پڑی اور اس کمی سے دل کو تکلیف پہنچی۔ اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا بندہ ہماری محبت میں کیسی تکلیفیں اٹھا رہا ہے بس وہ بھی اس

سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کے لیے اور دروازے کھول دیتے ہیں۔

اللہ کے راستے کے غم کی عظمت

ارشاد فرمایا کہ مخلوق پر نظر نہ رکھو ان سے ہی مانگتے رہو، ان ہی کے بھکاری بنے رہو اگر چہ کبھی وہ پیالہ پٹک بھی دیتے ہیں جیسے لیلیٰ نے مجنوں کا پیالہ پٹک دیا تھا تمام فقیروں کو بھیک دے دی مجنوں کا نمبر آیا تو اس کا پیالہ چھین کر زمین پر پٹک دیا۔ تمام فقیروں نے کہا کہ تم بڑے لیلیٰ کے عاشق بنتے تھے تمہیں تو اس نے بھیک تک نہ دی لیکن مجنوں کو جو خوشی ہو رہی تھی اسے وہ ہی جانتا تھا اس لیے کہ ؎

اسی کو غم بھی دیتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں

اگر میاں نے تمہارا پیالہ پٹک دیا تو کیا غم ہے دوسرے لاکھوں پیالے عطا کر دیں گے۔ غیروں کو یہ غم نہیں ملتا، انہیں تو دنیا کے فانی عیش عطا کر دیتے ہیں اور اپنوں کو کیونکہ لا فانی چیز دینی ہے اس لیے انہیں گھٹیا چیز نہیں دیتے۔ لہٰذا یہ غم بڑی نعمت ہے۔ سوزِ غم پروانوں کو ہی ملتا ہے مکھی کو نہیں دیتے ؎

سوزِ غم پروانہ مگس را نہ دہند

مکھی تو غلاظتوں پر بھنکتی رہتی ہے وہ کیا جانے کہ شمع پر جل جانے میں کیا مزا ہے۔ ایسے ہی دنیا دار دنیوی لذتوں کی غلاظت پر عاشق ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ اللہ کے غم میں کیا لذت ہے۔ مومنین کی جانیں پروانہ ہیں وہ اللہ کے نور پر اپنی جانوں کو قربان کرتے رہتے ہیں۔ گناہوں سے بچنے کی ہر مشقت کو برداشت کرتے ہیں کیونکہ ایمان والوں کی نظر اللہ پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم ان کے فرماں بردار بندے بنو پھر وہ کسی کو محروم نہیں رکھتے فرماتے ہیں:

﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ ۝﴾

(سورۃُ العنکبوت، آیت:۵۶)

اے میرے ایمان والے بندوں! میری زمین تو بہت وسیع ہے، پس میری ہی عبادت کرو۔ اگر آج ایک جگہ حرام روزی چھوڑو گے ہم تمہیں دوسری جگہ سے حلال روزی عطافرمائیں گےتم میرا کہنا مانو، میری رضا کے مقابلہ میں محلہ والوں کا بیوی بچوں کا، ماں باپ کا یہاں تک کہ اپنے دل کا بھی کہنا نہ مانو۔ اس سے تمہارا دل تو ضرور ٹوٹے گا لیکن اس ٹوٹے ہوئے دل میں ہم آجائیں گے حدیث قدسی ہے:

((اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ))

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض، ج:۴، ص:۸)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں زبانِ رسالت سے کہ میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں۔ دل کن لوگوں کے ٹوٹتے ہیں؟ ان ہی کے جو اپنے دلوں کا کہنا نہیں مانتے، بیوی بچوں کا کہنا نہیں مانتے، یعنی اللہ کی رضا کے مقابلہ میں کسی کی اطاعت نہیں کرتے۔ جب اللہ کی رضا اور مخلوق کی رضا کا ٹکراؤ ہوتا ہے حتیٰ کہ جب اپنے دل کا ٹکراؤ بھی خالق کی رضا سے ہوتا ہےتو وہ اپنے دل کو ٹھوکر مار دیتے ہیں اور اللہ کی رضا کو تھامے رہتے ہیں ایسے ہی ویران دلوں میں اللہ تعالیٰ آجاتے ہیں۔ اللہ کی محبت میں ہر وقت اپنے جان و مال کی بازی لگائے رہو ان کی محبت پر قناعت نہ کرو آج ایک آنسو روئے ہو کل دو روؤ یہاں تک کہ آنسو کے دریا بہادو۔

اے دریغا اشک من دریا بدے
تا نثار دلبرے زیبا شدے

اے کاش کہ میرے آنسو دریا ہوجاتے تا کہ میں انہیں اپنے اللہ پر نثار کردیتا۔ ترقی کرو کسی مقام پر قناعت نہ کرو، وہ لامحدود ہیں تم اپنے محدود قدموں سے ان کی جانب بڑھو گےتو انہیں کیسے پالو گے۔

اے برادر بے نہایت در گہے است

۲۵ / ربیع الاوّل ۸۹ ۱۳ھ مطابق ۱۱ / جون ۱۹۶۹ء

صحبت یافتۂ اہل اللہ کو دنیائے حقیر کا غم نہیں ہوتا

ارشاد فرمایا کہ اہل دنیا اللہ والے کو دیکھ کر ترس کھاتے ہیں کہ بے چارے کے پاس بنگلہ نہیں ہے کار نہیں ہے۔ ظاہری حالت کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ تکلیف میں ہے اور اللہ والا اہل دنیا پر ترس کھاتا ہے کہ تمہارے پاس سکون نہیں ہے۔ اللہ والا بغیر ایکسرے کے ان کے دل کی بے چینی دیکھتا ہے جیسے ایکسرے میں زخم نظر آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے لوگوں کے دلوں کا حال مجھ پر خوب کھول دیا ہے۔ تم اسباب سکون اختیار کرتے ہو اور بے چین ہو۔ ہمارے پاس اسباب سکون نہیں لیکن دل سکون سے ہے کیونکہ دل کی غذا صرف اللہ کی یاد ہے اگر کسی اللہ والے کے سامنے کوئی اس پر ترس کھائے کہ آپ کی حالت پر بڑا افسوس ہے اگر اس وقت وہ سکوت اختیار کرتا ہے تو وہ اللہ والا نہیں ہے۔ اگر یوں کہتا ہے کہ ہاں دعا کریں کہ اللہ مجھے بھی کار اور بنگلہ دے دے تو تو بالکل دنیا دار ہے، لیکن اگر سکوت بھی اختیار کرتا ہے تو میں سمجھوں گا کہ بالکل خالی ہے۔ اس کے اندر کچھ ہے نہیں۔ اسے تو یوں کہنا چاہیے تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میرے اللہ نے میرے دل کو کیا کیا نعمتیں دے رکھی ہیں۔

رخ زرین من منگر کہ پائے آہنیں دارم
تو می دانی کہ در باطن چہ شاہ ہمنشیں دارم

میرے پیلے چہرے کو مت دیکھ کہ لوہے کے پیر رکھتا ہوں تو کیا جانے کہ میرے دل میں کیسا شاہ ہمنشین ہے۔ اس لیے یہ مت سمجھنا کہ آج حضرت کا چہرہ کچھ پیلا معلوم ہو رہا ہے کوئی غم ہوگا۔ انہیں کوئی غم نہیں ہوتا سوائے اللہ کے غم کے۔ کسی رئیس کو اگر کوئی مفلس کہہ دے تو اس کو کتنا جوش آئے گا کہے گا تجھے کیا معلوم

میرے پاس کتنی دولت ہے۔اپنے ان مسلمان بھائیوں کے دکھ کی وجہ سے ان پر ترس آتا ہے جن کے دل سکون سے محروم ہیں۔ دو صاحب میرے پاس کاروں میں آتے ہیں دو دو ملیں چل رہی ہیں لیکن کہہ رہے تھے کہ دعا کیجئے خود کشی کی نوبت ہے۔کیوں صاحب کروڑوں روپیہ پاس ہے اگر روپیہ ہی سے سکون ملتا ہے تو پھر یہ بے چینی کیسی۔ چالیس دن کوئی میرے پاس رہ کر دیکھ لے کہ کبھی دنیا کا ذکر آتا ہے یا نہیں تم بھی دنیا میں رہے ہو ہم بھی دنیا میں رہتے ہیں۔ مجھے بھی وہی ٹیکس دینا ہوتا ہے جو تم دیتے ہو لیکن کیا وجہ ہے کہ زبان پر کبھی کسی پریشانی کا ذکر بھی نہیں آتا میرا بینک اکاؤنٹ صرف ۲۵ر پیسے ہے بیوی بیمار ہے والدہ بیمار ہیں میں خود بیمار رہتا ہوں لیکن جو سکون آج ہے وہ بیس سال پہلے نہ تھا دس سال پہلے بھی نہ تھا بلکہ ایک سال پہلے بھی نہ تھا۔سکون میں روزانہ ترقی ہورہی ہے۔

سیکنڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک ترا غم ہے ترے ناساز کو

یہ میرا ہی شعر ہے جو دہلی میں ہوا تھا جب میں اپنے شیخ کے ساتھ پاکستان کا ویزا لے رہا تھا۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت ایک شعر ہوا ہے۔فرمایا سناؤ، تو حضرت یہ شعر سن کر بہت خوش ہوئے، کیا بتاؤں بڑی شفقت فرماتے تھے۔

شیخ کامل اور اس کی تربیت کے انداز

ارشاد فرمایا کہ۔

نیست معشوقی ہمیں زلف چلیپا داشتن
درد سر بسیار دارد پاسِ دلہا داشتن

یعنی شیخ بن جانا یہ نہیں کہ بڑی بڑی زلفیں رکھ لے، بڑی بڑی زلفیں رکھ لینے کا نام کارِ مشیخت نہیں ہے۔دلوں کی تربیت کا کام بہت دردسر ہے۔

کسی طالب کے دل کی تربیت کس طریقے سے کی جائے یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے بڑا مشکل کام ہے یہ شعر شیخ کی شان میں ہے میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ ایسا ہونا چاہیے جو ہر طالب کے دل کی تربیت کے لحاظ میں کمال رکھتا ہو۔ جو شیخ کامل ہوتا ہے وہ ہر طالب کو ایک ہی لکڑی سے نہیں ہانکتا۔ جو لوگ عیش وعشرت میں پلے ہوتے ہیں ان کی تربیت اور انداز سے کرتا ہے اور دکھ بھرے دل کی تربیت کا انداز دوسرا ہوتا ہے جس کا دل دنیا کے کاموں میں نہیں لگتا شیخ کامل اسے دنیا کے کاموں کے لیے مجبور نہیں کرے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایسے طالب کو اللہ تعالیٰ نے دین کے کاموں کے لیے پیدا کیا ہے اس کی روزی کا انتظام وہی فرمائے گا۔

ارشاد فرمایا کہ آپ کی بے کاری کی ایسی قدر کسی نے نہ کی ہوگی۔ جس کے دل میں صرف اللہ ہو وہی کرسکتا ہے ورنہ بڑے بڑے دینداروں کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ پھر وہ ایسے جملے کہہ دیتے ہیں جس سے دل ٹوٹ جاتا ہے کہ دنیا میں لگو، یا فاسقوں کی تعریف کردی۔ یہ دلیل ہے کہ یا تو ان کے دین کا فہم صحیح نہیں یا ان کی اللہ کے ساتھ محبت میں نقص ہے۔ اگر کہنا بھی ہو تو اس کا عنوان دوسرا ہوتا ہے جیسے میں نے آپ سے اس دن کہا تھا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں کسی کے ٹکروں پر نہیں رہنا چاہتا مجھے اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں کرے گا۔ دنیا کی تو فکر کرنی ہی نہ چاہیے، دنیا فکروں میں رکھنے کی چیز نہیں جسم سے روزی تلاش کرو دل اللہ کے لیے ہے اللہ کے ساتھ رہے دنیا دل میں نہ آئے۔ اللہ والا ہاتھ پیر سے محنت کرتا ہے اہلِ دنیا دل سے محنت کرتے ہیں ان کا دل ان کاموں میں لگتا ہے۔ اللہ والے کے برابر یہ دنیا دار کیا محنت کریں گے، وہ روزی حلال کرنے کے لیے دفتر میں آٹھ گھنٹے خوب محنت سے کام کرتا ہے لیکن اس کے بعد جب وہاں سے اٹھتا ہے تو دفتر کو

دل میں نہیں لاتا، وہیں جھاڑ آئے گا اور اپنے اللہ سے مشغول ہوجائے گا۔

(مندرجہ بالا ملفوظ حضرت والا نے احقر کی دلجوئی کے لیے ارشاد فرمایا کیونکہ احقر جب حضرت والا کی خدمت میں پہلی دفعہ ۱۹۶۹ء میں حاضر ہوا تو اس وقت کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ ۱۹۵۹ء میں علی گڑھ سے بی-کام (B.Com) کیا تھا۔ اس کے بعد سے ہندوستان میں کوئی نوکری نہ ملی، نہ ہی احقر کا دل کسی کام کرنے کو چاہتا تھا۔ بہت سے اہلِ دین کے پاس بھی جاتا تھا تو جب انہیں معلوم ہوتا کہ میں کوئی کام نہیں کرتا تو وہ نصیحت کرتے تھے کہ کوئی کام کرنا چاہیے جس سے احقر کو اور زیادہ احساس کمتری پیدا ہوجاتا تھا کہ اہلِ دین کی نظروں میں بھی میں قابل التفات نہیں اور اہل دنیا تو حقیر سمجھتے ہی تھے۔ جب حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرت والا سے انتہائی مناسبت اور محبت اوّل نظر ہی میں ہوگئی اس لیے میں سمجھتا تھا کہ حضرت والا کو جب معلوم ہوگا کہ یہ کچھ نہیں کرتا تو حضرت والا کو تکلیف ہوگی۔ شروع حاضری کے دوسرے تیسرے دن ہی حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ تم نے کیا کیا ہے، تو میں نے عرض کیا کہ حضرت بی-کام کیا ہے۔ تو دریافت فرمایا کہ کہاں سے کیا ہے، تو احقر نے عرض کیا کے علی گڑھ یونیورسٹی سے ۱۹۵۹ء میں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا دس سال ہوگئے۔ پھر حضرت والا نے وہی دریافت فرمایا جس کا مجھے ڈر تھا کہ کیا کرتے ہو؟ احقر نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں حضرت والا نے خوش ہوکر فرمایا کہ ماشاء اللہ اور احقر کو سینے سے لگالیا اور فرمایا مجھے تو ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے جس کا دل دنیا کے کاموں میں نہ لگتا ہو پھر مثنوی کا یہ شعر پڑھا ؂

تابدانی ہر کہ را یزداں بخواند

از ہمہ کار جہاں بیکار ماند

احقر تو یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے جواب سے حضرت والا کو تکلیف ہوگی لیکن جب

حضرت والا نے مجھے اپنی سینے سے لگایا تو پہلے تو احقر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ حضرت نے مجھے سینے سے کیوں لگایا ہے لیکن بعد میں جب وجہ سمجھ میں آئی تو ایسا لگا کہ کسی نے مجھے گہرے سمندر سے نکال لیا اور اسی وقت دس سال کا سارا احساس کمتری ایک پل میں جاتا رہا۔ احقر میر عفا اللہ تعالیٰ عنہٗ)

اہلِ دین اور اہلِ دنیا کا فرق

حضرت کے بھانجہ کا چھوٹا بچہ آیا اس کو پکڑا تو چیخنے لگا۔ ارشاد فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک مضمون دل میں ڈالا ہے۔ میں اس بچے کو پیار کرنا چاہ رہا تھا لیکن ناواقف ہے چیخنے لگا ایسے ہی جب دنیا داروں کو اللہ و رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو چیختے ہیں، ان کی روحیں نابالغ ہیں۔ اس بچہ کو ابھی چاکلیٹ دکھا دیتا تو خوش ہو جاتا۔ ایسے ہی دنیا والے دنیا کی ہر دعوت قبول کر لیں گے۔ اس بچے کو تو سب معاف ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی پکڑ نہیں کی جائے گی لیکن اگر تم نے اللہ اور رسول کی دعوت ایمان کو قبول نہ کیا تو تمہیں معاف نہیں کیا جائے گا کیونکہ عاقل بالغ ہو چکے ہو۔ انہوں نے تمہاری پرورش کی ہے جسم اور جان و عقل کو بڑا کیا ہے اگر پھر بھی اللہ کو نہ پہچانا تو وہ معاف نہ کریں گے۔

مبتدی اور منتہی کی تلاوت کا تفاوت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ تلاوت کے وقت اگر یہ خیال کرلے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پڑھ رہے ہیں اور میں سن رہا ہوں تو کوئی حرج تو نہیں؟

ارشاد فرمایا کہ اس کے متعلق حاجی صاحب نے فرمایا ہے کہ مبتدی کی نسبت میں اتنا دم ہی نہیں ہوتا کہ وہ یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ پڑھ رہے ہیں اور میں سن رہا ہوں۔ جب نسبت قوی ہو جاتی ہے اس وقت یہ مراقبہ للمنتہی ہے۔ اس لیے مبتدی کو تلاوت کے وقت یہ مراقبہ کرنا چاہیے کہ میں پڑھ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ

سن رہے ہیں البتہ اگر بے تکلف یہ خیال بندھ جائے کہ اللہ تعالیٰ پڑھ رہے ہیں اور میں سن رہا ہوں تو کوئی حرج بھی نہیں۔ آپ بالکل مبتدی بھی نہیں ہیں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب سے بیعت ہوئے چار پانچ سال تو ہو ہی گئے ہوں گے۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ ۱۹۶۳ء میں بیعت ہوا تھا۔

آنسو اللہ تعالیٰ کے وجود اور محبت پر شاہد ہوتے ہیں

ارشاد فرمایا کہ ایک عمر رونے والوں کے پاس رہنے سے اب ان لوگوں میں دل نہیں لگتا جو روتے نہیں۔ آخر میں میرے شیخ کی تو یہ حالت ہوگئی تھی کہ جب وعظ شروع کرتے تھے تو آنسو آنکھ سے ڈھلک کر رخسار پر آجاتا اور چمکتا رہتا تھا، جتنی دیر بھی بیان فرماتے تھے۔ وہ آنسو کیا کام کرتا تھا؟ شہادت دیتا تھا اللہ کے وجود اور محبت پر، آنسو کوئی نعمت ہی تو ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرما رہے ہیں:

((اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ عَیْنَیْنِ ھَطَّالَتَیْنِ تَشْفِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ مِنْ خَشْیَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّالْاَضْرَاسُ جَمْرًا))

(الجامع الصغیر للسیوطی، ج:۱، ص:۵۹)

(وفی روایۃٍ تسقیان القلب بذروف الدمع کما فی المناجات المقبول)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ مجھے ایسی برسنے والی آنکھیں عطا فرما دیجئے جو آپ کے خوف سے اپنے آنسو برسا کر میرے دل کو سیراب کریں قبل اس کے کہ آنسو خون ہو جائیں اور ڈاڑھیں انگارے ہو جائیں۔ (اور آنکھیں کب روتی ہیں جب دل روتا ہے)

آنکھیں جاری ہوگئیں یعنی آنسو جاری ہو گئے جیسے کہتے ہیں نہر جاری ہوگئی یعنی پانی جاری ہو گیا لیکن ایک عمر رونے والوں کے پاس رہنے سے رونے والی آنکھیں نصیب ہوتی ہیں مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

اسپ با اسپاں یقیں خوش تر رود

اسپ سے مراد یہاں اہل اللہ ہیں۔ کسی کو رونا نہ آئے تو رونے کا سامنہ ہی بنا لے یہ بھی رونے کا قائم مقام ہے کیونکہ دل روتا ہے رونا نہ آنے کے افسوس سے۔ رونا کوئی اختیاری بات تو ہے نہیں ان کے بھی اختیار میں نہیں جو بہت روتے ہیں، یہ تھوڑی ہے کہ جب چاہیں رونے لگیں البتہ آخر میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آنسو بھی اختیاری ہو گئے۔ جہاں اللہ کا ذکر شروع کیا آنکھیں ایک بار ذرا جھپکائیں بس فوراً آنسو نکل پڑتے تھے۔ اللہ کو وہی آنسو پسند ہیں جو ان کی محبت میں نکلیں پیاز کے آنسو نہیں ہونا چاہئیں جیسے ایک سپاہی تھا اس نے اپنی آنکھوں میں پیاز لگالی اور روتا ہوا افسر کے پاس گیا کہ میری ماں مرگئی چھٹی دے دی جائے انگریز افسر تھا فوراً چھٹی دے دی۔ لیکن پیازی آنسوؤں کی اللہ کے یہاں قدر نہیں ہے دل میں درد پیدا کرو۔

آیت ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ الخ کی الہامی تفسیر

ارشاد فرمایا کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ اور هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ کی مولانا تھانوی نے عجیب تفسیر فرمائی ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ کے لفظی معنیٰ ہیں کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کافر تو اس میں شک کرتے ہیں تو اس آیت کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کرتا بلکہ مولانا نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا کہ یہ کتاب شک کے قابل نہیں ہے۔ یعنی اس کی شان کے منافی ہے کہ اس پر شک کیا جائے بلکہ یہ شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ کا ترجمہ وتفسیر بیان القرآن میں یہ ہے: ’’راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو کیونکہ جس کو خوف خدا نہ ہو وہ قرآن کا بتلایا ہوا طریقہ نہیں دیکھتا۔‘‘

میرے شیخ حضرت پھولپوری نے فرمایا تھا کہ متقین تو ہدایت یافتہ ہوتے ہی ہیں پھر ان کے لیے ہدایت کیوں فرمایا؟ تو بات یہ ہے کہ متقین سے مراد یہ ہے کہ جن کے دل میں کھٹک ہوتی ہے اور جن کو حق کی تلاش ہوتی ہے ان کو متقین فرمایا کہ یہ ان کے لیے ہدایت ہے۔ ایسے لوگ ہی متقین بن جاتے ہیں اور یہ کتاب متقی بننے کا نصاب ہے کہ جو اس پر عمل کرے گا متقی بن جائے گا جس طرح تعلیمی اداروں میں نصاب ہوتا ہے کہ جو اس کو پڑھے گا وہ اس نصاب میں کامیاب ہو جائے گا اور اسے اس نصاب کی ڈگری مل جائے گی۔ اسی طرح جو اس کتاب کی ہدایت پر عمل کرے گا وہ متقی ہو جائے گا۔

ایک نومسلم کو نصیحت

ایک نومسلم صاحب سے دریافت فرمایا کہ اب تو دل نہیں گھبراتا۔ باپ اور بہن بھائی یاد تو نہیں آتے عرض کیا کہ جی نہیں اب زیادہ تو جی نہیں گھبراتا کبھی کبھی گھبراتا ہے۔ فرمایا کہ جب دل گھبرایا کرے تو یہاں آجایا کرو مقام کے تبدیل کرنے سے طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا ہے اس لیے نوافل جگہ بدل بدل کر پڑھنے کا حکم ہے اس کی وجہ اہل فقہا نے یہی لکھی کہ تبدیلی مکان سے طبیعت کا نشاط بحال رہتا ہے اور نماز میں جی نہیں گھبراتا۔ پھر احقر سے فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے یہ صاحب نومسلم ہیں یہ پہلے اوم پرکاش تھے سہارن پور کے ہیں ٹھاکروں میں پیدا ہوئے تھے ماں کا انتقال ہو گیا تو باپ نے دوسری شادی کر لی سوتیلی ماں کا برتاؤ بہت خراب تھا انہیں ایک مسلمان درزی کے یہاں بٹھا دیا وہاں بہشتی زیور سنائی جاتی تھی۔ ارے بس سب انتظام وہاں سے ہوتے ہیں۔ ان کے باپ اور دوسرے بہن بھائی آج بھی کافر ہیں۔ وہ مردہ ہیں یہ زندہ ہو گئے۔ پھر ان صاحب سے فرمایا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنَاهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِيۡ بِهٖ فِي النَّاسِ﴾

(سورۃ الانعام، آیت:۱۲۲)

ایمان سے پہلے والی زندگی کو زندگی نہیں فرمایا بلکہ موت فرما رہے ہیں۔ شکر کرو کہ تم زندہ ہو گئے۔ باپ اور بہن اگر یاد آتے ہیں تو یہ ایک طبعی بات ہے۔ لیکن کیونکہ وہ حالت کفر میں ہیں اس لیے تقاضہ پر عمل نہ کریں گے۔ یہ دعا کیا کرو یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اے زندہ تھامنے والے آپ کی رحمت سے فریاد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ حَیٌّ یعنی زندہ رہنے والے اور قَیُّوْمُ تھامنے والے ہیں۔ گڑگڑا کے یہ دعا مانگنی چاہیے کہ جب آپ نے ایمان کی دولت میرے دل کو عطا فرمائی ہے تو آپ ہی اس کو تھامے رہیں۔ باپ اور بہن کے لیے بھی دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ایمان عطا فرمائیں۔ اس دعا سے تمہیں یہ نفع ہوگا کہ تمہارے دل کو فوراً سکون ہو جائے گا، ایسا معلوم ہوگا جیسے زخم پر کسی نے مرہم رکھ دیا۔

ماں روتے ہوئے بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتی ہے تو سسکی بند ہو جاتی ہے میں نے دیکھا ہے کہ بچہ چلا کر رو رہا ہے، بس جہاں ماں نے سر پر ہاتھ رکھا تو سسکی ایسی بند ہو گئی جیسے کسی نے بریک لگا دیا۔ ماؤں کو یہ محبت اللہ تعالیٰ نے ہی تو سکھائی ہے۔

مادراں را مہر من آموختم

(ماؤں کو یہ محبت میں نے ہی تو سکھائی ہے) انہوں نے اپنی محبت کا ایک حصہ دنیا میں عطا فرما دیا ہے جس میں ماؤں کی محبت بچوں کے ساتھ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ یہ محبتیں دیکھ رہے ہو اور ننانوے حصہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں جن کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ جب عزیز یاد آئیں تو اللہ تعالیٰ کو ہی یاد کرنا چاہیے جو سر پر ہاتھ رکھ کر سسکی بند کر دیتے ہیں۔ سوچ لو کہ ایک حصہ محبت میں جب یہ اثر ہے تو ننانوے حصوں میں کیا ہوگا۔ اصل محبت کرنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ

ہی کی ہے اور محبت کے قابل بھی ان کی ہی ذات ہے اس لیے ان کی محبت ساری محبتوں پر غالب رہنی چاہیے۔ ماں باپ بھی ایک دن چھوٹ جاتے ہیں بہن بھائی چھوٹ جاتے ہیں، اعزا و اقربا بھی چھوٹ جاتے ہیں استاد و شیخ بھی چھوٹ جاتا ہے حتیٰ کہ نبی بھی ایک دن چھوٹ جاتا ہیں، صرف اللہ کی ذات ہے جو قبر میں برزخ میں پل صراط پر پھر جنت میں ہمیشہ ہمیشہ ساتھ رہے گی۔ ہمیشہ ان کے ساتھ رہنا ہے دنیا کا ساتھ تو ایک دن چھوٹے گا۔ شکر کرو کہ تم کروڑوں میں سے ایک ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے انتخاب کرلیا ورنہ جو کافروں کے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں انہیں کہاں ہدایت نصیب ہوتی ہے ۔ یہ دولت ہر ایک کو نہیں ملتی ۔

(۱)...... نہ ہر سینہ را راز دانی دہند
نہ ہر دیدہ را دیدہ بانی دہند

(۲)...... نہ ہر گوہرے درۃ التاج شد
نہ ہر مرسلے اہل معراج شد

(۳)...... برائے سر انجام کار ثواب
یکے از ہزاراں شود انتخاب

(۱)...... ہر سینہ کو راز دانی نہیں دیتے یعنی اپنا راز داں نہیں بناتے اور ہر آنکھ کو دوسری آنکھوں کی رہبری کا شرف نہیں عطا فرماتے۔

(۲)...... ہر موتی تاج شاہی میں نہیں لگایا جاتا اور ہر نبی صاحب معراج نہیں ہوتا۔

(۳)...... کار ثواب یعنی دین کا کام انجام دینے کے لیے ہزاروں میں سے ایک کا انتخاب ہوتا ہے۔

کیا کروں شعر ہزاروں ہے میں تو کروڑوں میں ایک کہتا۔ دیکھ لو ہزاروں عالم ہیں لیکن ہر ایک حضرت مولانا ابرار الحق صاحب تھوڑی ہے۔ میں

نے تو اپنی زندگی میں کوئی ایسا عالم نہیں دیکھا جو ستر مدرسہ چلا رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کام کے لیے منتخب کرلیا ہے۔ مدرسوں کا کام بھی کررہے ہیں اور دلوں کی تربیت کا بھی۔ لیکن بعض سے اللہ تعالیٰ صرف دلوں کی تربیت کا کام لیتے ہیں۔ دوسرے کاموں سے آزاد رکھتے ہیں۔ صرف یہی کام سونپ دیتے ہیں کہ بس ہماری محبت کی آگ لگائے جاؤ۔ ہماری محبت کی بات سناتے رہو۔

دعا کی تلقین کے وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ یوں بھی کہا کرو کہ اے اللہ اگر آپ کے علم میں میرے باپ اور بہنوں کے لیے ایمان مقدر نہیں ہے تو پھر (یہاں سکوت فرمایا) پھر فرمایا کہ یہ کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کیونکہ دعا تو قضا کو بھی بدل دیتی ہے حدیث شریف میں ہے:

((لَا يَرُدُّ الْقَضَآءَ اِلَّا الدُّعَآءُ))

(سننُ الترمذی، کتابُ القدر، ج:۲، ص:۳۵)

ان کا فیصلہ بھی ان کا محکوم ہے حاکم نہیں بس تم اپنے عزیزوں کے واسطے ایمان کی دعا کرتے رہو۔

مدرسہ کے لیے چندہ سے احتراز کی تلقین

ایک صاحب نے مدرسہ امداد العلوم کو زکوۃ اور صدقہ کی رقم بھجوائی۔ فرمایا کہ ماشاء اللہ یہ صاحب تو مدرسہ کی کافی مدد کررہے ہیں۔ جب کوئی اس مدرسہ کی مدد کرتا ہے تو مجھے اس لیے خوشی ہوتی ہے کہ اس مدرسہ کے حالات آپ کو معلوم ہی ہیں کیسے ہیں۔ مدرسین کو بغیر تنخواہ کے آٹھ آٹھ نو نو مہینے ہوجاتے ہیں دردر چندہ مانگنے سے میں نے مہتمم کو منع کررکھا ہے نہ میں خود کسی سے مانگنے جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ یہیں بیٹھے بیٹھے بھجوا دیتے ہیں۔ ان حالات میں یہ صاحب جو مدد کررہے ہیں تو ان پر اللہ کے فضل کی امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ حاجی صاحب کا فیض ان کو پہنچے گا اور ان کے دینی حالات درست ہوجائیں گے۔ یہ

مدرسہ حاجی صاحب کے نام پر ہے۔ یہ کوئی دعویٰ نہیں ہے بس اللہ کے فضل سے ایک امید رکھتا ہوں۔ اصل کامیابی تو یہی ہے کہ ان کے دینی حالات درست ہو جائیں ورنہ آدمی کا دین اگر ناقص رہے تو کیا فائدہ۔ نماز بھی پڑھ رہے ہیں اور داڑھی منڈا رہے ہیں۔ آج کل لوگوں نے نماز روزہ کو کافی سمجھ لیا ہے، دین کو ناقص درجہ میں قبول کرلیا اگرچہ دنیا کو کمال درجہ میں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دنیا کو ناقص رکھنا پسند نہیں کرتے ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے جنگل کی اندھیری رات میں ایک چراغ ہو ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کا غنیمت ہے نہ ہونے سے تو بہتر ہی ہے لیکن اتنے پر رضامند ہو جانا کافی نہیں۔ نور تو ایسا ہو کہ دور دور روشنی پہنچے کہ دوسروں کو بھی راستہ مل جائے۔

عرض کیا گیا کہ کیا صدقہ و خیرات ایک ہی چیز ہے؟

ارشاد فرمایا کہ ہاں عوام کے لیے بس اتنا جاننا ہی کافی ہے صدقہ بلا کو دور کرتا ہے اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے لیکن اس کا صرف ایک ہی طریقہ نہیں ہے آجکل کے مولوی وہ ایک طریقہ تو بتا دیں گے جو معروف ہے یعنی روپیہ پیسہ دینا کیونکہ اس میں اپنا فائدہ ہے کہ چندہ آتا ہے لیکن صدقہ کے اور دوسرے طریقے نہیں بتائیں گے۔ مجھ سے ان شاء اللہ وہ بھی سن لو گے کیونکہ دین کے بات بتانا مقصود ہے چندہ ملے نہ ملے۔

۲۹ / ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ، مطابق ۱۵ / جون ۱۹۶۹ء، بروز اتوار

اہل اللہ کے فہم اور ادب کی ایک مثال

ارشاد فرمایا کہ میرے شیخ نے یہ قصہ سنایا تھا۔ ایک بزرگ کو کسی نے ہدیہ میں چینی کی مسجد پیش کی اور عرض کیا کہ حضرت کھائیے۔ مسجد کو توڑنا بے ادبی تھی۔ انہوں نے اپنے مریدین کو حکم دیا کہ لانا بھائی ایک لوٹا پانی۔ کبھی کبھی اللہ

کے گھر کی صفائی کی جاتی ہے بس اس کو دھوتے گئے اور پیتے گئے۔ توڑنا لازم نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ یہ فہم عطا فرماتے ہیں اپنے خاص بندوں کو۔ کسی خشک مولوی کو ہرگز یہ ادب نہیں آسکتا تھا ہزار صغریٰ کبریٰ لگائے۔ جس کے دل کو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق نہ ہو اس کو یہ فہم نصیب نہیں ہوسکتی۔ کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کرنے سے یہ باتیں آتی ہیں۔

علماء کے اُمراء سے میل جول کے مفاسد

ارشاد فرمایا کہ فلاں مولوی صاحب نے ٹیلیفون پر بتایا کہ ایک جگہ پر بڑے بڑے آدمی موجود تھے بینک کے ایک آفیسر نے پاکولا کی دعوت کردی اگر اس وقت میں انکار کرتا کہ یہ آمدنی حرام ہے تو ایک مسلمان کی بے آبروئی ہوتی اس لئے مجبوراً پی لیا۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ بعد میں استغفار کرلوں گا مسلمان کی آبرو بچانا بھی دین ہے۔ ان صاحب کا شہرہ دور دور ہوگیا ہے امرا سے بھی واسطہ رہتا ہے ایسے میں دین کی حفاظت مشکل ہوجاتی ہے۔ شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے بے نام ونشان رکھا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

((اَلْعُلَمَآءُ اُمَنَآءُ الدِّیْنِ حَتّٰی لَمْ یُخَالِطِ الْاُمَرَآءَ))

یعنی علما دین کے امین ہیں جب تک کہ اُمرا سے اختلاط نہ کریں۔ اس لئے اپنے بزرگوں کا قاعدہ تھا کہ اُمرا کے دروازے پر نہیں جاتے تھے بلکہ اُمرا ہی ان کے دروازے پر آتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت

ارشاد فرمایا کہ دریائے نیل خشک ہوجایا کرتا تھا جب تک کسی لڑکی کی بھینٹ نہ چڑھتی تھی جاری نہ ہوتا تھا۔ شیطانی اثرات تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی جب لوگ بھینٹ چڑھانے کی تیاری کررہے تھے کہ

مصر کے گورنر نے جو ایک صحابی تھے انہیں روک دیا کہ ہم مسلمان ہیں اور یہ رسم اسلام کے خلاف ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اطلاع کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریا کے نام خط لکھا:

''از عمر بنام دریائے نیل۔ اے دریائے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے بہتا ہے تو بہنا بند کر دے اور اگر خدائے واحد وقہار تجھے چلاتا ہے تو ہم اس خدائے واحد وقہار سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے بہنے پر مجبور کر دے۔''

دریائے نیل اس وقت سے جاری ہے اور کبھی خشک نہیں ہوتا۔ بتاؤ! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس کون سی سائنس تھی۔ لوگ سائنس کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں ارے ہم اپنے آپ سے بے خبر ہو گئے کہ ہمارے اندر کیا کیا قوتیں پوشیدہ ہیں جہاں ساری سائنسیں فیل ہو جاتی ہیں۔ لیکن اب ہم بے یار و مددگار ہو گئے کیونکہ ہم نے دین کا دامن چھوڑ دیا۔

۱۳؍ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۹؍جون ۱۹۶۹ء، بروز اتوار

مہتممین مدرسہ کو چندہ مانگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی ترغیب

ایک مدرسہ کے مہتمم جو حضرت والا سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ مدرسہ پر قرض بہت ہو گیا ہے، مزدور بہت تقاضا کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ جب قرضہ بہت ہو جائے تو معلوم ہے کیا کرنا چاہیئے؟ وضو کر کے دو نفل پڑھ کر اللہ سے خوب رونا چاہیئے، رونے ہی سے کام بنے گا۔

ایک بزرگ تھے شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ، ان کا انتقال ہونے لگا۔ چاروں طرف سے قرضہ دار گھیرے ہوئے تھے اور وہ شرم کے مارے منہ چھپائے ہوئے لیٹے تھے، چلنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ قرضدار بھی ڈر رہے تھے

کہ کہیں بڑے میاں چل نہ دیں، پھر کس سے وصول کریں گے۔ منہ چھپائے ہوئے تھے اس لئے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ نہ معلوم اس وقت قرب کے کس مقام پر ہوں، کیا کیفیت ہو؟ ان کی بزرگی کی عظمت تو قلب میں تھی ہی۔ اتنے میں ایک حلوہ بیچنے والا لڑکا ادھر سے گزرا۔ شیخ نے چہرہ سے چادر ہٹالی اور فرمایا کہ اس لڑکے کو بلاؤ۔ پھر اس کو حکم دیا کہ جتنے لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہیں سب کو یہ حلوہ کھلا دو، اس کا ٹوکرا خالی ہو گیا، لیکن جب اسے دام نہ ملے تو وہ لڑکا رونے لگا۔ حلوہ اس کا اپنا تھا بھی نہیں، کسی سیٹھ کے یہاں نوکر ہوگا، شام کو بکری پر کمیشن مل جاتا ہوگا۔ تو وہ رونے لگا کہ آج تو بہت پٹائی ہوگی۔ کام اس کے رونے سے ہی بنا، یہ بڑے لوگ رو نہیں رہے تھے اس لئے اللہ کی رحمت متوجہ نہیں ہو رہی تھی، جب وہ بچہ رویا تو رحمت جوش میں آگئی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؂

تا نہ گرید کودکے حلوہ فروش
بحرِ بخشائش نمی آید بجوش

اگر وہ حلوہ بیچنے والا لڑکا نہ روتا تو بخشائش کا دریا جوش میں نہ آتا ؂

تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن
تا نہ گرید ابر کے خندد چمن

جب تک بچہ نہیں روتا ماں کی چھاتی میں دودھ جوش کب مارتا ہے اور جب تک ابر نہیں روتا چمن کب ہنستا ہے۔ چمن کا ہنسنا کیا ہے؟ کھل جانا، دھل کر شاداب ہو جانا۔

بس اسی وقت ایک شخص تھیلیوں میں الگ الگ روپیہ باندھ کر لے آیا۔ ہر تھیلی میں اتنے ہی روپے تھے جتنے ہر قرضدار کو چاہئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وائرلیس اس کے دل میں لگا دیا۔ اس کو خواب میں دکھا دیا کہ اتنی اتنی رقم کی تھیلیاں لے جاؤ، کسی کی پانچ سو کی، کسی کی ایک ہزار کی، کسی کی دوسو روپیہ کچھ

آنے کی۔غرض جتنے قرضدار وہاں موجود تھے سب کے حصے لے آیا اور شیخ کو پیش کر دیئے۔ حضرت شیخ احمد خضرویہ اسی وقت اٹھ کر بیٹھ گئے اور مع اس حلوہ فروش کے سب کا قرض ادا کر دیا۔ اس کے بعد انتقال فرمایا۔ تو بس یہی نسخہ ہے کہ کوئی ضرورت پیش آئے اللہ سے رو رو کر عرض کرو۔

حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند میں میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے، مفتی شفیع صاحب کے استاد تھے۔ مفتی صاحب نے مجھ سے یہ روایت بیان کی کہ یا تو مفتی صاحب خود اپنے بچہ کو ان کی خدمت میں لے کر گئے یا کوئی شخص لایا یہ یاد نہیں رہا۔ غرض عرض کیا کہ یہ بچہ روتا بہت ہے کوئی تعویذ دے دیجئے کہ اس کا رونا کم ہو جائے۔ فرمایا کہ رونا تو ہمیں چاہئے تھا، بچہ روتا ہے۔ اگر ہم نے بھی رونا چھوڑ دیا اور بچے نے بھی رونا چھوڑ دیا تو کیسے کام چلے گا؟ اللہ کی رحمت کیسے جوش میں آئے گی؟ اس لئے اسے ہی رونے دو۔ کوئی رونے والا تو ہو۔

اب کوئی کہے کہ ہم کیسے روئیں؟ ہم تو بچے نہیں ہیں۔ تم بڑے ہو لیکن تمہاری آنکھیں بچہ ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے برادر طفل طفلے چشم تُست

اے بھائی بچہ کون ہے؟ یہی تمہاری آنکھیں ؎

کام خود موقوفِ زاریِ دل است
بے تضرع کامیابی مشکل است

بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

(حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

بغیر روئے کامیابی مشکل ہے کیونکہ تیرا کام دل کے رونے پر موقوف ہے۔ دل کو

رونا چاہئے۔ پہلے دل روئے گا پھر آنکھ روئے گی، ورنہ وہ منافق ہے جس کی آنکھ تو روئے اور دل نہ روئے۔ اَلْمُنَافِقُ یَمْلِكُ عَیْنَیْهِ منافق اپنی دونوں آنکھوں کا مالک ہوتا ہے، جب چاہتا ہے رولیتا ہے اس لئے دل کا رونا ضروری ہے، صرف آنکھوں کے رونے سے کیا ہوتا ہے۔ دل کے رونے ہی سے کام بنے گا۔ حلوہ فروش کا بچہ ملنے کے لئے تو اللہ کا ولی ہونا ضروری ہے۔ ناز کرنے کے لئے گلاب کا سا چہرہ ہونا چاہئے، مراد ہے کہ روح کا چہرہ گلاب سا ہونا چاہئے۔ ہر شخص ناز تھوڑی کرسکتا ہے، ناز کرنے کے لئے پہلے روح کو سنوارا جاتا ہے، مجاہدات کئے جاتے ہیں جب روح حسین ہوجائے گی تب ناز کرلینا، ابھی تو جو ضرورت پیش آئے رورو کر اپنے اللہ سے مانگو۔ قرضہ کی ادائیگی کے لئے رونا چاہئے۔ اپنے لئے بھی رونا چاہئے لیکن دین کی ضرورت کو اپنی ضرورت سمجھنا یہ بہت بڑی بات ہے۔ جس کو یہ ہنر مل جائے کہ جب کوئی ضرورت پیش آئے، چھوٹی ہو یا بڑی وضو کر کے دو نفل پڑھ کے اللہ سے روئے۔ ہر معاملہ میں جب یہ توفیق ہونے لگے تو سمجھ لو کہ اللہ ہمیں چاہنے لگا ہے۔ سمجھ لو کہ اب ولایت مل گئی۔ دنیا کی مصیبت ہو یا دین کی مصیبت، سب سے پہلی تدبیر یہ کرو کہ مسجد کی طرف دوڑو فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰهِ بھاگو اللہ کی طرف۔ دنیا کی مصیبت کیا ہے؟ بیماری آجائے قرضہ ہوجائے یا کوئی صدمہ اور غم لگ جائے دین کی مصیبت کیا ہے گناہ کا تقاضا ایسا ہونے لگے کہ گناہ میں ابتلا کا اندیشہ ہونے لگے۔ دل کا گھبرانا طبیعت کا سکون جاتا رہنا، ذکر میں دل نہ لگنا، اس وقت ہوش وحواس کو سنبھالنا، ہمت سے کام لینا، یہ صبر ہے لیکن صبر آئے گا کیسے؟ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ دیکھو مصیبت میں نماز سے مدد لینا نص سے ثابت ہے۔ ایک طرف تو حکم دیا ہے کہ خبردار بے صبری مت کرنا، صبر سے کام لینا، پھر طریقہ بھی بتلا دیا کہ صبر آئے گا کیسے؟ ہوش وحواس کو سنبھالے رہنا، ہمت سے کام لینا، یہ صبر ہے۔ اتنا کر کے

نماز میں مشغول ہو جاؤ تا کہ استقامت نصیب ہو جائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اپنانا چاہئے کہ اجر بھی ملے گا اور کام بھی بنے گا۔ بچہ کو جب دودھ کی ضرورت پیش آتی ہے تو ماں کی طرف بھاگا جاتا ہے۔

اپنے بھانجے کے چھوٹے بیٹے کے متعلق فرمایا کہ آج صبح وہ روٹی کھا رہا تھا۔ میں نے اس کی روٹی اٹھالی کہ دیکھوں یہ کیا کرتا ہے۔ روٹی اٹھا کر میں ایسے کرنے لگا جیسے روٹی لے کر بھاگ جاؤں گا۔ اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ اٹھ کر سیدھا اپنی ماں کے پاس بھاگا ہوا گیا اور کہا کہ اماں دادا ہماری روٹی چھین رہے ہیں۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ بچہ سمجھتا ہے کہ میرا کام میری ماں ہی کرے گی۔ مجھ میں تو اتنی طاقت ہے نہیں کہ میں ان کے ہاتھوں میں سے روٹی چھین لوں۔ وہ اپنی ماں کو سب سے زیادہ طاقتور سمجھتا ہے۔ بچے اور ماں کا جو تعلق ہے، بندے اور اللہ کا اس سے بھی زیادہ ہونا چاہئے۔

لیکن ہم کیونکہ متکبر ہیں، اس لئے اپنے دست و بازو پر نظر رکھتے ہیں کہ ہمارے دست و بازو میں دم ہے۔ ہم سے کون روٹی چھین سکتا ہے؟ چھینے گا تو ہم اس کا منہ توڑ دیں گے۔ ہم سے کون گناہ کرا سکتا ہے؟ گناہ سے مقابلہ کی قوت رکھتے ہیں لیکن اللہ والے اپنے دست و بازو پر نظر نہیں رکھتے۔ ان کی نظر صرف اللہ پر ہوتی ہے۔ ہزاروں دفعہ اکھاڑے میں چت ہوتے ہیں۔ اگر آپ بڑے شیر ہیں تو ایک بار توبہ کرنے پر دوسری بار کیوں گناہ کرتے ہیں؟ اگر آپ کا ارادہ ہی سب کچھ ہے تو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟ جب آدمی کے ارادے ٹوٹتے ہیں، بار بار ٹھوکر کھاتا ہے، اس وقت اس کو اپنی بے دست و پائی معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر اسکی نظر اپنے ارادوں پر نہیں رہتی بلکہ اللہ پر ہو جاتی ہے کہ میرے چاہنے سے کچھ نہیں ہوسکتا، سب کچھ آپ کے چاہنے پر موقوف ہے۔ اگر آپ چاہیں گے تو گناہ سے بچ جاؤں گا ورنہ ساری شہبازیت دھری رہ

جائے گی۔ ہر وقت ہر سانس ؎

دم بدم پابستۂ دامِ نو ایم
گر ہمہ شہباز و سیمرغے شویم
گر ہزاراں دام باشد بر قدم
چوں تو بامائی نہ باشد ہیچ غم

ہر وقت پیر بندھا ہوا ہے نئے نئے جال میں، مراد ہیں گناہوں کے جال۔ کسی کی غیبت کر لی کسی پر بدگمانی ہوگئی، جھوٹ بول دیا، کسی پر حسد ہوگیا۔ لاکھ بچتے تھے لیکن کتنی بار ان جالوں میں پھنس جاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہر سانس، ہر ساعت ان نئے نئے جالوں میں پیر بندھا ہوا ہے۔ اگرچہ ہم سب لوگ شہباز اور سیمرغ کیوں نہ ہوجائیں، مراد سالکین ہیں، یعنی اللہ کا رستہ طے کرنے والے۔ ہماری شہبازیت اور سیمرغیت کچھ کام نہیں آتی۔ شہباز شیر کا شکار کرتا ہے۔ مان لو کہ ذکر کر کے بہت بڑے ہوگئے کہ قرب اور روحانی قوت میں بڑے بڑوں سے آگے نکل گئے لیکن اللہ کا کرم شاملِ حال نہ ہوا تو شہباز بھی جال میں پھنس جائے گا۔ اگر ہزاروں جال ہمارے قدم پر رکھے ہوئے ہوں لیکن آپ ہمارے ساتھ ہوجائیں تو پھر ہمیں کوئی غم نہیں ہوگا۔ یعنی پھر ہم کسی جال میں نہیں پھنس سکتے۔ اس کے لئے رو کر اللہ کی رحمت اور کرم مانگو، چاہے دنیا کی مصیبت ہو یا دین کی مصیبت۔ گناہ دین کی مصیبت ہے لیکن گناہ کا تقاضا مصیبت نہیں ہے۔ اگر تقاضہ پر عمل نہ کیا تو قرب اور بڑھ جائے گا کیونکہ تقاضا پر عمل نہ کرنے سے دل ٹوٹے گا، کلفت ہوگی۔ یہی کیمیا ہے، ٹوٹے ہوئے دلوں میں ہی وہ آتے ہیں۔ خزانہ ویرانہ ہی میں دفن ہوتا ہے۔ اس لئے تقاضا سے کبھی نہ گھبرانا۔ جب گناہ کا تقاضا پیدا ہو تو خوش ہوجاؤ، سمجھ لو کہ یہ تقاضا ہی تو ذریعہ ہے ان کا قرب حاصل کرنے کا۔ اسی لئے ہیجڑا خاص ولی

نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے اندر تقاضا ہی نہیں، ہزار عورتیں اور امرد سامنے لائیے! اسے گناہ سے بچنے میں کوئی مشقت ہی نہ ہوگی۔ اپنے نفس سے کہو کہ کمبخت کیا ہیجڑا بننا چاہتا ہے؟ یہ مردوں کا ہی کام ہے کہ تقاضا شدید ہوتا ہے اور پھر عمل نہیں کرتے۔ پھر بھی چت ہونے کا اندیشہ ہو تو وضو کرو، دو نفل پڑھو اور اللہ سے روؤ۔ اگر یہی ہنر آجائے اور اس عمل کی توفیق ہونے لگے تو سمجھ لو کہ آج ہمارا کام بن گیا، آج ہمیں ولایت نصیب ہوگئی۔ ہر مشکل کے وقت اللہ یاد آنے لگے۔ مسجد کی طرف بھاگو فَفِرُّوْآ اِلَی اللہِ۔ یہ بڑی نعمت ہے۔ یہ عمل کتابوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ آج مجھے بھی اس کی توفیق نہ ہوتی لیکن یہ میرے شیخ نے مجھے سکھایا ہے۔ شیخ کو دیکھ کر یہ بات نصیب ہوئی ورنہ کبھی نہ آتی۔

حضرت پھولپوریؒ کے ایک دوست کو ہیضہ ہوگیا۔ حضرت سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت کو مچھلی بہت کھلایا کرتے تھے۔ سردی کے موسم میں پانی سے خود مچھلی پکڑ کر لایا کرتے تھے۔ تیرنا بہت اچھا جانتے تھے، کھڑے کھڑے تیرتے تھے۔ اکثر فجر کے وقت بھیگے ہوئے چلے آرہے ہیں کہ لیجئے حضرت آپ کے لئے مچھلی لایا ہوں۔ حضرت کو خبر ملی کہ ان کو بے ہوشی ہوگئی ہے۔ جان نکلنے والی ہے۔ قریب میں ایک ندی تھی حضرت وہاں گئے، غسل کیا۔ یہاں ایک ملفوظ سنادوں۔ حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ دریا میں گھس کر کہ پانی ناف تک آجائے کپڑے اتار کر دعا مانگی جائے تو بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ آجکل حرام غذا پیٹ میں پہنچ رہی ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ پیٹ میں حرام غذا کا ایک لقمہ بھی ہوتا ہے تو دعا قبول نہیں ہوتی۔ دریا میں گھس کر تھوڑا سا پانی پی لے، پیٹ میں حلال غذا پہنچ گئی اور جسم پر حلال کپڑا آگیا، پانی کا کپڑا۔ پھر دعا کرے تو وہ دعا عرش پر پہنچے گی کوئی روک نہیں سکتا۔ حضرت کو یہ ملفوظ ملا ہوا تھا۔ مجھے بھی حضرت کی برکت سے دریا میں دعا مانگنے کا خوب موقع

ملا۔ میں نے دعا میں کبھی دنیا نہیں مانگی، ہمیشہ اللہ سے اللہ کو مانگا کہ آپ مل جائیں تو سب کچھ مل گیا۔ دنیا کو مانگا تو کیا مانگا اللہ کی قدر نہ پہچانی۔ اللہ سے اللہ کو مانگو۔ مرتے وقت کان میں یہ آواز آجائے کہ میرے بندے میں تم سے خوش ہوں، کوئی نعمت اس کے برابر نہیں۔ اگر یہ مل گئی تو سب کچھ مل گیا، ورنہ کچھ نہ ملا، ساری نعمتیں وبال ہیں۔ یہ نعمت صرف ان کے کرم پر موقوف ہے۔ اگر دودھ میں خون اور گوبر مل جائے تو کیا آپ اسے پئیں گے؟ تو یہ ہمارا عمل اہتمامِ تلاوت کا ذکر کا، کیا یقین ہے کہ یہ خالص ہے؟ اور اللہ تعالیٰ اسے قبول ہی کرلیں گے۔ دنیا میں تو ہم خالص دودھ کے علاوہ پسند ہی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے غیر خالص عمل کو بھی پسند کرلیں اور ہم سے خوش ہو جائیں۔ جبکہ یہ یقین بھی نہیں کہ ہمارے عمل خالص ہیں۔ اپنے عمل پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

((وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ))

(مرقاۃ، کتاب الآداب، باب البر والصلوۃ)

جو لوگ مخلصین ہیں وہ لوگ زیادہ خطرے میں ہیں، یعنی اپنے عمل کے بارے میں انہیں کھٹکا لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں قبول بھی ہے یا نہیں۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

لہٰذا جو کام بھی کر رہے ہو، خواہ مدرسے کے بلاک رکھوانے کے لئے مستری کے پاس جارہے ہو، آسمان کی طرف نگاہ کرلو کہ اے اللہ یہ عمل قبول کرلیجئے۔ اور اخلاص کی توفیق عطا فرمائیے۔ اپنے اعمال کی نگرانی کرو کہ کہیں ریا، جاہ، عزت وشہرت کی طلب تو دل میں نہیں گھس رہی ہے۔ ورنہ قیامت کے دن مہاجر اُمِّ قیس ثابت ہو گے۔ تم نے دنیا کے لئے مدرسہ قائم کیا تھا، دنیا ہی سے معاوضہ لے لو۔ یاد رکھو! کہ تم مہتمم ہو کر ناکام ہو جاؤ گے اور چندہ دینے

والے افضل ہوں گے جنہیں کوئی جانتا بھی نہیں۔جنہوں نے بے نام ونشان ہو کر اللہ کے راستہ میں چندہ دیا تھا۔ ہر وقت یہ خیال رکھو کہ ہمارے کسی عمل کے مقابلے میں شیطان ونفس دنیا کا کوئی معاوضہ تو پیش نہیں کر رہے۔ یہ معاوضہ کیا ہے؟ جاہ، عزت وشہرت کی طلب۔ دعا بھی کرتے رہو کہ اے اللہ جس طرح آپ کا فضل قادر ہے کہ خون اور گوبر سے دودھ کو الگ کر دیتا ہے۔اسی طرح میرے عمل میں جو میرے نفس کا خون اور گوبر مل گیا ہو آپ اسے پاک کر دیجئے۔حضرت شیخ پھولپوری فرمایا کرتے تھے کہ کرتے رہواور ڈرتے رہو۔اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرو کہ جو کام بھی ہو رضائے الٰہی کے واسطے ہو، دنیا کی کوئی غرض چھپی ہوئی نہ ہو۔اپنے قلب میں جھانکو کہ میں مہاجر اُمِ قیس تو نہیں ہوں اور اللہ سے اخلاص مانگتے رہو۔میرے پاس جب آیا کرو تو بھی نیت درست کر لیا کرو کہ اے اللہ صرف آپ کی محبت سیکھنے جارہا ہوں۔اگر اس کے علاوہ میرے دل کی گہرائی میں کوئی بت چھپا ہوا ہے تو آپ اسے نکال دیجئے۔ اپنے کسی عمل پر ناز نہ کرو بلکہ ڈرتے رہو کہ نہ معلوم اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوئے یا نہیں۔نہ معلوم اس میں اخلاص بھی ہے یا نہیں۔اس لئے معافی بھی مانگتے رہو کہ اے اللہ آپ کے پاس قدرتِ مطلقہ کی ایسی مشین ہے کہ دودھ کو خون اور گوبر سے الگ کر دیتی ہے۔آپ میرے نفس کے خون اور گوبر سے میرے عمل کو پاک کر دیجئے۔ یہ نعمت انہیں حاصل ہوگی جنہیں فکر ہوگی۔ ورنہ میں نے بہت سے ایسے مہتمم دیکھے ہیں جنہیں کچھ خبر نہیں حلال وحرام تک کی پرواہ نہیں، چندہ آنا چاہئے۔ چاہے سود لینے والے ہی کا ہو۔ اللہ والوں کے پاس یہی اخلاص سیکھنا پڑتا ہے۔حضرت شیخ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک کافیہ پڑھے ہوئے شیخ کے پاس بخاری پڑھنے نہیں گئے تھے، مسئلہ سیکھنے نہیں گئے تھے، مفتی بننے نہیں گئے تھے، یہی اخلاص لینے گئے تھے۔

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ حضرت شیخ پھولپوری کو جب مچھلی شکار کرکے لانے والے مرید کی بیماری کی خبر ملی تو بہت غم ہوا۔ حضرت کو بھی ان سے بہت محبت تھی کیونکہ جتنی محبت مرید کو پیر سے ہوتی ہے اتنی ہی پیر کو مرید سے بھی ہوتی ہے۔ ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ آپ کو مجھ سے کتنی محبت ہے؟ فرمایا کہ اپنے دل سے پوچھ لو کہ تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے، جتنی تمہیں مجھ سے محبت ہوگی اتنی ہی مجھے تم سے ہے۔ اپنے مربی سے جس کو جتنی محبت ہوتی ہے اتنا ہی اس پر اللہ کا فضل مرتب ہوتا ہے۔ محبت کا راستہ بھی عجیب راستہ ہے۔ محبت کے آداب نرالے ہیں۔ محبت خود ادب سکھا دیتی ہے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آدابِ محبت کس نے سکھائے تھے؟ اسی محبت نے جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند ہیں۔ پہلی چیز ہے اَلنِّسَآءُ منکوحہ عورتیں کہ ان سے دین کے پھیلنے میں مدد ملتی ہے۔ جو شب و روز رسول کا اسوۂ حسنہ دیکھتی ہیں۔ امت کی ماؤں سے کتنے مسائل معلوم ہوئے۔ صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو ہزار دو سو دس احادیث مروی ہیں (سیر اعلام النبلآء) اور فرمایا کہ دوسری چیز ہے اَلطِّیْبُ خوشبو اور تیسری چیز ہے وَجُعِلَ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ (سنن نسائی، باب حب النسآء) حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صدیق سے تو پوچھ لیجئے کہ آپ کے صدیق کو کیا پسند ہے۔ آج کل کے مرید زیادہ پرواز کرتے تو وہی باتیں دہرا دیتے جو شیخ کو پسند ہیں لیکن وہ صدیق کا سینہ تھا۔

نہ ہر سینہ را رازدانی دہند
نہ ہر دیدہ را دیدہ بانی دہند

ہر سینہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے اللہ تعالیٰ اپنا راز دار بنالیں اور ہر آنکھ اس قابل نہیں ہوتی کہ دوسری آنکھوں کی رہبر بن جائے، امام بن جائے، خود بصیرت والی ہوجائے اور دوسروں کو بھی بصیرت عطا کرنے والی ہوجائے۔

ہم ہوتے تو یوں کہہ دیتے کہ مجھے بھی وہی باتیں پسند ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہیں لیکن صدیق کا مقام ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ یہاں عقل کام نہیں دیتی، عشق کام دیتا ہے، محبت کام دیتی ہے۔ عشق ہوگا تو بازی لے جائے گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صدیق کو بھی تین باتیں پسند ہیں۔ ایک تو ہے اَلنَّظَرُ اِلَیْكَ آپ کو دیکھتے رہنا دنیا کی تمام نعمتوں سے افضل ہے۔ یہ ساری دنیا کی نعمتیں ایک طرف اور آپ کو دیکھنا ایک طرف۔ مجھے صرف یہ پسند ہے کہ آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھے جاؤں۔ عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت آپ پر نثار ہیں۔ آپ کو ایک نظر دیکھنا صدیق کے لیے دونوں عالم سے افضل ہے۔ دیکھو یوں صدیقیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ہی صدیق کا مقامِ عشق ہے۔ اللہ ورسول پر جان قربان کرنی چاہئے۔ بکر بن عبداللہ المزنیؒ کا قول ہے:

((مَا فُضِّلَ اَبُوْ بَکْرِنِ النَّاسَ بِفَضْلِ صَلٰوۃٍ وَبِکَثْرَۃِ صِیَامٍ وَلَا بِکَثْرَۃِ رِوَایَۃٍ وَفَتْوٰی وَکَلَامٍ وَلٰکِنْ بِشَیْءٍ وُّقِّرَ فِیْ صَدْرِہٖ))

(اتحاف السادة المتقين، ج:۱، ص:۲۹۲، دار الكتب العلمية)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت لوگوں پر کثرت نماز کی وجہ سے نہیں کہ وہ نوافل وغیرہ بہت زیادہ پڑھتے ہوں اور نہ روزوں کی کثرت کی وجہ سے ہے اور نہ روایات کی کثرت کی وجہ سے ہے کہ ان سے بہت روایات مروی ہوں اور نہ فتووں کی کثرت کی وجہ سے ہے کہ وہ بہت بڑے مفتی ہوں اور نہ تقریر کی کثرت کی وجہ سے ہے کہ وہ بہت بڑے مقرر ہوں لیکن ان کے دل

میں ایک چیز ہے جس کی وجہ سے ان کا درجہ بلند ہوا ہے اور وہ ہے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جان قربان کرنے کا جذبہ۔ صدیقیت محبت کا اعلیٰ مقام ہے۔

کون کہتا ہے کہ آج صدیق پیدا نہیں ہو سکتے۔ البتہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا کوئی صدیق نہیں ہو سکتا۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ صدیقیت کی کرسیاں خالی ہیں، لے لو۔ صرف نبوت کا دروازہ بند ہوا ہے ولایت کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ ولایت کا سب سے اعلیٰ مقام صدیقیت ہے۔

ہر شیخ کے کچھ صدیق ہوتے ہیں۔ مولانا تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے امیر خسرو خواجہ صاحب ہیں۔ صدیق ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کیا اور صحابہ صدیق نہیں تھے۔ یہ عقیدہ غلط ہے کہ اور صحابہ کو صدیقیت حاصل نہیں تھی لیکن حضرت ابو بکر سید الصدیقین تھے ان کا مقام سب سے زیادہ بلند تھا اور حشر کے دن بھی وہ صدیقین کی جماعت کے سردار ہوں گے۔ اسی طرح کیا حضرت صدیق کو فاروقیت حاصل نہیں تھی کیا وہ اَلْفَارِقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ نہیں تھے لیکن جس میں جو ایک امتیازی شان پیدا ہو گئی تھی اس کی وجہ سے اسے وہ خاص لقب حاصل ہو گیا۔ قلب میں صدیقیت پیدا کرو یقین پیدا کرو اور یہ حاصل ہو گی شیخ کی محبت سے، جو محبت اللہ کے لئے ہوتی ہے اس میں نور ہوتا ہے۔ جتنی اپنے شیخ کی محبت بڑھتی جائے گی، یقین بڑھتا جائے گا۔ یہ سمجھ لو کہ روئے زمین میں شیخ سے بڑھ کر کسی کی محبت دل میں ہے تو فیض نہیں پہنچے گا۔ فرض کر لو کہ کسی مِل کا مالک مدرسہ پہنچ جائے اور ایک لاکھ کا چیک مدرسہ کے نام کاٹ رہا ہو، اسی وقت میں بھی پہنچ جاؤں تو وہ وقت مولانا...... صاحب مہتمم مدرسہ کے امتحان کا وقت ہوگا کہ اس وقت وہ اس مِل کے مالک کی جوتیاں سیدھی کرتے ہیں یا میری جوتیاں سیدھی کرتے ہیں۔ جو مخلص ہوگا وہ تو اپنے

مربی کے سامنے کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا چاہے زمین و آسمان کی دولت لٹ رہی ہو۔ جو مخلص ہوتا ہے اسے اپنے مربی کے علاوہ کوئی اچھا نہیں لگتا۔ اس کے قلب میں اپنے شیخ سے بڑھ کر کسی کی محبت نہیں ہوتی۔ اللہ والے کبھی کبھی امتحان لیتے ہیں طالب کے اخلاص کا، اس کی طلب کا۔ لیلیٰ سے کسی بادشاہ نے کہا تھا۔

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی؟
کز تو مجنوں شد پریشان و غوی؟

کہ تو ایسی بدصورت و بدشکل ہے لیکن مجنوں نہ جانے کیوں ترے عشق میں پاگل ہو رہا ہے۔

از دگر خوباں تو افزوں نیستی

دوسری خوبصورت عورتوں سے تو تو کچھ بھی بہتر نہیں ہے پھر بھی نہ جانے کیوں مجنوں تیرا دیوانہ ہے۔

گفت خامش، چوں تو مجنوں نیستی

لیلیٰ نے بادشاہ کو ڈانٹ کر کہا کہ خاموش! تو مجنوں نہیں ہے۔

دیدۂ مجنوں اگر بودے تُرا
ہر دو عالم بے خطر بودے تُرا

اگر تجھے مجنوں کی آنکھیں مل جاتیں تو دونوں عالم تیرے لئے بے قدر ہو جاتے۔ میرے شیخ نے فرمایا تھا کہ یہاں بے خطر کے معنی بے قدر کے ہیں۔ لیلیٰ کے مجنوں اور ہیں اور مولیٰ کے مجنوں اور ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں دیکھنے کے لئے حضرت صدیق اکبر کی آنکھ چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت صدیق اکبر سے پوچھو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عرض کرتے ہیں کہ آپ کو ایک نظر دیکھ لینا میرے لئے دونوں جہان سے افضل ہے۔

آگے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دوسری پسند عرض کرتے ہیں کہ وَالْجُلُوْسُ بَیْنَ یَدَیْكَ آپ کے پاس بیٹھے رہنا، اس سے بڑھ کے میرے نزدیک دنیا میں کوئی نعمت نہیں ہے۔ نہ بیوی بچوں میں نہ دوستوں میں ہنسی مزاح کرنا، نہ لوگوں پر حکمرانی کرنا۔ اس کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

کشتہ و مردہ بہ پیشت اے قمر
بہ کہ شاہِ زندگاں جائے دگر

جان کو سکون صرف آپ کے پاس بیٹھنے میں ملتا ہے۔ آپ کی ملاقات سے جان سو جان ہو جاتی ہے ؎

جان ما از وصل تو صد جاں شود

محبت ایسی ہونی چاہئے کہ ملاقات سے جان کو یہ معلوم ہو کہ سو جان ہو گئی۔ جب ایک طویل عرصہ تک الگ رہنے کے بعد بیوی کے پاس جاتے ہو تو کیا معلوم نہیں ہوتا کہ نئی جان مل گئی سو جانوں کے برابر۔ اللہ والوں کی محبت اس سے زیادہ ہونی چاہئے۔ بیوی میں کیا رکھا ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ۔ لاشوں سے محبت کی تو کیا کی۔ ایک دن قبر میں کیڑے چل رہے ہوں گے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قبرستان میں تشریف لے گئے اور یہ خطبہ دیا۔ خطبہ کیا تھا اصل میں اپنے کو سنانا تھا کہ میں غفلت میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ فرمایا اے نوجوانو! جن کو اپنی جوانیوں پر ناز تھا کیا ہوئی وہ جوانی؟ تمہارا وہ حسن کہاں چلا گیا؟ اے پہلوانو! تمہاری پہلوانی اور طاقتیں کیا ہو گئیں؟ جن پر تم ناز کیا کرتے تھے۔ معاف کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ اے بادشاہو! تمہارے وہ قلعے کیا ہوئے؟ دیکھو! ایک وہ وقت تھا کہ ایوب خان کے نام سے پہلے صدر مملکت فیلڈ مارشل اور نہ جانے کیا کیا لکھا جاتا تھا، القاب ایک سطر میں آتے تھے۔ آج خالی مسٹر ایوب خان ہو گئے۔ اس لئے اگر دنیا کی فانی چیزوں سے محبت کی تو کیا کی، وقت

ضائع کیا۔ دل میں اللہ تعالیٰ نے جو محبت دی ہے اگر اس کا رخ اللہ کی طرف ہو گیا تو پاک ہو جائے گی۔ اور اگر دنیا کی طرف ہو گیا تو ناپاک ہو جائے گی۔ ان آنکھوں سے اگر ٹیڈیوں کو دیکھا تو تم نے یہ آنکھیں ناپاک کرلیں۔ اگر کسی اللہ والے کو دیکھا تو آنکھیں پاک ہوگئیں۔ ان آنکھوں سے ٹیڈیوں کو نہ دیکھو اللہ والے کو دیکھو۔ جان کو سکون صرف اللہ والے کے پاس بیٹھنے میں ملے، محبت ایسی ہونی چاہئے۔ اسی لئے حضرت صدیق اکبر کو دنیا کی کوئی نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے سے زیادہ محبوب نہیں تھی۔ اسی لئے عرض کیا وَالْجُلُوْسُ بَیْنَ یَدَیْكَ ہمیشہ آپ کے پاس بیٹھا رہوں، اس سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی نعمت نہیں۔

اپنی تیسری پسند حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ عرض کی کہ وَاِنْفَاقُ مَالِیْ عَلَیْكَ آپ پر اپنے مال کو قربان کرتا رہوں اور خرچ کر کے بھی دکھایا ایسا خرچ کیا کہ ان کے مقابلہ میں کون خرچ کرسکتا ہے۔ اپنے پاس کوئی چیز باقی نہ چھوڑی گھر میں جھاڑو دے دیا پہلے جھاڑو دی پھر جھاڑو کو بھی لے آئے، سوئی دھاگا تک نہ چھوڑا۔ بٹن بھی توڑ کر چندے میں داخل کر دیا اور کمبل میں کانٹا لگا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اپنے بچوں کے لئے کیا چھوڑا؟ کہا کہ اللہ و رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ معلوم ہے پھر کیا انعام ملا، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا کہ تم بھی اپنے کمبل میں کانٹا لگا کر اسی لباس میں جاؤ جس میں ہمارا صدیق ہے۔ تم میرے عاشق بنتے ہو۔ انسانوں میں بھی میرے ایسے ایسے عاشق ہیں کہ میری محبت میں مال و دولت کو، بیوی بچوں کو قربان کرسکتے ہیں۔ تم میں تو قربانی کا تقاضہ ہی نہیں ہوسکتا۔ تم کیا دعویٰ میری محبت کا کرتے ہو۔ تمہارے پاس نہ بیوی ہے نہ بچے ہیں۔ میرے صدیق کو دیکھو کہ بیوی بھی ہے بچے بھی ہیں لیکن میری محبت میں کسی کی پرواہ نہ

کی۔صاحب نصاب تھے مستحقِ زکوٰۃ ہو گئے۔حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لا ئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر کو سلام بھیجا ہے اور پوچھا ہے کیا آپ اپنی اس حالت سے راضی ہیں؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت وجد آ گیا رقص کرنے لگے اور کہنے لگے اَنَا رَاضٍ عَنْ رَّبِّیْ، اَنَا رَاضٍ عَنْ رَّبِّیْ (میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں) اس لئے مولوی اور محدث ہونا، عابد و زاہد ہونا کافی نہیں، قلب میں صدیقیت پیدا کرو، یقین پیدا کرو، اس یقین کی بدولت قیامت تک حضرت صدیق اکبرؓ کا ایمان ایک طرف اور ساری امت کا ایمان ایک طرف۔حضرت صدیق کے ایمان کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ و رسول پر جان قربان کرنی چاہئے۔محبت خود راستہ دکھاتی ہے۔

از محبت شاہ بندہ می شود

محبت سے بادشاہ محبوب کا غلام بن جاتا ہے۔

از محبت مسّہا زریں شود

اور محبت سے تانبہ سونا ہوجاتا ہے۔

اسی لیے حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ و رسول پر جان قربان کرنا چاہئے۔ زیادہ پڑھنے پڑھانے سے کیا ہوتا ہے۔ان کی نافرمانیوں سے بچنا چاہئے۔مگر سب ان کے کرم پر موقوف ہے، جس کو وہ چاہتے ہیں تو شیخ کی ایک نظر کافی ہو جاتی ہے، ایک توجہ میں کام بن جاتا ہے، ایک مجلس کافی ہوتی ہے اور جس کو وہ نہ چاہیں تو کوئی مرشد اس کو ہدایت نہیں دے سکتا اس لئے جب میرے پاس آیا کرو تو دعا کر کے آیا کرو کہ اے اللہ پہلے آپ مجھے چاہ لیجئے تب وہاں کی مجلس نفع دے گی۔ اے اللہ اگر آپ چاہ لیں گے تو ایک مجلس میں کام بن سکتا ہے اور آپ نہ چاہیں

تو عمر بھر پڑا رہوں کچھ نفع نہ ہوگا۔ اس لئے اے اللہ بس آپ ہمیں چاہ لیجئے اور اپنا بنا لیجئے۔

۲۱ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ مطابق ۶ جولائی ۱۹۶۹ء، بروز اتوار، بوقت صبح گیارہ بجے، بمقام ۴-جی ۱۱۲ ناظم آباد کراچی

شیخ کی تربیت کی مثال

ارشاد فرمایا کہ وضو کرتے وقت ابھی ایک بات اللہ نے دل میں ڈالی کہ جو چیز وقت پر آتی ہے وہ خاص دسترخوان کے لئے آتی ہے، یہ اللہ کے قرب اور نعمت کا دسترخوان ہے۔ آپ لوگوں کی روح کی تربیت کے لئے اللہ میاں نعمتیں بھیجتے ہیں۔ جسم کی نشونما کے لئے تربیت کی ایک مدت شریعت نے مقرر کی ہے۔ دو سال تک بچہ صرف ماں کا دودھ پیتا ہے۔ دو سال تک ماں دودھ پلا سکتی ہے۔ جس ماں کے دودھ نہ ہو اور اس کو باہر کا دودھ پلایا جائے تو اس کی صحت عمدہ نہیں ہو پاتی، اس بچہ کے ہاتھ پاؤں کمزور رہتے ہیں، جسم کی ایسی نشو و نما نہیں ہو پاتی جیسی کہ ماں کے دودھ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح شیخ کی زبان سے نکلا ہوا لفظ دودھ ہے جو طالبین کی روحوں کو طاقت دیتا ہے، انہی الفاظ سے طالبین کی روحوں کی تربیت ہوتی ہے۔ اگرچہ آج محسوس نہ ہو رہا ہو لیکن دودھ اپنا کام کرتا ہے، بچہ کو کب معلوم ہوتا ہے؟ کہ ماں جو مجھے دودھ پلا رہی ہے اس سے میرے جسم کو کیا نفع ہو رہا ہے، اسے تو کچھ خبر نہیں ہوتی لیکن جسم اسی دودھ سے نشو و نما پاتا ہے۔ ماں جانتی ہے کہ دودھ کیا کام کر رہا ہے، اس لئے وقتوں پر پلاتی رہتی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کے ایک خلیفہ حضرت مفتی محمود صاحب نے میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ

میں نے خواب میں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ میرے متعلق فرمارہے تھے کہ اگر یہ میرے پاس ہوتے تو میں ان کو دودھ پلاتا۔ دودھ سے مراد علم دین ہے۔خواب میں دودھ دیکھنے کی تعبیر یہ ہے کہ علم دین حاصل ہوگا۔اسی طرح اگر کوئی اپنے آپ کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ بڑی روحانی ترقی حاصل ہوگی۔خواب میں جو حضرت حکیم الامت تھانوی نے فرمایا کہ میں ان کو دودھ پلاتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ان کی تربیت کرتا۔لیکن وہ حضرت شیخ سے بیعت ہوگئے۔مجدد وقت سے فیض لینا ان کے حصہ میں نہ تھا۔جس کو جہاں سے حصہ ملنا ہوتا ہے وہ وہیں جاتا ہے۔سب انتظامات حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

خیر! شیخ کے منہ سے نکلی ہوئی بات میں طاقت کچھ اور ہوگی۔حدیث کی شرح کتابوں میں پڑھ آؤ،قرآن پاک کی آیات کا ترجمہ پڑھ آؤ،لیکن وہی بات شیخ کے منہ سے نکلے گی تو اس میں طاقت ہی کچھ اور ہوگی۔اس راستہ میں صرف پڑھنے پڑھانے سے کام نہیں بنتا۔تربیت کسی کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت یہی ہے۔ جو بچہ جس ماں کا ہوتا ہے اسی کے دودھ سے نفع کامل ہوگا کسی اور کے دودھ سے اس کی صحت عمدہ نہیں ہو پائے گی۔ہاتھ پاؤں کمزور رہیں گے۔اسی طرح جس کی روح کو جس شیخ سے مناسبت ہوگی اس کو وہیں کامل نفع ہوگا، ورنہ نسبت کاملہ حاصل نہیں ہوگی۔ جو لوگ سلوک میں قدم رکھتے ہیں یہ ان کا زمانۂ رضاعت ہے۔ایک دو دن کا کام نہیں ہے اور نہ ہر ایک کے لئے ایک ہی مدت ہے۔ ہر ایک کی مدت اس کی حالت کے مطابق الگ ہوتی ہے۔بعض کی مدتِ رضاعت جلد ختم ہوجاتی ہے،بعض کی دیر میں۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مدت کسی اللہ والے کے پاس رہ، لو مجاہدات کرلو، اپنے نفس کو مٹالو، ایک عرصہ تک یہ محنت کرنی

پڑے گی پھر یہ رضاعت کا زمانہ ختم ہو جائے گا، پھر صاحبِ اولاد ہونے کی صلاحیت پیدا ہوجائے گی۔ بچہ ہمیشہ بچہ تھوڑی رہتا ہے، کبھی باپ بھی بنتا ہے۔ پھر تم میں دوسروں کو اللہ والا بنانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی، پھر تمہاری نسبت تم تک محدود نہ رہے گی بلکہ متعدی ہو جائے گی۔ تمہیں دیکھ کر دوسرے اللہ والے بنیں گے۔ جیسے گوشت کے قیمہ کو ایک وقت تک کوٹا پیسا جاتا ہے۔ پھر کباب کو جب آنچ پر رکھا جاتا ہے تو اس کی خوشبو سے کافروں کے دل میں بھی ایمان آنے لگتا ہے کہ گائے کا کباب ایسا ہوتا ہے تو لاؤ میں بھی کلمہ پڑھتا ہوں۔ اسی طرح جب کوئی اللہ کے راستہ میں کسی کی رہبری میں خوب مجاہدہ کرتا ہے تو ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خوشبو اڑا دیتے ہیں، جس سے اس اللہ والے کو دیکھ کر کافروں کے دلوں میں ایمان آتا ہے۔ جب آدمی صاحبِ نسبت ہوجاتا ہے تو اسے خود معلوم ہوجاتا ہے کہ آج میں صاحبِ نسبت ہو گیا۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب جو حضرت تھانوی کے بہت چہیتے خلیفہ تھے، حضرت کے عاشق تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے دریافت کیا کہ جب آدمی صاحبِ نسبت ہو جاتا ہے تو کیا اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ آج میں صاحب نسبت ہو گیا؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں! جب بچہ بالغ ہوتا ہے تو کیا اسے معلوم نہیں ہوجاتا کہ آج میں بالغ ہو گیا یا وہ کسی سے پوچھنے جاتا ہے کہ میں بالغ ہوا یا نہیں؟ اس کی رگ رگ کا جوش اور طاقت اسے خود بتا دیتی ہے کہ آج تو بالغ ہو گیا۔

نسبت کے معنی اصطلاحِ صوفیا میں یہ ہیں کہ بندے کی روح کا اللہ سے اور اللہ کا بندہ سے قوی رابطہ ہو جائے۔ کبھی نسبت یک طرفہ ہوتی ہے کہ بندہ کا اللہ سے رابطہ ہو لیکن اللہ کا بندے سے نہ ہو۔ جیسے بدعتی پیر ہیں کہ محنت اور مجاہدات بھی کرتے ہیں لیکن قرب نصیب نہیں ہوتا۔ وہ تو اپنے آپ کو اللہ کا ولی

سمجھتے ہیں اور اللہ کے یہاں اولیا کے گروہ میں ان کا نام نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ کا ولی ہونے کے لئے تو اتباعِ سنت اور نافرمانیوں سے پرہیز ضروری ہے صرف ذکر اور مجاہدوں سے کیا ہوتا ہے وہ یہ مجاہدے تو کرتے ہیں ذکر بھی کرتے ہیں لیکن دوسرے گناہوں میں مبتلا ہیں، سنت کے مطابق زندگی نہیں، پھر ان کو قرب کیسے حاصل ہوگا؟ ان کا حال بالکل ایسا ہے جیسا مولانا رومی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کہتا پھرتا تھا کہ میری بادشاہ کی لڑکی سے شادی ہورہی ہے جبکہ بادشاہ کو محل میں اس کی خبر بھی نہیں تھی ؎

خانۂ داماد پُر از شور و شر
خانۂ دختر نبودے زاں خبر

ایسے ہی یہ بدعتی شور مچاتے ہیں کہ ہم اللہ کے ولی ہیں لیکن اولیا کے گروہ میں ان کا نام نہیں ہوتا۔ مجنوں بنے پھرتے ہیں اور لیلیٰ کے یہاں مجنوں کی فہرست میں ان کا نام نہیں ہے۔ اللہ کا شکر کرو کہ کسی ایسے کے چکر میں نہیں آ گئے ورنہ عمر بھر خاک چھانتے اور کچھ حاصل نہ ہوتا۔

بچوں کی ابتدا کے زمانے میں ماں کا دودھ ہی کام کرتا ہے۔ اسی سے نشوونما ہوتی ہے۔ چاہے پھر پہلوان بن جاؤ پانچ فٹ دس انچ کا قد ہوجائے پھر ماں کے دودھ کی ضرورت نہیں رہتی لیکن ماں کے سامنے وہ گردن کو نہیں اٹھا سکتا کہ اس کے دودھ سے ہی تو یہ قد پانچ فٹ کا ہوا ہے۔ اسی طرح نسبت مع اللہ حاصل کرنے کے بعد شیخ کے پاس رہنے کی ضرورت نہیں رہتی، اس کی روح میں خود چراغ جل جاتا ہے، اسے بغیر شیخ کے بھی ہر وقت اللہ کا قرب حاصل رہتا ہے لیکن شیخ کے آگے کندھوں کو جھکائے رکھنا پڑے گا کیونکہ اس کی تربیت ہی سے تو یہ مقام حاصل ہوا ہے۔ بس چند روز محنت کرنی ہے اس کے بعد ولایت نصیب ہوجائے گی۔ وہاں سب لکھا ہوا ہے کہ فلاں سال فلاں فلاں دن فلاں

بچ کر فلاں منٹ پر اس کو ولی بناؤں گا۔ لیکن یہ نیت کرنا کہ میں شیخ بن جاؤں یا خلیفہ بن جاؤں یہ اللہ کا راستہ کا حجاب ہے۔ اگر یہ تمنا دل میں آئے تو اللہ سے دوری ہو جائے گی۔ مقصود صرف اللہ ہونا چاہئے کہ اے اللہ آپ مل جائیں۔ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ یہ ہمیں چاہ رہا ہے یا خود کو چاہ رہا ہے کہ میں شیخ بن جاؤں۔ جہاں اللہ کے علاوہ کسی غیر کو چاہا دوری ہوگئی۔ اللہ میاں کی نظر سے نظر ملی رہے کہ وہ کس بات سے خوش ہوتے ہیں اور کس بات سے ناراض ہوتے ہیں۔ خدا کے علاوہ کسی اور چیز کی تمنا اخلاص کے درخت میں گھن لگا دے گی۔ جیسے آم کی ٹہنی نیم کے درخت کی ٹہنی سے مل جائے تو سارا آم کڑوا ہو جائے گا۔

نگرانی قلب سلوک کا آلۂ منجنیق ہے

ارشاد فرمایا کہ یہ میرے شیخ کی اسّی برس کی عبادت اور مجاہدہ کا نچوڑ ہے، خلاصہ ہے، ست ہے، جوہر ہے، جو نام بھی چاہو رکھ لو۔ غور سے سنو! اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو بناؤ جو قرب اور عبادتوں سے برسوں میں بھی نہیں حاصل ہوگا اگر یہ ہنر آگیا تو بہت جلد کام بن جائے گا۔ یہ مضمون حضرت نے جس وقت بیان کیا تھا اس وقت صدر مفتی دیوبند حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی حضرت مولانا ابرار الحق صاحب اور دوسرے اکابر علما موجود تھے۔ یہ مضمون سن کر سب عش عش کر رہے تھے۔ یہ باتیں کسی مولوی سے جو اللہ والے کی صحبت میں نہ رہا ہو نہ سنو گے۔ ظاہری اعمال کی تاکید تو سب کر دیتے ہیں لیکن قلب کے اعمال اور قلب کی نگرانی کی بات ہر ایک نہیں بتاتا، یہ اللہ والے بتائیں گے۔ سالک ظاہری گناہوں سے تو بچتا ہے ہی یعنی زبان سے غیبت نہ ہو ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، نماز میں قلب کو حاضر رکھنا، ذکر کی پابندی کرنا، رشوت و حرام مال سے بچنا، یہ تو آسان ہے لیکن ہر وقت قلب کی نگرانی کرنا، یہ مشکل کام

ہے۔ ہر وقت قلب کی نگرانی کرنی چاہئے کہ قلب میں کیا ہو رہا ہے۔ بظاہر خاموش بیٹھا ہوا ہے، کوئی عمل نہیں کر رہا لیکن اندر کارخانہ چل رہا ہے، کبھی کسی سے جلن پیدا ہوگئی، کبھی کسی مسلمان سے اپنے کو بڑا سمجھ رہا ہے کہ فلاں فاسق و فاجر ہے اور میں اللہ والا ہوں، میری حالت اس سے اچھی ہے، کبھی دوسرے کو تو حقیر نہیں سمجھ رہا لیکن اپنے آپ کو مقدس اور بزرگ سمجھ رہا ہے اور دل ہی دل میں خوش ہو رہا ہے۔ کسی کے مقابلہ میں اپنے کو اچھا سمجھنا یہ تکبر ہے اور بغیر نسبت اور تقابل کے اپنے کو اچھا سمجھنا یہ عجب ہے۔ عجب میں کسی کی تحقیر لازم نہیں آتی، کبر میں دوسرے کی تحقیر لازم آتی ہے، دونوں سے پناہ مانگنا چاہئے۔ کبھی جاہ وعزت وشہرت کی طلب دل میں گھس رہی ہے، کسی نے دعا میں روتا ہوا دیکھ لیا تو نفس خوش ہو رہا ہے کہ اب تو لوگ مجھ سے دعا کرائیں گے، مجھے بزرگ سمجھیں گے، کبھی دل میں ریا پیدا ہو رہی ہے یعنی لوگوں کو دکھانے کے لئے کوئی عمل کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے ہر وقت قلب کی نگرانی کی ضرورت ہے۔ ہر وقت قلب پر نگاہ رکھو کہ قلب میں کوئی ایسی چیز تو نہیں گھس رہی ہے جو ہمارے اللہ کو ناراض کردے۔ دل اللہ کا گھر ہے، اس میں کوئی ایسی چیز نہ آنے پائے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ اس لئے دل کی ظاہری سطح پر نہیں دل کی گہرائی میں تلاش کرو کہ کوئی دشمن تو نہیں چھپا ہوا ہے۔ محاذ پر سپاہی دوربین لگاتا ہے تاکہ دور سے نظر آجائے کہ کہیں دشمن ہماری سرحد میں سرنگیں اور بارودیں تو نہیں بچھا رہا ہے۔ تم بھی اپنے دل میں دوربین لگالو، دل کو ہر وقت سامنے رکھو کہ کہیں نفس و شیطان دل میں ریا کی سرنگیں اور حسد کی بارودیں تو نہیں بچھا رہے ہیں، دل میں کسی سے جلن اور حسد تو نہیں پیدا ہو رہا ہے، اپنی بڑائی اور کسی مسلمان کی حقارت تو دل میں نہیں گھس رہی ہے۔ تقریر پر مجمع نے واہ واہ کردی تو دیکھو کہ نفس میں اپنی بڑائی کے خیالات تو پیدا نہیں ہو رہے یا دل میں دنیا کی اتنی محبت تو نہیں ہے کہ اگر ابھی

بلاوا آجائے کہ چلوتو دل میں یہ خیال آئے ابھی فلاں سے ملنا ہے، ابھی فلاں کو دیکھنا ہے، ابھی فلاں کام باقی ہے وغیرہ۔

نگرانی قلب ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے

دل کو دنیا سے خالی رکھو، اپنے پروں کو پرواز کے لئے تیار رکھو، دنیا کے قید و بند سے فارغ رکھو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آج ہی ایسے بن جاؤ گے۔ ذکر سے رفتہ رفتہ یہ قوت پیدا ہو جائے گی۔ ذکر کرتے رہو ناغہ نہ ہونے پائے۔ اگر روٹی نہ کھاؤ تو جسم میں کمزوری آتی ہے کہ نہیں؟ روٹی کھاتے رہتے ہو تو جسم میں طاقت رہتی ہے۔ اگر محلہ میں کچھ دشمن ہوتے ہیں تو تمہارے چہرے کے سرخ وسفید رنگ کو دیکھ کر مغلوب رہتے ہیں اگر چہ دل میں بغض رکھتے ہوں لیکن اگر فاقہ ہو جائے تو دشمن چہرہ کو دیکھ کر پہچان لے گا کہ آج میاں میں دم نہیں ہے اور دوچھانپڑ لگائے گا۔ اسی طرح روح کی غذا ذکر اللہ ہے۔ جب تک یہ غذا پہنچتی رہتی ہے روح میں طاقت رہتی ہے۔ نفس وشیطان جو ہمارے دشمن ہیں مغلوب رہتے ہیں اور جیسے ہی روح کو فاقہ دیا، ذکر کا ناغہ کیا یہ پچھاڑ دیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان سانپ کی طرح پھن پھیلائے بیٹھا ہے، جب تک بندہ اللہ کا نام لیتا ہے یہ پھن کو ہٹائے رہتا ہے، انتظار کرتا رہتا ہے کہ کب اس کا دل اللہ سے غافل ہو اور کب میں ڈسوں۔ لہٰذا قلب کو ہر وقت اپنے سامنے رکھو کہ اس میں غیر اللہ تو نہیں گھس رہا ہے۔ آنکھ بند کر کے دل میں سوچو کہ ہم یہ مدرسہ کیوں تعمیر کر رہے ہیں؟ کبھی اکیلے بیٹھ کر اپنے دل سے سوال کیا کرو کہ ہم کیوں پڑھا رہے ہیں؟ ہر شخص اپنے اپنے عمل کے بارے میں اپنے دل سے سوال کرے اور دیکھے کہ کیا جواب آتا ہے۔ اگر جواب آتا ہے کہ اللہ کے لئے کیا تو شکر کرو اور اگر اور چیزیں نظر آئیں تو اخلاص مانگو۔ اگر نام ونمود، جاہ وعزت، لوگوں میں بڑا بننے کی خواہش دل میں ہے تو اللہ سے استغفار کرو۔

جو کوٹھری اندھیری ہو اور اس میں سانپ اور بچھو ہوں تو کیسے نظر آئیں گے؟ ابھی دیا سلائی جلا دو تو سب نظر آ جائیں گے۔ اسی طرح دل کی ٹارچ ذکر اللہ ہے۔ دیا سلائی تو اندھیری کوٹھری کو روشن کرتی ہے لیکن ذکر دل کو روشن کرتا ہے۔ دیا سلائی کو اللہ کے نور سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ تو زمین و آسمان کا نور ہیں:

﴿اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾

(سورۃ النور، آیت: ۳۵)

اللہ کے نام کی برکت سے اور بزرگوں کی صحبت سے قلب نورانی ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ کرنے والے کو فوراً پتا چل جاتا ہے کہ قلب میں کس سوراخ سے کون سا سانپ داخل ہوا۔

خاتمہ کا خوف جاہی اَمراض کا علاج ہے

سالک کو فوراً احساس ہو جاتا ہے کہ اب قلب میں ریا آ رہی ہے، اب حسد آ رہا ہے، اپنی بڑائی اور دوسروں کی حقارت پیدا ہو رہی ہے، اب جاہ گھس رہی ہے، اس لئے وہ فوراً ہوشیار ہو جاتا ہے اور علاج میں مصروف ہو جاتا ہے۔ ان سب کا علاج خاتمہ کا خوف ہے، فوراً سوچ لو کہ عام مومنین تو بڑی چیز ہیں میں تو ان کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں بلکہ میں تو کتے اور سور سے بھی بدتر ہوں کیونکہ ابھی مجھے معلوم نہیں کہ میرا خاتمہ کیسا ہوگا۔ آج اگر اپنے کو اچھا سمجھ بھی لیا، آج اگر لوگوں میں واہ واہ ہو بھی گئی لیکن خدانخواستہ خاتمہ خراب ہو گیا تو کتے اور سور سے بدتر ہوں، ہاں جس دن خاتمہ اچھا ہو جائے گا اس دن اپنے آپ کو اچھا سمجھ لوں گا۔ جیسے ہاکی میں کھلاڑی گیند کو دائیں بائیں کرتے ہوئے لے جاتے ہیں لیکن نام اس کا ہوتا ہے جو گول کر دیتا ہے۔ ابھی ہم بھی اپنے ایمان کا گیند لئے جا رہے ہیں اور شیطان و نفس مقابلہ میں ہیں، جس دن اس گیند

کو ان سے بچا کر لے گئے اور گول کر دیا تو اس دن سمجھ لو کہ کامیاب ہیں ورنہ اگر گیند چھن گئی تو بے کار اور حقیر ہیں۔ اس لئے جب اپنی بڑائی یا کسی کی حقارت دل میں آئے فوراً اپنے خاتمہ کا خیال کرلو۔ اگر خاموش بیٹھے ہوئے ہو، بظاہر کوئی عمل نہیں کررہے لیکن قلب کی نگرانی کررہے ہو تو یہ قلب کا عمل ہے، قلب کی عبادت ہے، ظاہری اعمال تو عام مومنین بھی کرتے ہیں لیکن قلب کی نگرانی اولیاءاللہ ہی کرتے ہیں۔

میں نے اپنے شیخ کو دیکھا ہے کہ تنہائی میں بیٹھے ہیں۔ میں دور سے حضرت کو دیکھا کرتا تھا لیکن ایسے کہ حضرت کو میری موجودگی کا علم نہ ہو، تاکہ حضرت کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔ بیٹھے بیٹھے بعض دفعہ کہتے تھے: یا ربی معاف فرمادیجئے، جیسے اللہ تعالیٰ سامنے ہوں اور باتیں ہورہی ہوں۔ یہ کیا تھا؟ یہی کہ کبھی جاہ کا خیال آگیا تو فوراً اس کی تلافی کردی کہ نفس میں بڑائی نہ آنے پائے۔ اس راہ میں آخر دم تک قلب کی نگرانی کرنی پڑتی ہے، تراش خراش میں لگا رہنا پڑتا ہے۔

اندر ایں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

اس راستے میں یہی کھلتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، میں کچھ نہیں ہوں، جتنی قرب میں ترقی ہوتی جاتی ہے اپنی حقارت بڑھتی جاتی ہے۔ جس نے یہ سمجھ لیا کہ آج میں کچھ ہوگیا، مجھے کچھ قرب نصیب ہوگیا تو سمجھ لو کہ اسے کچھ نہیں ملا، یہ محروم ہے۔ سالک تو خاتمہ کے خوف سے کائنات کی ہر شے سے اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے۔ اس لئے کسی مسلمان سے کبھی اپنے آپ کو اچھا نہ سمجھنا، چاہے اس کا عمل کتنا ہی خراب ہو، چاہے وہ بے نمازی ہو، شرابی ہو۔ بس یہ سوچنا چاہئے کہ نہ معلوم اللہ کو اس کا کون سا عمل پسند ہو اور علم الٰہی میں اس کا خاتمہ اچھا

ہونا لکھا ہو اور میرا خاتمہ نہ معلوم کس حال پر ہو، نہ معلوم میری کون سی بات اللہ میاں کو ناپسند ہو کہ خاتمہ خراب ہو جائے اور حکم ہو جائے کہ جا کمبخت! تیرا ٹھکانہ دوزخ ہے اور سارا عمل دھرا رہ جائے۔ اس لئے سب کو اپنے سے اچھا سمجھو، خوش اخلاقی اور تواضع سے پیش آؤ۔

تبلیغ کرتے ہوئے اپنی حقارت کا استحضار لازم ہے

اگر کبھی دینی معاملہ میں کسی پر خالص اللہ کے لئے غصہ کرنا پڑے تو بھی تنہائی میں جا کر اللہ سے روؤ کیونکہ بعض دفعہ جو غصہ اللہ کے لئے ہوتا ہے اس میں بھی نفس شامل ہو جاتا ہے۔ کبھی کسی کو ڈانٹ رہے ہو کہ او بے نمازی! نماز کیوں نہیں پڑھتا؟ تو ممکن ہے اس میں ریا شامل ہو گئی ہو کہ لوگ ہماری نمازوں کی تعریف کریں۔ لہٰذا ڈانٹتے وقت اس کو شہزادہ سمجھو اور اپنے کو بھنگی جیسے بادشاہ شہزادہ کی کسی خطا پر بھنگی کو حکم دے دے کہ اس شہزادہ کے دُرّے لگا تو کیا بھنگی دُرّے مارتے وقت خود کو شہزادہ سے افضل سمجھے گا؟ بلکہ وہ تو یہ سمجھے گا کہ یہ تو شہزادہ ہے میں بھنگی ہوں بادشاہ ذرا سی دیر میں اس کی خطا معاف کر دے گا پھر وہ شہزادہ کا شہزادہ ہی رہے گا۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ جس شخص کو تبلیغ کے وقت اپنی حقارت مستحضر نہیں رہتی اس شخص کے لئے تبلیغ جائز نہیں۔

نفس کے مکر بہت باریک ہوتے ہیں، بعض دفعہ خبر بھی نہیں ہوتی اور نفس شامل ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ریا کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اس میں کالے پتھر پر چیونٹی چل رہی ہو تو کیا وہ چیونٹی نظر آئے گی؟ ایسے ہی دل میں ریا ہے کہ اس کا احساس کرنا بہت مشکل ہے، اس لئے عمل کر کے استغفار کرتے رہو کہ اے اللہ جس طرح آپ کا فضل قادر ہے کہ دودھ کو خون اور گوبر سے الگ کر دیتا ہے، اسی طرح اگر میرے عمل میں میرے نفس کا خون اور گوبر مل گیا ہو تو آپ اسے پاک کر دیجئے اور قبول فرما لیجئے۔ حضرت

پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔ اس کے ساتھ اپنے قلب میں جھانکتے رہو کہ میں جو یہ مدرسہ کے بلاک رکھوا رہا ہوں یہ کیوں کر رہا ہوں؟ یہ وعظ و تبلیغ جو کر رہا ہوں یہ کیوں کر رہا ہوں؟ شیطان و نفس میرے کسی عمل کے مقابلہ میں دنیا کا کوئی معاوضہ تو پیش نہیں کر رہے۔ اس عمل میں جاہ و عزت و شہرت کی طلب تو نہیں چھپی ہوئی ہے۔ میں مہاجر ام قیس تو نہیں ہوں۔

دل کی نگرانی ہی اخلاص ہے

اللہ تعالیٰ سے اخلاص کی توفیق مانگتے رہو۔ اخلاص کی حقیقت کیا ہے؟ کوئی تمہارا دوست اور بڑا ہے تو دھیان رہے کہ اس کی نظر میری نظر سے ملی ہوئی ہے، اس کی نظر کو دیکھتا رہے کہ کہ وہ کس بات سے خوش ہوتا ہے اور کس بات سے ناراض ہوتا ہے۔ اخلاص دل کی نگرانی ہی کا نام ہے۔ ہر وقت یہ دھیان رہے کہ کسی بات سے اللہ میاں ناراض تو نہیں ہو رہے ہیں۔ مجمع میں تقریر کر رہے ہو، اگر مجمع کو دیکھ کر جاہ کا، کچھ اپنی بڑائی کا خیال آ گیا کہ آج میں کچھ ہو گیا تو فوراً استغفار کرو کہ اے اللہ اس مجمع کو دیکھ کر جو میرے نفس میں اپنی بڑائی کے جو خیالات پیدا ہوئے ہیں آپ انہیں معاف فرما دیجئے۔ دوسرے یوں کہو کہ اے اللہ آپ کی بات لوگوں سے کہنے کا حق ادا نہ ہوا، لاکھ حسین الفاظ، واقعات اور مثالیں ہم بیان کریں لیکن کیونکہ آپ کی ذات تو ایسی خوبیوں والی ہے کہ اگر سمندر روشنائی ہو جائے اور اس سے آپ کی خوبیاں لکھنی شروع کی جائیں تو وہ ختم ہو جائے اور آپ کی خوبیاں ختم نہ ہو سکیں:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۝﴾

(سورۃ الکھف، آیت:۱۰۹)

عجب وکبر بلکہ ہر مرض کا علاج خاتمہ کا خوف ہے

عبادت کے بعد توبہ کیا کرو کہ اے اللہ! آپ کی بات کہنے کا حق ادا نہ ہوا، ذکر کا حق ادا نہ ہوا، نماز کا حق ادا نہ ہوا۔ ذرا سی عبادت کر کے ہم اپنے کو کیا کیا سمجھنے لگتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مبارک کو دیکھو کہ نماز کے بعد استغفار فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھ سے نماز کا حق ادا نہ ہوا، آپ معاف فرما دیجئے۔ یہ ہمارے لئے سبق ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھا رہے ہیں کہ سید الانبیاء ہو کر فرما رہے ہیں کہ مجھ سے نماز کا حق ادا نہیں ہوا تو تم سے کیا ادا ہوگا، لہٰذا عبادت کر کے ناز نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو کہ ہماری ناقص نماز کو قبول فرما لیجئے۔ اپنے کسی عمل پر ناز نہ کرو، ان کی نظر سے نظر ملائے رہو کہ آپ اگر ہمیں اپنی نگاہوں میں چڑھا لیں تو ہم سب کچھ ہیں، مومن بھی ہیں، ولی بھی ہیں، سب کچھ ہیں اور آپ اگر نگاہ سے اتار دیں تو ہم چمار اور کافر سے بھی بدتر ہیں۔ پھر نہ ہماری نماز نماز ہے، نہ روزہ روزہ ہے، نہ آنسو آنسو ہے، سب بے کار ہو گیا، قبولیت کا فیوز اُڑ گیا، نظرِ عنایت کی روشنی آ رہی تھی، جس سے توفیق ہو رہی تھی ورنہ ہمارے عمل میں کیا رکھا تھا؟

جیسے ایک پٹھان کا قصہ ہے۔ ایک آدمی چوڑیاں لئے بیٹھا تھا، خان صاحب کا ادھر سے گذر ہوا تو چوڑیوں پر ڈنڈا مار کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ آدھی چوڑیاں تو اس ایک ڈنڈے ہی سے ٹوٹ گئیں۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ اگر ایک ڈنڈا اور مارو تو پھر یہ کچھ بھی نہیں ہے لَیْسَ بِشَیْءٍ۔ ایسے ہی اگر اللہ تعالیٰ نظر سے اتار دیں اور اپنی ناراضگی کا ایک ڈنڈا مار دیں تو ہم باوجود عالم ہونے کے، باوجود عابد و زاہد ہونے کے کیا ہیں؟ لَیْسَ بِشَیْءٍ (کچھ نہیں)۔ اپنی نظر سے اپنے کو مت دیکھو، ان کی نظر سے اپنے کو دیکھو کہ ان کی نظر میں میں کیسا ہوں۔ اس لئے ہر وقت ڈرتے رہو، ہوشیار رہو، کوئی کام ایسا نہ کرو جس سے ان

کی نظر بدل جائے۔ وہ عورت بے وقوف ہے جو اپنی نظر سے اپنے کو دیکھتی ہے، اسے تو شوہر کی نظر سے دیکھنا چاہئے تھا کہ اس کی نظر میں میں کیسی ہوں؟ اگر اس کی نظر میں اچھی ہوں تو سب کچھ ہوں، ورنہ مٹی پلید ہے۔ اگر میاں کی آنکھوں میں وہ کانٹا ہے اور اپنے آپ کو اچھا سمجھ رہی ہے تو کیا اسے روٹی کپڑا مل جائے گا۔

اس لئے جب اپنی بڑائی قلب میں آئے یا دوسرے کی حقارت قلب میں آئے یا لوگ تعریف کر دیں کہ آپ بڑے اچھے ہیں، بڑے اللہ والے ہیں تو فوراً خیال کرو کہ وہ عورت جس کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی اور جس نے ابھی شوہر کی نظر کو نہیں دیکھا کیا وہ اپنے کو اچھا سمجھتی ہے؟ اگر اس کی سہیلیاں اس کی تعریف کرتی ہیں کہ تم بہت اچھی لگ رہی ہو تو وہ یہی کہے گی کہ ابھی میں اچھی نہیں ہوں، جب میاں دیکھ کر یوں کہہ دیں گے کہ ہماری نظر میں تم اچھی ہو اس دن سمجھ لوں گی کہ واقعی میں اچھی ہوں۔ بندہ اور اللہ کا ایسا ہی معاملہ ہونا چاہئے۔ جب اپنی بڑائی کا خیال آئے فوراً سوچ لو کہ ابھی اپنے آپ کو کیسے اچھا سمجھ لوں؟ نہ معلوم اللہ میاں کی نظر میں میں کیسا ہوں؟ ہاں روزِ محشر جس دن کان میں آواز آجائے گی:

﴿اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا﴾

(سورۃ فُصِّلٰت، آیت: ۳۰)

اس دن اپنے کو اچھا سمجھ لوں گا۔ ورنہ اس عورت کا سا حشر ہوگا جو اپنی نظر میں اپنے کو اچھا سمجھ رہی ہو لیکن رخصتی کے بعد شوہر کہہ دے کہ مجھے تم بالکل پسند نہیں، تم میری آنکھوں کا کانٹا ہو، بتاؤ اس عورت کی زندگی بھی کوئی زندگی ہوگی، زندگی تلخ ہو جائے گی۔ اگر شوہر تو ناراض ہے اور محلہ بھر تعریف کرتا ہے تو کیا محلہ والے اس عورت کو روٹی کپڑا دے دیں گے۔ اگر کوئی روٹی کپڑا دے گا بھی تو شوہر اس کے ڈنڈا مارے گا کہ تو کون ہوتا ہے، میری بیوی ہے۔ ایسے ہی جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں، لوگ اگر اس کی مدد کرنے لگیں تو ان کے بھی ڈنڈا مار

دیتے ہیں کہ میرا بندہ ہے جس طرح چاہوں گا رکھوں گا۔ یہ ڈنڈا کیا ہے؟ لوگوں کا دل اس سے پھیر دیتے ہیں۔ ان کی نظر بدل جاتی ہے تو سارا جہان بدل جاتا ہے ۔

نگاہِ اقربا بدلی مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اک ان کی کیا بدلی کہ کُل سارا جہاں بدلا

بس اپنے کو مت دیکھو ان کی نظر سے نظر ملائے رہو کہ کس بات سے وہ خوش ہوتے ہیں اور کس بات سے ناراض ہوتے ہیں، عاشق اپنے کو نہیں دیکھتا، محبوب کو دیکھتا ہے۔ اگر اپنے کو دیکھو گے کہ تو ان کی نظر بدل جائے گی۔ اس لئے جب اپنی بڑائی دل میں آئے یا دل تمہاری تعریف کرے یا مخلوق تعریف کرے فوراً مندرجہ بالا مراقبہ کرلو کہ نہ جانے ان کی نظر میں ہم کیسے ہیں۔ عجب و تکبر کا یہ بہترین علاج ہے۔ مخلوق کی تعریف سے کبھی اپنے نفس کو خوش مت ہونے دو۔

ہر مرض کا علاج خاتمہ کا خوف ہے۔ خاتمہ کے خوف سے تمام امراض کا علاج بھی ہوجائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل بھی ہوجائے گا۔ آپ خاتمہ کے خوف سے غمگین رہا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے:

((کَانَ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ))

(الشّمائل المحمّدیۃ لِلترمذی، باب کیفَ کانَ کلام رسول اللہ ﷺ)

میرے شیخ حضرت پھولپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ عجب و تکبر احمقوں کو ہوتا ہے، یہ بیماری حماقت کی ہے۔ چمار کو تھانہ دار بنادو ابل پڑے گا کیونکہ کم ظرف ہوتا ہے۔ عالی ظرف بنو اور اللہ سے دعا کیا کرو کہ اے اللہ میرے ظرف میں عمق پیدا فرمادیجئے، میرے دل سے سطحیت کو دور کردیجئے۔ قلب اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نفس کو حائل نہ ہونے دو، اگر نفس حائل ہوگیا تو اللہ سے دوری ہو جائے گی۔ جیسے چاند اور سورج کے درمیان جب زمین کی حیلولت آجاتی ہے تو سورج کی روشنی چاند پر نہیں پہنچتی، قلب کی مثال چاند کی سی ہے اور اللہ تعالیٰ کی

رحمت کے سورج اور قلب کے چاند کے درمیان نفس کی زمین حائل ہے۔ نفس کو مٹاؤ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاؤ گے دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ نفس کو چھوڑ دو اور میرے پاس آ جاؤ۔

خلاصہ یہ کہ دل کی رفتار پر نظر رکھو کہ دل کہاں جا رہا ہے۔ جسم کے قدم پر نظر رکھنا تو عام آدمیوں کا بھی کام ہے، دل کے قدم پر نظر رکھنا اہلِ دل کا کام ہے۔ ظاہری اعمال تو عام مومنین بھی کرتے ہیں لیکن دل کی نگرانی اولیاء اللہ ہی کرتے ہیں۔ پہلے دل خراب ہوتا ہے پھر ہاتھ پاؤں خراب ہوتے ہیں، پہلے حسد پیدا ہوتا ہے پھر غیبت کو دل چاہتا ہے۔ اگر پہلے ہی سوراخ بند کر دیتے کہ میرا بھائی ہے میں اس سے کیوں حسد کروں؟ کیا حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے زیادہ مجھے تکلیف پہنچائی ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا؟ تو ہر وقت دل کو سامنے رکھو، جھانکتے رہو کہ اس میں کیا کارخانہ چل رہا ہے، یہ ہے دل کی نگرانی، یہ ہے اصل سلوک۔ اللہ تعالیٰ نے دل کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ یہ خالی نہیں رہ سکتا یا تو اس میں اللہ کی محبت ہوگی یا دنیا کی محبت ہوگی، اس کو اعلیٰ چیز سے بھرو۔ اگر بریانی نہیں کھائے گا تو پھر سڑی ہوئی باسی روٹی کھائے گا۔ جب دل ذکر اور اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو گناہ کرنے لگتا ہے۔ جس کو دل کی نگرانی کا ہنر آ جائے سمجھ لو کہ اس کو سب کچھ آ گیا، جو قرب اور عبادتوں سے سالوں میں حاصل ہوگا وہ اس سے مہینوں میں مل جائے گا۔ یہ روح کے لئے آلۂ اصطرلاب ہے۔ ہر وقت یہ خیال رہے کہ اس وقت دل میں کیا کارخانہ چل رہا ہے، کہیں تکبر تو نہیں آ رہا، کہیں جاہ تو پیدا نہیں ہو رہی، کہیں ریا تو نہیں گھس رہی، کہیں دنیا کی محبت اتنی تو نہیں کہ مرتے وقت دل میں خیال آئے کہ ابھی فلاں سے ملنا ہے، ابھی فلاں کام کرنا ہے۔ جس کام میں اللہ کی محبت شامل نہ ہو وہی دنیا ہے۔ فاسق سے بھی اگر اللہ کے

لئے محبت سے پیش آتا ہے کہ یہ اللہ والا بن جائے تو یہ بھی عبادت ہے، دنیا کے لئے فاسق سے محبت رکھنا ناجائز ہے۔ وعظ کہہ رہا ہے لیکن دل میں جاہ آ گئی کہ لوگوں کے دلوں میں عزت بڑھے گی، یہ بھی دنیا ہے، حالانکہ قَالَ اللّٰہُ قَالَ الرَّسُوْلُ کررہا تھا۔ کسی امیر کو دیکھ کر زیادہ خوش ہونا بھی حب دنیا ہے کہ اب نذرانے آئیں گے، یہ شرک ہے۔ غلام کی نظر صرف آقا پر ہونی چاہئے، غلام کے لئے اس کا آقا کافی ہوتا ہے:

﴿اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ﴾

(سورۃُ الزمر، آیت:۳۶)

کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے؟ یہاں استفہام اقراری ہے کہ اللہ ہی کافی ہے۔ توحید کے لئے ایک آیت کافی ہے۔ نفس کی چالوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

امیروں کو دیکھ کر نفس کہتا ہے کہ کیا بات ہے؟ لوگوں سے اچھی طرح پیش آنا چاہئے۔ اسی طرح شیطان کینہ عجب تکبر کو نئے نئے ڈھنگ سے طاعت کی صورت میں دل میں ڈالتا ہے، پائخانوں پر جو چاندی کا ورق لگا کر شیطان پیش کرتا ہے وحی الٰہی اس کو بے نقاب کرتی ہے اور اللہ والا اس ورق کو ہٹا کر سنگھا بھی دیتا ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ تم کسی طرح وحی الٰہی سے ٹکرا جاؤ۔ کوئی حسین عورت یا امرد سامنے آ گیا تو دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالے گا کہ یہ دیکھ لے اور اللہ کا حکم ہے:

﴿قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ﴾

(سورۃ النور، آیت:۳۰)

اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم مومنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں۔ دانہ کو دیکھنا جال کو نظر سے اوجھل کر دے گا۔ اس لئے دانہ کو دیکھنا شریعت نے حرام کر دیا، قلب کی نگاہ کو اللہ کی نگاہ سے ملائے رکھنا کہ وہ کسی بات سے ناراض

تو نہیں ہو رہے، یہ اخلاص ہے۔ جسے ان کی رضا منظور ہوتی ہے لاکھ تقاضا ہو وہ غیر کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔

دل کو دنیا سے فارغ رکھو، یہاں کا آرام کہ یہ مکان ہے، یہ کار ہے، یہ پنکھا ہے، یہ دل میں نہ آئے۔ یہ پنکھا جو یہاں چل رہا ہے اس کی دو حیثیت ہیں، ایک تو یہ کہ اس کو دیکھ کر شکر کرے کہ اے اللہ! آپ نے بے ہنر کو اپنے فضل سے ایسی ایسی نعمتیں عطا فرما دیں، یہ تو عبادت ہے۔ لیکن یہ کہ اس پنکھے اور مکان کو دیکھ کو دل میں یہ خیال آئے کہ زیادہ دن تک یہیں رہتا، ابھی موت نہ آئے جس سے میرا یہ عیش جاتا رہے، بس یہ دنیا آ گئی۔ اسی طرح کوئی مدرسہ چلا رہا ہے وہ سوچے کہ میں مہتمم ہو گیا، میرا نام ہوگا، احترام مل رہا ہے، عزتیں ہو رہی ہیں، اس لئے جینے کی خواہش کر رہا ہے، یہ دنیا ہے۔ ہاں اگر کوئی یوں کہہ رہا ہے کہ کچھ دن اور زندہ رہ لیتا کہ آپ کے دین کی خدمت کر لیتا کچھ اور روزہ، نماز کر لیتا کہ درجات بلند ہو جاتے، اس کے لئے زندگی مانگ رہا ہے یہ عبادت ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عمل تھا، ایک لاکھ صحابہ تھے، جو آپ کا تھوک اور وضو کا پانی تک چاٹ لیتے تھے، حضرت صدیق اور حضرت عمر جیسے جاں نثار موجود ہیں، اذانوں میں حضور کے نام کا ڈنکا پٹ رہا ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو کچھ اور دن دنیا میں رہ لیں۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا جواب دیا کہ:

((اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی))

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب اٰخر ما تکلم به النبی ﷺ)

اے اللہ! آپ سب سے بڑے رفیق ہیں، صدیق بھی رفیق نہیں، عمر بھی رفیق نہیں، اصلی رفیق تو آپ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا باغ لگایا لیکن دنیا سے کیسی بے رغبتی تھی، اس لئے مدرسہ ہو یا کچھ اور، دل میں کچھ نہ ہو، دل کو فارغ رکھو اپنے اللہ کے لئے، اگر وہ مل گئے تو زمین و آسمان مل گئے نہیں تو کوئی

چیز نہیں ملی ۔

جو تو میرا تو سب میرا، فلک میرا، زمیں میری
اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری

اگر وہ ناراض ہیں تو کوئی چیز ہماری نہیں، آنکھوں کو عذاب ہو رہا ہے کہ ان آنکھوں سے بدنظری کیوں کی تھی؟ اگر آنکھیں ہماری ہوتیں تو کیا ہم عذاب ہونے دیتے؟ ہم تو مملوک ہیں غلام ہیں، غلام کو اگر آقا مل گیا، وہ راضی ہو گیا تو ساری چیزیں مل گئیں۔

بادشاہ محمود غزنوی نے ایک بار اعلان کیا کہ آج جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دے گا میں اس کو وہ عطا کردوں گا۔ کسی نے وزارت پر ہاتھ رکھ دیا، کسی نے کمشنری پر ہاتھ رکھ دیا کسی نے جواہرت پر ہاتھ رکھ دیا، بادشاہ تعریف بھی کرتا جا رہا تھا کہ شاباش تم نے بہت عقلمندی کی اور وہ چیز دیتا بھی جاتا تھا۔ ایاز اٹھا، کسی پر نظر نہ کی اور آکر بادشاہ پر ہاتھ رکھ دیا اور عرض کیا کہ آپ کے الفاظ ہیں کہ جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دے گا اس کو آپ وہ چیز عطا کردیں گے۔ میں آپ پر ہاتھ رکھتا ہوں، میں سلطنت لے کر کیا کروں گا؟ جب سلطان مل جائے گا تو سلطنت تو خود ہی مل جائے گی۔ بادشاہ بھی اللہ والا تھا اسی لئے ایاز اس کا عاشق تھا۔ بڑے بڑے فلاسفر اور بڑے بڑے پی ایچ ڈی اس وقت وہاں موجود تھے، حیرت میں رہ گئے کہ یہ غریب لڑکا تو ہم سب پر بازی لے گیا۔ ایاز بہت غریب گھرانے کا تھا لیکن محبت خود راستہ سکھاتی ہے۔ امراء رہ جاتے ہیں اور ایک یتیم بچہ آسمانی صحیفوں کو منسوخ کردیتا ہے ۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشُست

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ابھی پورا قرآن بھی نازل نہیں ہوا، قرآن کی چند آیات

ہی اتری ہیں کہ تمام صحیفۂ آسمانی منسوخ ہو گئے، اور بظاہر دیکھنے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ؎

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خَور
اشقیا را دیدۂ بینا نہ بود
نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

ان کافروں نے کہا کہ ہم بھی بشر ہیں اور یہ بھی بشر ہیں، اشقیا کے پاس دیدۂ بینا نہیں تھی، اچھے اور برے ان کی آنکھوں کو یکساں نظر آئے اور حضرت صدیق اکبر کی آنکھوں کو کیا نظر آیا اَلنَّظَرُ اِلَیۡكَ کہ حضور کو دیکھتا رہوں، حضرت ابو ہریرہ کو حضور کے چہرۂ مبارک میں کیا نظر آتا تھا کَاَنَّ الشَّمۡسَ تَجۡرِیۡ فِیۡ وَجۡهِهٖ گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک میں آفتاب چل رہا ہے، نظر اپنی اپنی، کسی کی نظر وزارتوں اور کمشنریوں تک جاتی ہے اور کسی کی نظر بادشاہ پر جاتی ہے۔ انہی انسانوں میں ایسے ایاز بھی ہیں جو ہفت آسمانوں اور ہفت زمینوں کے اوپر اپنی روحوں کو لے جاتے ہیں، جو ملوں پر ہاتھ نہیں رکھتے، وزارتوں پر ہاتھ نہیں رکھتے، چاند سورج پر ہاتھ نہیں رکھتے، ستاروں پر ہاتھ نہیں رکھتے، ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ سے تعلق کرتے ہیں کہ آپ پر ہاتھ رکھ رہا ہوں، آپ مل گئے تو زمین و آسمان کیا دونوں عالم مل گئے۔

ایک وقت ایسا آئے گا کہ سلطنت ہفت اقلیم پیش کی جائے گی تو اپنے ایمان کی حفاظت کی خاطر ٹھکرا دو گے، کیونکہ ہم کمزور ہیں، ممکن ہے سلطنت کے عیش میں پڑ کر اللہ سے غافل ہو جائیں۔ حضرت عمر اور حضرت ابو بکر صدیق کی سی طاقت ہر ایک میں تھوڑی ہو سکتی ہے کہ قیصر و کسریٰ کے وفود آرہے ہیں، پوچھتے ہیں کہ خلیفہ کہاں ہیں؟ بتایا جاتا ہے کہ شہر کے باہر جنگل میں اونٹوں کو

چرا رہے ہوں گے، لنگی پہنے ہوئے گھاس پر لیٹے ہوں گے، گھاس کے نشانات جسمِ مبارک پر پڑے ہوں گے، اگر ایسی ایمانی طاقت ہوتو اس کے لئے بادشاہت جائز اور حلال ہے۔ مگر اس زمانے میں ایمان کمزور ہو گئے ہیں، حضرت سفیان ثوری تابعی ہیں، ہم سے سینکڑوں سال پہلے آئے ہیں، فرماتے ہیں کسی کو بادشاہت میں لطف مل رہا ہے، کسی کو وزارت میں لطف مل رہا ہے، کسی کو اپنی فیکٹری میں مزہ آ رہا ہے، کسی کو اپنے حسن میں مزہ آ رہا ہے، اللہ والا قبرستان میں جا کر دیکھتا ہے کہ سب کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ قبر کے پاس آ کر اتنا کیوں روتے ہیں، فرمایا کہ پہلے منزل تو یہی ہے، جس کی قبر اچھی ہے اس کی سب منزلیں آسان ہیں، ورنہ پھر مشکل ہی مشکل ہے۔

حضرت صدیق اکبر نے قبرستان میں جا کر خطبہ دیا تھا کہ اے نوجوانو! اپنی جس جوانی پر تمہیں ناز تھا، تمہاری وہ جوانی کیا ہوئی؟ تمہارا حسن کہاں چلا گیا؟ اے پہلوانو! تمہاری پہلوانی اور طاقتیں کیا ہوئیں۔ اے بادشاہو! تمہارے وہ قلعے کیا ہوئے؟ دنیا کی حقیقت کھل جائے تو ساری پہلوانی اور ساری بادشاہت بھول جائیں۔ احمقوں سے دنیا آباد ہے لَوْ لَا الْحُمَقَآءُ لَخَرَبَتِ الدُّنْیَا اگر یہ احمق نہ ہوں تو دنیا کا کام نہ چلے۔ جس پر دنیا کی حقیقت کھل جائے، یہ بڑی نعمت ہے۔ جب یہ حقیقت کھل جاتی ہے تو پھر دنیا دل میں نہیں آسکتی۔ دل اللہ کی یاد میں سکون سے رہتا ہے۔ ایک اللہ والے کا بچہ بھی بیمار ہوتا ہے اور دنیا دار کا بچہ بھی بیمار ہوتا ہے۔ دنیا دار ہزاروں روپیہ ڈاکٹروں پر خرچ کرتا ہے لیکن دل بے چین رہتا ہے، جانے اچھا ہوگا کہ نہیں، اگر اچھا نہیں ہوا تو کیا ہوگا، حواس خراب ہو جاتے ہیں اور اللہ والا اپنے مقدور بھر دوا کرتا ہے، پھر مسجد میں جا کر سجدہ میں گر کر دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! آپ کے حکم کہ وجہ سے دوا تو کر لی لیکن

شفا تو آپ ہی دیں گے، شفا عطا فرما دیجئے۔ دعا کرتا ہے اور قضا پر راضی رہتا ہے کہ میاں جس حال میں رکھیں گے اس پر راضی رہوں گا۔ اس لئے اس کے دل میں ٹھنڈ رہتی ہے کیونکہ اس پر زندگی اور موت کی حقیقت کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ زندگی اور موت کی اتنی حقیقت ہے جیسے دو الماریاں ہیں، ایک نیچے، ایک اوپر، نیچے والی الماری سے اٹھا کر اوپر والی میں رکھ دیا، دنیا سے اٹھایا اور آخرت میں رکھ دیا۔ جانا سب کو وہیں ہے، اس لئے اللہ والے کے سکون کو دنیا کا کوئی غم نہیں چھین سکتا۔

۲۳؍ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ مطابق ۸؍ جولائی ۱۹۶۹ء، بروز منگل

مولانا رومیؒ کے ایک شعر کی الہامی شرح

ارشاد فرمایا کہ جو سیدھے راستہ پر پڑ جائے ایک دن پانی تک پہنچ جاتا ہے۔ پانی سے مراد قربِ الٰہی ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کنویں سے تم ہر روز مٹی نکالتے رہو گے تو انجام کار ایک دن پانی تک پہنچ جاؤ گے۔

گر ز چاہے می کنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آب پاک

راستہ چل رہے ہو، مجاہدات کر رہے ہو، ذکر کر رہے ہو، انجام کار ایک دن اللہ تک پہنچ جاؤ گے۔ میں تو کہتا ہوں کہ پانی کا مزہ تو اللہ میاں پہلے ہی دن چکھا دیتے ہیں، جیسے ہی آدمی اللہ کے راستہ میں قدم رکھتا ہے اللہ کی محبت کا مزہ پانے لگتا ہے، چاہے پہلے دن محسوس نہ ہو، پھر جوں جوں آگے بڑھتا رہتا ہے لذت بڑھتی رہتی ہے۔ خود سوچ لو کہ آج ذکر میں جو لذت محسوس کر رہے ہو کیا تین مہینہ پہلے ایسی لذت تھی؟ اسی طرح ایک سال بعد جو لذت محسوس کرو گے وہ آج سے کہیں زیادہ ہوگی۔ یہ مزہ آخر دم تک بڑھتا رہتا ہے، یہ نہیں کہ اسّی برس کی عمر ہوگئی تو مزہ ختم ہوگیا۔

مولانا کا یہ شعر لکھ لو اور یاد بھی کر لینا، یہ بڑی امید دیتا ہے۔ کنواں کھودنے والا کنواں کھودتا رہتا ہے اور پانی کی امید پر اس کی محنت کو برداشت کرتا رہتا ہے، جیسے جیسے خاک نکلتی رہتی ہے پانی کا قرب بڑھتا رہتا ہے، پہلے خشک مٹی آتی ہے، پھر ایک دن مٹی میں نمی آنے لگتی ہے، حتیٰ کہ ایک دن گیلی مٹی آنے لگتی ہے، جب گیلی مٹی آنے لگتی ہے تو کنواں کھودنے والا خوش ہو جاتا ہے کہ بس اب پانی تک پہنچنے والا ہوں۔ اس کے بعد اس کے حوصلہ اور امید میں اور ترقی ہو جاتی ہے۔ انجام کار صاف پانی کو پالیتا ہے۔ ایسے ہی اللہ کا راستہ ہے، آدمی مجاہدات کرتا ہے، ذکر کرتا ہے، ہر روز قرب بڑھ رہا ہے لیکن شروع میں اسے کوئی مزہ نہیں آتا کیونکہ انوارِ ذکر ابھی ظلماتِ معاصی سے مخلوط ہوتے ہیں یعنی انوارِ ذکر ابھی ظلماتِ معاصی کے اختلاط کی وجہ سے خالص نہیں ہوتے لیکن سالک بے مزہ ذکر کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ ایک دن ذکر میں مزہ آنے لگتا ہے، قرب کی حلاوت محسوس ہونے لگتی ہے، ابھی تو اللہ تعالیٰ خاک آمیز پانی پلا رہے ہیں، اس میں یہ اثر ہے کہ کوئی سجدہ میں رو رہا ہے، کوئی چیخ رہا ہے، ذکر میں لذت آرہی ہے، جس دن اللہ میاں صاف پانی پلائیں گے، گناہوں کی مٹی سے پاک قرب کا صاف پانی نصیب ہو جائے گا تو اس پانی کی لذت کو مت پوچھو، بس کچھ کہہ نہیں سکتا۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

جرعہ خاک آمیز میں جب یہ اثر ہے کہ مجنوں کئے دیتا ہے۔ اگر صاف میسر ہو گا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا مزہ آئے گا۔ سالک جب تک گناہ کرتا رہتا ہے اس وقت تک ذکر کے انوار و برکات خالص محسوس نہیں ہوتے، جرعہ خاک آمیز ہو جاتا ہے اور جب آبِ خاک آمیز (قربِ ناقص) سے مٹی اور کیچڑ (ظلماتِ معاصی)

بالکلیہ الگ ہو جاتے ہیں اور تقویٰ کامل عطا ہو جاتا ہے یعنی تمام گناہوں سے حفاظت ہو جاتی ہے اس وقت جان میں ذکر کے انوار خالص محسوس ہوتے ہیں اور روح کو قربِ خاص مست کر دیتا ہے اور یہ شخص دوسری روحوں میں بھی زلزلہ پیدا کر دیتا ہے، دوسری روحیں بھی اس کی صحبت سے اللہ والی ہو جاتی ہیں۔

۲۶/ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۱/جولائی ۱۹۶۹ء

دو نصیحتیں

ارشاد فرمایا کہ (۱) دل کی بیماری (مثلاً گناہ کے گندے گندے خیالات پکانا اور غفلت وغیرہ) کو معمولی مت سمجھو اور (۲) زندگی کو لمبی مت سمجھو کہ نہ جانے زندگی کس وقت ختم ہو جائے اور گناہوں کی حالت میں اللہ کے پاس جاؤ، اس لئے جلد سے جلد دل کی بیماریوں کا علاج کرالو۔

۲۸/ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۳/جولائی ۱۹۶۹ء، بروز اتوار، بوقت گیارہ بجے صبح

سامعین کی تعداد مقصود نہیں، وعظ سے رضائے حق تعالیٰ مقصود ہے

ارشاد فرمایا کہ ایک شخص حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ کا بڑا عاشق تھا۔ ایک بار کسی جگہ حضرت کا وعظ تھا، اس شخص کو دیر ہوگئی، یہ تیزی سے جا رہا تھا کہ راستہ میں مولانا نانوتوی سے ملاقات ہوگئی، پوچھا کہ کیا وعظ ختم ہو گیا؟ مولانا نے فرمایا کہ ہاں، وہ شخص افسوس کے مارے بیٹھ گیا اور رونے لگا۔ مولانا نے اس کے آنسو اپنے ہاتھ سے پوچھے اور فرمایا کہ وعظ ختم ہو گیا تو کیا ہوا، واعظ تو موجود ہے، یہ کہہ کر پورا وعظ چار گھنٹے کا اس کو سنایا۔

اس لئے اگر کبھی لوگوں کی تعداد کم ہو تو کچھ فکر نہ ہونی چاہئے کیونکہ تعداد مقصود نہیں، اللہ مقصود ہے کہ وہ کسی طرح راضی ہو جائے۔ ایک آدمی ہے اس کو اللہ کی بات سنا دی اور یہ عمل اللہ نے قبول فرمالیا تو بیڑا پار ہے ورنہ ایک لاکھ مرید ہوں اور اللہ راضی نہ ہو تو سب بے کار ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر ایک آدمی بھی نہ آوے تو بھی کوئی افسوس نہیں، جتنی دیر آپ لوگوں کو اللہ کی باتیں سناتا تھا اتنی دیر اللہ کے ساتھ مشغول ہو جاؤں گا۔ اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ جو لمحے اللہ کی یاد میں گذرتے ہوں وہ لمحات کسی دن خالی نہ گذریں۔ یہ نہیں کہ اگر آج لوگ نہیں آئے تو گپ شپ میں وقت ضائع کر دیں بلکہ اللہ کے ساتھ مشغول ہو جانا چاہئے جیسا کہ معمول تھا، خواہ ذکر کرنے لگو، تلاوت کرنے لگو، دعا مانگنے لگو۔ بس اتنا وقت بے کار نہ گذرے۔

دین پر چلنے میں کسی کی پروا نہ کرنا چاہئے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ ہم کو راضی کرنے کی فکر میں ہمارے راستہ میں قدم رکھتا ہے، اپنی خواہشات کو ختم کرتا ہے، مخلوق کی خوشی اور ناخوشی کو نا قابلِ توجہ سمجھ کر اللہ کی خوشی پر اپنی توجہ کو لگاتا ہے تو اس وقت کچھ نالائق ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس پر ہنستے ہیں:

﴿فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ﴾

(سورۃ المؤمنون، آیت:۱۱۰)

جیسے یہ آج کل کے مسٹر لوگ ہیں کہتے ہیں کہ کیا مسجد کے مینڈھے بنے ہوئے ہو، تمہیں خبر نہیں دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ایک مؤذن کو کسی نے کہا کہ تو مسجد کا مینڈھا ہے اس نے کہا کہ یہ تو تمہارا دعویٰ ہے اور دعویٰ کے لئے دلیل کی ضرورت ہے، تم دلیل سے بات کرو کہ میں مسجد کا مینڈھا ہوں، ورنہ میں ثابت کرتا ہوں کہ تو دنیا کا کتا ہے۔ دلیل اس دعویٰ کی یہ ہے کہ جہاں تمہیں دین کی

بات سنائی جائے تو فوراً کہہ دیتے ہو کہ ہمارا کیا ہے ہم تو دنیا کے کتے ہیں، جب تم خود اقرار کرتے ہو کہ ہم دنیا کے کتے ہیں تو اَلْمَرْءُ یُؤْخَذُ بِاِقْرَارِہٖ آدمی اپنے اقرار سے خود ہی پکڑ لیا جاتا ہے، عدالت بھی کہہ دیتی ہے کہ کیونکہ اس نے خود اقرار کرلیا ہے اب کسی گواہ کی ضرورت نہیں۔ تو یہ دنیا کے کتے اس اللہ والے کا مذاق اڑاتے ہیں، کہتے ہیں کہ تم کنویں کے مینڈک ہو، کنویں کی چار دیواری سے باہر نکل کر دیکھو کہ دنیا کہاں جارہی ہے اور تم کہاں پڑے ہو۔ روس اور امریکہ تو چاند پر جارہے ہیں اور تم تیرہ سو برس سے تسبیح کھٹکھٹا رہے ہو، یہ سب باتیں محبت نہ ہونے کی ہیں۔ ایک عاشق اپنے محبوب کے بارے میں کیا کہتا ہے ؎

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ
جنت است آں گرچہ باشد قعرِ چاہ

جہاں کہیں وہ ہمارا یوسف جیسا چہرہ رکھنے والا ہمارا محبوب ہمارے ساتھ ہو وہ جنت ہے اگرچہ وہ کنویں کی گہرائی ہی میں کیوں نہ ہو۔ ہم کنویں کے مینڈک ہیں لیکن جنت میں ہیں کیونکہ ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہے، ہمارا محبوب ہمارے ساتھ ہے اور تم اللہ کے قرب سے محروم ہو۔

اگر کوئی تمہارا مذاق اڑائے تو اس کو سختی اور غصہ سے جواب نہ دو بلکہ صبر کرو۔ مخلوق کے مذاق اڑانے سے کبھی نہ گھبرانا چاہئے، تمہیں تو بیٹھے بٹھائے مفت میں عمل مل گیا، یہ ایسا عمل ہے کہ جس میں تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑتا اور اجر مل جاتا ہے۔ دوسرے اعمال میں تو کچھ کرنا پڑتا ہے، ذکر کی مشقت کرنی پڑتی ہے، پابندی کرنی پڑتی ہے لیکن یہ عمل ایسا ہے کہ تم خاموش ہو اور دوسرے مذاق اڑا رہے ہیں، ستا رہے ہیں، وہ ستائیں تم صبر کرو۔ معلوم ہے اس پر کیا انعام اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں:

﴿اِنِّیۡ جَزَیۡتُہُمُ الۡیَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا﴾

(سورۃُ المؤمنون، آیت:۱۱۱)

تحقیق میں نے جزادی ان لوگوں کو آج کے دن بوجہ ان کے صبر کے۔

مخلوق کے استہزاء پر صبر کے معنیٰ

کسی کے مذاق اڑانے پر صبر کے کیا معنیٰ ہیں؟ راستہ پر قائم رہنا۔ ان کا مذاق تمہیں متاثر نہ کرے بلکہ عزم اور پختہ ہو جائے، ایمان ویقین اور بڑھ جائے اور قدم اللہ کے راستہ سے نہ ہٹیں، یہ صبر ہے۔ ان کے مذاق کو سن کر اگر یہ خیال آ گیا کہ واقعی ہم گھاٹے میں ہیں، سمجھ لو کہ یہ اثر قبول کر لینا بہت بڑا گھاٹا اور ایمان کا زوال ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ تم اس وقت اندھے ہو گئے، ان کا جادو تم پر اثر کر گیا، تمہیں حق و باطل میں تمیز نہ رہی، مقام اعلیٰ سے اسفل میں آ گرے، سمجھ لو کہ ایمان کے قلعہ کی بنیاد ہل گئی اگر کچھ یہ احساس پیدا ہو گیا کہ یہ کار اور بنگلے والے نفع میں ہیں اور ہم گھاٹے میں ہیں، جس کے دل میں دنیا داروں کی بڑائی اور اپنی کمتری کا احساس آ گیا سمجھ لو کہ اس کا سینہ اللہ کی محبت سے خالی ہے، اس کے دل کو اللہ سے تعلق حاصل نہیں۔ اگر سینہ میں اللہ کی محبت ہوتی اور اس کی روح نے خوشۂ غیبی یعنی اللہ کی محبت کا مزہ چکھ لیا ہوتا تو یوں کہتا کہ تم سمجھتے ہو کہ تم مذاق اڑا کر مجھے راستہ سے ہٹا دو گے، بھیجہ سے یہ خیال نکال دو۔ تمہیں کیا معلوم کہ میرے اللہ نے میرے دل کو کیا کیا نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔

ایک بزرگ جا رہے تھے۔ چہرہ پیلا ہو رہا تھا اللہ کی یاد سے۔ اللہ والے کا چہرہ دنیا کی فکروں سے پیلا نہیں ہوتا، اللہ کی یاد اور خوف سے پیلا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

((اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ...... وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَّلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَآءِ عَلَی الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُوْنَ اِلَی اللّٰہِ))

(سنن الترمذی، باب الزھد، باب قول النبی ﷺ لو تعلمون ما اعلم)

میں جن چیزوں کو دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے ہو اور جو میں جانتا ہوں اگر تمہیں معلوم ہو جائے تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ اور بیویوں کے پاس تمہیں آرام نہ ملے اور تم جنگلوں کو بھاگ جاؤ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے۔ اللہ والوں کا چہرہ خوفِ آخرت سے پیلا ہو جاتا ہے۔ تو ایک شخص نے ان پر اعتراض کیا کہ بڑے میاں آپ کا چہرہ تو پیلا ہو رہا ہے، کیا ہر وقت تسبیح پڑھتے رہتے ہو، کچھ کھایا پیا بھی کرو کہ بدن میں طاقت آئے۔ ان بزرگ نے جواب دیا۔

رخِ زرینِ من منگر کہ پائے آہنیں دارم
چہ می دانی کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم

میرے پیلے چہرے کو مت دیکھو کہ میں لوہے کے پیر رکھتا ہوں جو بفضلہٖ تعالیٰ مجھے راہِ استقامت سے نہیں ہٹا سکتے، تجھے کیا معلوم کہ میں اپنے دل میں کیسا بادشاہ رکھتا ہوں۔

روح کی نشو و نما کے لئے دو حرارتوں کی ضرورت اور اس کی تفہیم ایک مثال سے

ارشاد فرمایا کہ جیسے درخت کے ہرے بھرے ہونے کے لئے دو حرارتوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک داخلی دوسری خارجی۔ داخلی حرارت کے لئے درخت کی جڑوں میں کھاد دی جاتی ہے جس سے یہ حرارت درخت کے رگ و ریشہ میں دوڑ جاتی ہے اور درخت کو خارجی حرارت آفتاب کی شعاعوں سے پہنچتی ہے۔ یہ دونوں حرارتیں درخت کی نشو و نما کے لئے ضروری ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر دونوں حرارتوں میں سے کوئی ایک حرارت بھی درخت کو نہ ملے تو درخت سوکھ جاتا ہے۔ مثلاً اگر آفتاب کی خارجی حرارت ملے لیکن کھاد نہ دی جائے تو بھی درخت ہرا بھرا نہ ہو سکے گا کیونکہ داخلی حرارت درخت کو نہیں مل رہی۔ اس طرح اگر

چاہے کتنی ہی قیمتی کھاد ڈال دی جائے لیکن اس درخت کو آفتاب سے خارجی حرارت حاصل نہ ہو سکے تو بھی درخت پھل پھول نہیں سکتا۔ اسی لئے جن کھیتوں کے کنارے درخت ہوتے ہیں ان درختوں کے سائے میں پودے پیدا نہیں ہوتے اور اگر ہوتے بھی ہیں تو ان میں پھل نہیں آتا کیونکہ خارجی حرارت ان پودوں کو نہیں مل رہی۔

اسی طرح روح کی نشوونما کے لئے بھی دو حرارتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک شیخ کی صحبت کی خارجی حرارت، اور دوسری ذکر اللہ اور اجتناب عن المعاصی کی داخلی حرارت۔ جس شخص کو یہ دونوں حرارتیں نصیب ہو جائیں اس کی روح کا درخت اللہ کی محبت سے سدا بہار ہو جاتا ہے۔

۴؍جمادی الاوّل ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۰؍جولائی ۱۹۶۹ء، بروز اتوار

مرشد کے لئے ولی ہونا ضروری ہے

ارشاد فرمایا کہ مرشد کے معنیٰ ہیں راستہ دکھانے والا یعنی اللہ کا رستہ دکھانے والا۔ یہ لفظ قرآن پاک سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾

(سورۃ الکہف، آیت:۱۷)

عربی میں پیر کو مرشد کہتے ہیں۔ مرشد کے لئے ولی ہونا ضروری ہے اور اللہ کا ولی کون ہے؟ اللہ فرماتے ہیں اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ہمارے ولی وہ ہیں جو ہم سے ڈرتے ہیں۔ مرشد کے لئے شرط ہے کہ وہ اللہ سے ڈرنے والا ہو یعنی اللہ کا ولی ہو۔ جب ولی ہوگا تب ہی تو اللہ کا راستہ دکھائے گا۔ فاسق و فاجر جو خود بیماریوں میں مبتلا ہو وہ دوسروں کو بیماری سے کیا نکالے گا۔ جو خود کنویں میں گرا ہوا ہے وہ دوسروں کو کیا کنویں سے نکالے گا۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

کے دہد زندانئے در اقتناص
مردِ زندانی دیگر را خلاص

ایک قیدی جوخود قید میں ہے دوسرے کو نجات کہاں دلاسکتا ہے؟ ؎

جز مگر نادر یکے فردانئے
تن بہ زنداں، جان او کیوانئے

بجز اس نادرو یگانۂ روزگار کے کہ جس کا جسم تو زنداں میں ہو اور روح کا تعلق اللہ سے ہو۔

تو مرشد کے لئے ولی ہونا ضروری ہے۔ اس کا جسم تو دنیا میں ہوتا ہے لیکن روح کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے، اس کا جسم مثل ڈول کے ہے، وہ کنویں میں ہوتا ہے یعنی دنیا میں لیکن اس کی روح یہاں نہیں ہوتی۔ روح اللہ کے پاس ہوتی ہے، جیسے ڈول کا جسم کنویں میں ہوتا ہے لیکن اس کا تعلق کنویں کے اوپر عالمِ بالا سے ہوتا ہے، جس سے وہ کنویں کے پانی کو اور کنویں میں گرے ہوؤں کو باہر نکال دیتا ہے۔ ایسے ہی پیر کا جسم دنیا میں ہوتا ہے لیکن روح کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہ گنہ گاروں کو دنیا کے کنویں سے باہر نکال لے جاتا ہے اور اللہ سے ملا دیتا ہے اور جو خود دنیا کے کنویں میں گرا ہوا اور عالمِ بالا سے اس کا کوئی تعلق نہیں یعنی جو خود نافرمانیوں میں مبتلا ہے وہ دوسروں کو نافرمانیوں سے کیا نکالے گا۔ اس لئے اللہ کا نافرمان پیر نہیں ہوسکتا۔

اللہ کا راستہ دکھانے کا ظاہری وسیلہ پیر ہوتا ہے۔ اس لئے پیر ایسا ہو جو ولی ہو۔ لہٰذا وَلِیًّا مُّرْشِدًا فرما کر یہ بتا دیا کہ ہمارا راستہ بتانے والے کے لئے ہمارا دوست ہونا ضروری ہے۔ پیر کا مریدوں سے ولایت کا تعلق بھی ہوتا ہے۔ مثنوی کا شعر جو اوپر گذر چکا اس میں مولانا رومی فرماتے ہیں کہ پیر کی روح کا ایک تعلق تو اپنے جسم سے ہے اور ایک تعلق اللہ سے ہے۔ اس طرح اس کی روح

کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک تعلق جو جسم سے ہے جس کی وجہ سے وہ زندہ ہے اس لئے دوسرے جسموں کو پکڑ کر اللہ تک پہنچا دیتا ہے لیکن جب پیر مر جاتا ہے تو روح کا تعلق اس کے جسم سے ختم ہو جاتا ہے اور روح اس تعلق کو ساتھ لے کر اللہ کے پاس چلی جاتی ہے۔ لیکن جب جسم مر گیا تو اب وہ کنویں میں گرے ہوؤں کو نہیں نکال سکتا یعنی اب مریدوں کی اصلاح نفس و تربیت اخلاق نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے اب نئے اللہ والے پیر سے تعلق کرنا ضروری ہے ورنہ دنیا کے کنویں سے نہیں نکل سکتے۔ اس میں ہدایت ہے ان بدعتیوں کے لئے جو قبروں سے فیض لے کر اپنی اصلاح و تربیت کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تک پہنچنا چاہتے ہیں ؎

ایں خیال است و محال است و جنوں

اللہ کی غفوریت بوجہ ان کی ودودیت کے ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ کہ میں اپنے بندہ کی خطاؤں کو کیوں معاف کر دیتا ہوں؟ مارے محبت کے۔ اپنے بندوں کی خطاؤں کو اپنی محبت کی وجہ سے معاف کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے، محبت کرنے والے ہیں۔ بچہ جب کوئی خطا کر دیتا ہے جیسے ابھی کپڑے بدلوائے ہی تھے کہ مٹی میں لوٹ کر گندے کر آیا تو باپ سخت غصہ میں اس کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے لیکن وہ مارنے سے پہلے ہی باپ کے سامنے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ جوڑ کر یوں کہتا ہے کہ ابا معاف کر دیجئے تو باپ کیوں معاف کر دیتا ہے؟ کیونکہ بچہ کی محبت جوش مارتی ہے کہ اس لئے تو مار رہا تھا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اب تو وہ خود ہی ہاتھ جوڑ رہا ہے۔ جیسے باپ کے لئے چھوٹا بچہ ہوتا ہے ایسے ہی ہم چاہے چھ فٹ کے ہو جائیں بال بھی سفید ہو جائیں تو بھی اللہ کے لئے ایسے ہی ہیں جیسے باپ کی نظر میں چھوٹا بچہ ہوتا ہے کیونکہ وہ ہمارے خالق ہیں۔ تمہارے لئے بڑے ہو گئے لیکن اللہ کے لئے

چھوٹے بچہ کی طرح ہی ہیں۔ بچہ تو جسم کا کپڑا میلا کرتا ہے، تم جب اپنی روح کا کپڑا میلا کر لیتے ہو، گناہ سے دل گندا کر لیتے ہو، جب تم جھوٹ بول دیتے ہو یا نگاہ غلط جگہ ڈال دیتے ہو یا جماعت میں سستی کرتے ہو، مراد یہ ہے کہ کوئی بھی گناہ کر لیتے ہو تو اللہ کو ناراض کرنے پر پہلا عذاب عقل پر آتا ہے، آدمی سمجھتا ہے کہ نفع ہو رہا ہے اور ہوتا ہے نقصان اور یہ عقل اس وقت آتی ہے جب آدمی اللہ والا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عقل ایسے نہیں آتی، کسی اللہ والے کی غلامی سے آتی ہے۔ لہٰذا کسی اللہ والے کی غلامی کرو اور گناہوں سے بچو، اگر کبھی گناہ ہو بھی جائے تو فوراً اللہ سے رو لو، توبہ کر لو۔ جب کسی سے غلطی سے کبھی گناہ ہو جاتا ہے اور جب گنہ گار بندہ اللہ کے سامنے روتا ہے تو عرش ہل جاتا ہے اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

عرش لرزد از انین المذنبیں

انین کا معنیٰ ہے رونے کی آواز، آہ و نالہ، مومن کے رونے سے عرش ہل جاتا ہے مارے محبت کے ؎

آں چناں لرزد کہ مادر بر ولد

جیسے ماں کا چھوٹا بچہ رونے لگتا ہے تو ماں کا دل کانپنے لگتا ہے، دوڑ کر اس کو اٹھا لیتی ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ** یعنی ہم بڑے معاف کرنے والے بڑے محبت کرنے والے ہیں، جب مومن معافی مانگتا ہے تو ہم مارے محبت کے اس کو معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ کو بندہ سے بہت بڑا تعلق ہے۔ ہمارے ساتھ کوئی احسان کر دیتا ہے تو ہم اس کے ممنون ہوتے ہیں، کسی نے قرضہ ادا کر دیا، کسی ضرورت میں مدد کر دی، بیماری میں عیادت کر لی تو دل کو اس کی محبت کا احساس ہوتا ہے لیکن اللہ کو جو تعلق بندہ سے ہے ویسا کسی کو نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ انہوں پیدا کیا ہے، ماں باپ نے تھوڑی پیدا کیا ہے۔ ماں کو

کچھ خبر نہیں کہ میرے پیٹ میں کیا ہورہا ہے، کب میرے بچے کے دل لگایا جارہا ہے، کب پھیپڑے لگائے جارہے ہیں، کب آنکھیں لگائی جارہی ہیں، کب اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اور پاؤں لگائے جارہے ہیں۔ اگر ماں خالق ہوتی تو اس کو معلوم ہوتا کہ اب دل لگ گیا، اب آنکھیں لگ گئیں، اب ہاتھ پاؤں لگ گئے کیونکہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم ہوتا ہے کہ میں نے کس وقت کیا چیز بنائی ہے۔تو خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، ماں تو صرف ظاہری سبب ہے بچہ کی پیدائش کا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ماں باپ سے بھی زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔ کیونکہ ماؤں کو محبت کرنا انہوں نے ہی تو سکھایا ہے ؂

مادراں را مہرِ من آموختم

اپنی محبت کا ایک ذرہ ماں کو دے دیا اس ذرہ میں یہ اثر ہے کہ ماں کو اپنے بچہ کی محبت اپنی جان سے زیادہ ہے۔تو وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ فرما کر یہ بتا دیا کہ ہم اپنے بندے کی خطاؤں کو معاف کردیتے ہیں کیونکہ ہم اپنے بندوں سے محبت رکھتے ہیں۔

(ایک ٹیلر ماسٹر موجود تھے ان کو نصیحت فرمائی کہ) ٹیلر ماسٹروں کو بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ شیطان کہتا ہے کہ گاہک کا کپڑا بچا کر رکھ لو فائدہ ہوجائے گا۔ اس وقت نفس و شیطان سے کہہ دو کہ کھانا اور کپڑا ہمارا اللہ کے ذمہ ہے۔ اگر ہم نے کپڑا چرا بھی لیا تو برکت ختم ہوجائے گی۔ کیسے؟ جب تم کپڑا سی کر گاہک کو دو گے اور بچا ہوا کپڑا بھی اسے واپس کرو گے کہ لیجئے یہ آپ کا کپڑا بچا ہے تو وہ کتنا متاثر ہوگا اور سوچے گا کہ اللہ اکبر! اس زمانے میں ایسے درزی بھی ہیں جو کپڑا واپس کردیتے ہیں دوسرے درزی تو تین گز میں سے آدھا گز بچا کر رکھ لیتے ہیں اور یہ واپس کر رہا ہے۔ دس لوگوں سے کہے گا کہ چلو اس درزی سے سلواؤ وہ بڑا ایمان دار ہے۔

۲۳؍شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ، مطابق ۱۳؍اکتوبر ۱۹۶۹ء

گناہگاروں کے لیے طلوعِ آفتابِ اُمید

ارشاد فرمایا کہ گناہوں کا استحضار اپنی فنائیت و بے مائیگی کی نیت سے تو جائز اور مستحسن ہے کہ بندے کی نگاہ پھر اپنے عمل پر نہیں رہتی۔ اپنی پچھلی زندگی کے اعمال دیکھ کر اپنے دامن کو خالی پاتا ہے تو اس کی نگاہ اللہ کی رحمت پر رہتی ہے کہ میں تو کسی قابل نہیں میاں کی رحمت بڑی ہے، اپنے عمل کے اعتبار سے تو میں مستحق عذاب ہوں لیکن حق تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ اپنی قدرت کاملہ قاہرہ سے وہ ایک منٹ میں نہ جانے کیا سے کیا بنا سکتے ہیں۔ ان کی عطا کسی استعداد و قابلیت کسی قاعدہ قانون کی پابند نہیں ہے۔ مطلع ابر آلود ہوتا ہے ایک ہوا چلتی ہے اور گھنگھور گھٹاؤں کو اڑا کر لے جاتی ہے۔ اسی طرح اگر چہ ہمارے قلب کا افق گناہ کی گھٹاؤں سے گھر گیا، نور کی کہیں گنجائش نہیں رہی لیکن اپنی گھٹاؤں کو مت دیکھو ان کی نسیم کرم پر نظر رکھو، اس کے سامنے یہ گناہ کیا چیز ہیں۔ تو اپنی بے مائیگی اور فنائیت کے اعتبار سے اپنی سابقہ زندگی کے گناہوں کو یاد کرنا یہ تو پسندیدہ ہے، اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ بندہ مٹا ہوا رہے۔ ایسا شخص کہ جس نے کبھی کوئی گناہ تو نہیں کیا لیکن اپنے اعمال پر نظر ہو گئی کہ میں ایسا ہوں، میرے ان اعمالِ حسنہ سے مجھ کو بڑا قرب حاصل ہو گیا ہوگا۔ سمجھ لو شیطان نے اس کا راستہ مار دیا، ایسا شخص ہرگز مقرب نہیں ہو سکتا جو قرب حاصل تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ اس سے تو وہ گنہگار اچھا ہے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے نادم رہتا ہے۔ ندامت اور شرمندگی اللہ کو پسند ہے لیکن کبھی کبھی شیطان کان میں پھونک دیتا ہے کہ تم نے تو ساری زندگی گناہوں میں کاٹ دی حتیٰ کہ اب گناہوں کی استعداد بھی نہ رہی اور ولایت موقوف ہے استعداد ہوتے ہوئے تقاضے پر عمل نہ کرنا، اب تمہیں کیا قرب نصیب ہوگا، ولایت کا اعلیٰ مقام اب تمہیں نصیب

نہیں ہوسکتا۔ جب دل میں یہ خیالات آئیں تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کا زبردست دھوکہ ہے۔ وہ مایوس کرنا چاہتا ہے کہ اسے اللہ کا قرب حاصل نہ ہوسکے۔ گناہ کا ایک تعلق تو بندے کی ذات سے ہے کہ واقعی ہم اپنے عمل کے اعتبار سے کسی قرب خاص کے مستحق نہیں لیکن دوسرا تعلق اللہ کی ذات سے ہے کہ وہ ہمارے گناہوں سے بھی عظیم ہیں ایک منٹ میں گناہوں کو دھوکر تاج خلافت پہنا سکتے ہیں اس لحاظ سے ان کی رحمت سے ہرگز ہرگز کسی حال میں ناامید نہ ہونا چاہیے ؎

اے عظیم از ما گناہان عظیم
تو توانی عفو کردن در حریم

یہ ہے معرفت۔ اصل میں ہم دنیا کے اور جسم کے معاملات پر ان کی رحمت کو قیاس کرتے ہیں اس وجہ سے ناامیدی ہوجاتی ہے جیسے دنیا میں کسی مریض کے پھیپھڑوں میں سوراخ ہوتا ہے اور ناقابل علاج ہوجاتا ہے تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یہ ناقابل علاج ہوگیا، اب اسے کسی علاج سے فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اس میں اب استعداد صحت ختم ہوچکی ہے لیکن روح کے معاملات کو کبھی اس مثال پر قیاس نہ کرنا کیونکہ روح کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کیا ہماری استعداد سے چھوٹی ہے یا ہماری استعداد کی پابند ہے یا اللہ تعالیٰ مجبور ہیں کہ فلاں بندے نے کیونکہ گناہ کرکے خود کو تباہ کرلیا اس لیے نعوذ باللہ اب ہم اس کو اپنا بنانے پر قادر نہیں لہٰذا سند اعمال صالحہ یعنی سند استعداد ولایت دکھاؤ تو ہم اپنا بنائیں گے۔ ارے خوب یاد رکھو کہ اللہ کی رحمت کسی سند و استعداد کی پابند نہیں، جب وہ فضل فرماتے ہیں تو ایک منٹ میں بغیر سند و استعداد کے اپنا بنالیتے ہیں، بندہ جس قابل نہیں ہوتا اس قابل بنادیتے ہیں۔ وہ قابلیت کے پابند نہیں ہیں، نجاست پر جب ان کے آفتاب کرم کی شعاعیں پڑتی ہیں تو آفتاب کی گرمی سے اس کا ایک حصہ تو زمین میں جذب ہوجاتا ہے اور ایک حصہ خشک ہوجاتا ہے۔

اسی نجاست کے ذرات برسات میں کھاد ہو جاتے ہیں اور وہ حصۂ زمین سبزہ زار ہو جاتا ہے۔ اور خشک حصہ تنور میں جل کر نور بن جاتا ہے۔ بولئے نجاست میں کیا خوبی و استعداد تھی؟ ان کی رحمت نجاست کو سبزہ زار بنا دیتی ہے نور بنا دیتی ہے۔ سبزۂ و نور بننے سے پہلے اگر نجاست یوں کہے کہ میں تو کسی قابل نہیں کیونکہ میرے اندر تو سبزہ زار بننے کی صلاحیت ہی نہیں تو یہ اس کی حماقت اور معرفت کی کمی ہے۔ ارے تو نے اپنی استعداد کو دیکھا اللہ کی رحمت کو نہ دیکھا جو خالق قابلیت و استعداد ہے۔ تہجد کے وقت حضرت بڑے پیر صاحب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو الہام ہوا کہ دو ہزار میل کی دوری پر ایک ابدال کا انتقال ہو رہا ہے جاؤ اس کی نماز جنازہ پڑھانی ہے اور فلاں عیسائی کو جو صلیب ڈالے ہوئے گرجا میں پوجا کر رہا ہے کلمہ پڑھا کر کرسی ابدالیت پر بیٹھانا ہے۔ بولئے اس عیسائی میں کیا استعداد تھی، کفر و طغیان میں مبتلا تھا ابھی تو کوئی عمل بھی نہ کیا تھا اور درجہ ابدال کا عطا ہو رہا ہے، اتنے شواہد ہیں کہ تاریخ بھری ہوئی ہے۔ حضرت فضیل ابن عیاض ڈاکہ ڈالتے تھے جوانی ڈاکہ زنی قتل و غارت میں گذاری اپنے آپ کو تباہ کر لیا تھا، بڑھاپے میں توبہ کی اور ہمارے سلسلے کے اتنے بڑے ولی اللہ ہوئے کہ آج سلسلہ ان سے جاری ہوا۔ بولیے کیا کسی استعداد کی وجہ سے انہیں یہ قرب عطا ہوا۔ اللہ کی رحمت پر نظر رکھو ان کی رحمت سے بڑے سے بڑے درجہ ولایت کی امید رکھو ان کا فضل کسی قاعدہ قانون کا پابند نہیں روتے رہو اور مانگتے رہو ان کا فضل جس کو چاہتا ہے مقام عالیہ عطا کرتا ہے وہ کسی کی استعداد و قابلیت کا پابند نہیں ان کے فضل سے امید رکھو کہ کس وقت نہ جانے کیا سے کیا بنا دیں۔

بعض دفعہ تباہ شدہ زندگیوں کو زیادہ قرب نصیب ہو جاتا ہے جیسے ایک ملک میں زلزلہ آیا تھا تو اس ملک کے بادشاہ نے شاہی خزانے کو عام کر دیا

تھا کہ جس کا مکان تباہ ہوگیا ہو وہ پہلے سے اچھا مکان بنالے، جن کی جھونپڑیاں تھیں ان کے محل بن گئے۔ تو کیا ہمارا اللہ دنیاوی بادشاہوں سے بھی نعوذ باللہ کم ہے؟ اگرچہ ہم نے گناہوں کے زلزلوں سے اپنے آپ کو تباہ کرلیا ہے لیکن ہمارا شاہ تو ایسا غنی ہے کہ ہماری عمارت قرب کو پہلے سے کہیں اچھی اور عالی شان تعمیر کرسکتا ہے، وہ پہلے سے زیادہ اور عظیم الشان قرب عطا فرمانے پر قادر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے مایوس نہ ہونا چاہیے چاہے کیسا ہی حال ہو بلکہ توبہ کرکے ولایت کے اعلیٰ ترین مقام کی امید رکھنا چاہیے۔

نظر کی حفاظت شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے

ارشاد فرمایا کہ جو اپنی آنکھوں کو ننگا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی شرمگاہ کو ننگا کردیتے ہیں اور جو اپنی آنکھ پر اللہ کے حکم کا پردہ ڈالتا ہے اس کی برکت سے اس کی شرمگاہ پر بھی پردہ ڈالے رکھتے ہیں۔ اس لیے ارشاد ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾

(سورۃ النور، آیت:۳۰)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ معلوم ہوا کہ اگر آنکھیں نیچی رکھی جائیں گی تو شرمگاہ بھی محفوظ رہے گی ورنہ بس بے حیائی کی پہلی سیڑھی بدنظری ہے، یہ وہ لفٹ ہے کہ اگر اس میں سوار ہو گئے تو بس پھر آخری منزل (بدفعلی) پر لے جاکر چھوڑے گا کیونکہ جب آدمی لفٹ میں بیٹھ جاتا ہے اور اس کا بٹن دبا دیتا ہے تو اب درمیان میں نہیں رک سکتا منزل پر ہی جاکر لفٹ رکتی ہے۔ یہ وہ لفٹ ہے کہ اس کا چلانے والا شیطان ہے لہٰذا اس میں سوار ہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھوں میں روشنی دی ہے تو اوپر چلمن بھی بنادی ہے اس لیے جب کوئی خوبصورت نظر آئے تو یہ چلمن (یعنی پپوٹے) ڈال دو، شعاع نظر کو آگے نہ

بڑھنے دو۔ جو ایسا کرے گا انشاء اللہ کبھی شرمگاہ کو ننگا کرکے ذلیل نہ ہوگا۔ اگرچہ اس میں مجاہدہ کرنا پڑے گا تقاضا ہوگا تکلیف ہوگی لیکن سب کچھ جھیلنا چاہیے۔ اس وقت یہ سوچنا چاہیے کہ جس صورت پر آج جان و مال قربان کرنا بلکہ سلطنت قربان کرنا آسان معلوم ہوتا ہے کل یہی صورت ایسی ہو جائے گی کہ اس کی طرف نظر کرنے کو جی نہ چاہے گا، ایک پیالی چائے پلانے کو دل نہ چاہے گا۔ کوئی لڑکا ہے کہ آج جی چاہ رہا ہے کہ اس پر جان و مال قربان کردو لیکن کل جب اس کے ڈاڑھی نکل آئے گی تو اس کو دیکھ کر بھاگو گے۔ یہ شیطان و نفس نقد نفع دکھاتے ہیں اور صورت اتنی حسین نہیں ہوتی جتنی وہ دکھاتے ہیں حالانکہ ہر چیز کو اس کے انجام کے اعتبار سے دیکھنا چاہیے۔

گر بہ آرد رو بہ تو آں رو قفا ست

زادۂ دنیا چو دنیا بے وفا ست

شیطان اگر کسی کی صورت کو اچھا دکھائے تو اسے گدی سمجھو یعنی جس چیز کو وہ اچھا دکھائے اس کو اس کا عکس یعنی برا سمجھو۔ وہ آغاز میں شہوت کو پاک محبت کرکے دکھاتا ہے کہ تمھیں اس سے صرف پاک محبت ہے کوئی نفسانی تعلق نہیں ہے شہوت کو وفا دکھاتا ہے تو سمجھ لو کہ دنیا زادہ دنیا کی طرح بے وفا ہے۔ حرام تعلق ایک دن نفرت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور آپس میں ہمیشہ کے لیے عداوت ہو جاتی ہے۔

۲۸/رجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹/اکتوبر ۱۹۶۹ء

بحوالہ مفتی صابر صاحبؒ (خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ)

ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ تملق (خوشامد) کی بدنامی سے تکبر کی بدنامی الذ (زیادہ لذیذ) ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو نصیحتیں

(تحریکِ خلافت میں جب قتل کی دھمکیاں آرہی تھیں) حضرت تھانویؒ

نے دو نصیحتیں فرمائیں: (۱) حق معلوم ہونے پر اظہارِ حق میں کسی سے مغلوب نہ ہو۔ (۲) کسی سے توقع مت رکھو۔

۲۳؍شعبان ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۳؍نومبر ۱۹۶۹؁ء، بعد عشاء،
بمقام ۴ جی ۱۲/۱ ناظم آباد، کراچی

دین کی دولت کا سبب دُنیاوی مصائب وحوادث نہیں فضل خداوندی ہے

ارشاد فرمایا کہ کبھی یہ خیال نہ کرنا کہ کیونکہ ہم پر مصیبت آ گئی کیونکہ ہم کو دنیا نہ مل سکی یا کیونکہ ہماری صحت خراب ہوگئی اس وجہ سے مجبوراً ہم دین کی طرف متوجہ ہوگئے۔ یہ خیال کرنا اللہ کی نعمت کی ناشکری ہے کیونکہ ایسا شخص اللہ کی رحمت وشانِ اجتباء کے بجائے دینداری کو اپنی مصیبت وناکامیابی کی طرف منسوب کررہا ہے، سبب کو مسبّب بنا رہا ہے، اللہ کی رحمت وفضل خداوندی سے نظر ہٹا کر ایک سبب رحمت کو معبود بنا رہا ہے یہ تو گویا شرک ہے۔ اگر مصیبت میں یہ خاصیت ہوتی کہ وہ اللہ تک پہنچا دیتی تو ہر مفلس ونادار اللہ والا ہوا کرتا حالانکہ مشاہدہ ہے کہ کتنے مصیبت زدہ بے دین ہیں گھر میں فاقہ ہے پہننے کو کپڑے نہیں ہیں رہنے کو گھر نہیں ہے بیمار بھی ہیں لیکن اس کے باوجود ڈاڑھی منڈا رہے ہیں سینما دیکھ رہے ہیں شرابیں پی کر نالیوں میں پڑے ہوئے ہیں، نماز روزہ سے دور کا واسطہ نہیں۔ کیوں صاحب اگر مصیبت وناکامی یا مرض اللہ تک پہنچاتے ہیں تو ان کی مصیبت نے انہیں کیوں اللہ والا نہ بنا دیا، مصیبت تو موجود ہے۔ بس بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ان پر متوجہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی شانِ جذب کا پرتو ان کی ارواح پر نہیں پڑ رہا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف کھینچنا نہیں چاہتے۔ پس رحمت وفضل خاصۂ خداوندی کی بھیک مانگتا رہے۔ ہاں

بعض کے لیے انہیں مصائب کو اپنی طرف کھینچ لینے کا سبب بنا دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مصائب کی حیثیت صرف سبب کی تو ہو سکتی ہے یہ مسبّب نہیں ہیں اصل چیز تو ان کا فضل و رحمت خاص و شانِ اجتبا ہے۔ جب میاں کا فضل خاص و شان جذب شامل حال ہو جاتی ہے تب ہی بندہ ان کی طرف کھنچتا ہے ورنہ عمر گذر جائے اور ان کا راستہ نہ ملے۔

گر نہ فضلت می کشیدے جان من

رہ نیابم گرچہ ویراں شد بدن

اسی طرح اگر ان کا فضل متوجہ نہ ہو تو مجاہدات و عبادات بھی ان تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں ہو سکتے شیطان ایک منٹ میں سب پر پانی پھیر دیتا ہے۔ مولانا رومی نے مثنوی شریف میں ایک واقعہ لکھا ہے جو بظاہر تو فحش اور بھونڈا ہے لیکن اس مثال سے جو علوم مولانا نے اخذ کیے ہیں وہ مولانا ہی کا حصہ ہے۔

دو امرد ایک سرائے میں رات کو ٹھہرے، ایک امرد تو بالکل بے ریش تھا اور دوسرے کے چہرے پر ڈاڑھی کے دو تین بال تھے جس کے بال نہیں تھے اس نے بدمعاشوں سے اپنی حفاظت کے لیے پشت پر ستر اینٹیں لگائیں اور جس کے دو تین بال تھے اس نے کوئی اینٹ نہیں لگائی۔ جس نے ستر اینٹیں لگائی تھیں لیکن چونکہ چہرے پر بال نہ تھے رات میں بدمعاش نے اینٹیں ہٹا دیں اور وہ محفوظ نہ رہ سکا اور جس کے چہرے پر دو تین بال تھے وہ بچ گیا۔

اس واقعہ سے مولانا سبق دیتے ہیں کہ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کا فضل متوجہ نہ ہو اور ان کی حفاظت نہ ہو تو شیطان ہماری عبادات کی اینٹیں ہٹا کر دل میں گھس جاتا ہے، دل میں ریا داخل کر دی، حبِّ جاہ داخل کر دی عبادت پر تکبر ہو گیا کہ اب میں کچھ ہو گیا ہوں بس سارے مجاہدات بے کار و بے حقیقت ہو گئے مولانا فرماتے ہیں کہ ان مجاہدات پر بھروسہ نہ کر بیٹھنا اٹھو اور عطائے

شاہی سے دو تین بال مانگ لو۔ یہ بال کیا ہیں؟ رحمت و فضل خاصِ خداوندی۔ یہ بال بظاہر تو دو تین ہیں لیکن عبادات کی ستر اینٹوں سے کہیں زیادہ اہم ہیں بلکہ یہی بال یعنی ادنیٰ سی رحمت ان عبادات کی حفاظت کی ضامن ہے اگر یہ نہ ہوں تو عبادات خطرہ میں ہیں۔ کسی وقت بھی شیطان حملہ کر کے تباہ کر سکتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ سے ان کی رحمت و فضل کی بھیک مانگتے رہو۔ ساری عبادات بے کار ہو سکتی ہیں لیکن اگر فضل و رحمت کے دو بال حاصل ہیں تو ان کو کوئی بے کار نہیں کر سکتا شیطان بھی اس شخص پر رغبت نہیں کرتا جس پر میاں کا فضل دیکھتا ہے۔ اگر عمر بڑے سے بڑے گناہوں میں گذری ہے تو ایسے شخص کے لیے بھی ناامیدی کا کوئی سبب نہیں جس پر ان کا کرم متوجہ ہوتا ہے تو عین حالت گناہ میں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اگر چہ شیطان تو نا امید کرتا ہے کہ تو نے تو اپنی عمر گناہوں میں تباہ کر لی ہے تیرے گناہ تو معاف ہی نہیں ہو سکتے۔ تجھ پر فضل ہو ہی نہیں سکتا تو جاننا چاہیے کہ یہ شیطان کا زبردست کید ہے، اس طرح وہ اللہ سے مایوس کر کے راستہ مارنا چاہتا ہے ہم گناہ کرتے کرتے تھک سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ معاف کرتے کرتے نہیں تھکتے۔

اے عظیم از ما گناہان عظیم
تو توانی عفو کردن در حریم

ان کی ذات پاک تاثر سے پاک ہے، تاثر تو بندوں میں ہوتا ہے، تاثر نشانی ہے ضعف کی اس لیے اللہ کی ذات پاک تاثر سے پاک ہے ورنہ اگر تاثر ہوتا تو حضرت عمر کو ایمان نصیب نہ ہوتا ارادۂ قتل رسول کرنے والے کو ہدایت مل سکتی تھی؟ ذرا حضرت عمر کے ان مجرمانہ قدموں کو دیکھو جو نبی کے قتل لیے اٹھ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی شان اجتبا و فضل خاص کو دیکھو کہ ایسے مجرم کو اپنا بنا رہے ہیں۔ کیوں صاحب حضرت عمر نے کیا عمل کیا تھا؟ عمل تو یہ تھا کہ افضل الانبیاء

سبب تخلیق کائنات کو شہید کرنے کا عزم کر رہے تھے۔ کیا یہ عمل ایسا تھا کہ حضرت عمر کو ایمان نصیب ہو جاتا؟ ہرگز نہیں بس بات یہ تھی کہ فضل خداوندی ان پر متوجہ تھا۔ پھر یہی حضرت عمر ہیں جن کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے:

((لَوْ كَانَ مِنْ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ))

(مسند احمد)

کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ ان کا درجۂ ولایت تو دیکھو کہ ان کے بعد آنے والوں میں قیامت تک کوئی ان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے اللہ کی رحمت کا کچھ اندازہ کرلو کہ کس کس طرح سے بندوں کو اپنا بناتی ہے۔ پھر حضرت خالد بن ولید جن کی وجہ سے جنگ احد میں مسلمانوں کو سخت شکست کھانی پڑی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے بعد جو چیز مقدس ہے یہی خون مبارک تھا جو حضرت خالد بن ولید کی وجہ سے زمین احد پر گرا تھا۔ بتایئے کہ کیا اس سخت بد ترین عمل کے بعد حضرت خالد بن ولید ایمان سے مشرف ہو سکتے تھے؟ اگر صرف عمل پر ہی رحمت خداوندی موقوف ہوتی تو حضرت خالد کو کبھی ایمان نصیب نہ ہوتا اسی طرح حضرت وحشی، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل نے کیا عمل کیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ایمان سے مشرف ہوئے۔ معلوم ہوا کہ اگر فضل خداوندی ہو تو عازمِ قتلِ نبی اور قاتلِ عَمِّ نبی کو ہدایت مل سکتی ہے اور اللہ نے ان کو ایمان ہی سے مشرف نہیں کیا بلکہ ان کے بعد آنے والا کوئی امتی قیامت تک ان کے درجۂ ولایت کو نہیں پہنچ سکتا۔ تو سوچنا چاہیے کہ جب ایسے سخت جرم کرنے والے نعمت خداوندی سے مشرف ہو گئے اور امتی کے تو گناہ ان گناہوں کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اگر فضل خداوندی ہو تو عازم قتل نبی اور قاتل عم نبی کو ہدایت مل سکتی ہے اور ان کا فضل نہ ہو تو کاتب وحی مرتد ہوسکتا ہے اور فضل ہو تو کافر اور مجرم صحابیت و

ولایت کے اعلیٰ ترین مقام سے مشرف ہوسکتا ہے۔

۲۶ رشعبان المعظم ۱۳۸۹ھ مطابق ۷ رنومبر ۱۹۶۹ء

آخرت کے شاہینوں کا میدانِ پرواز

ایک انگریزی تعلیم یافتہ سے فرمایا کہ ان تین جملوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہم دنیا کے نیشنل نہیں ہیں اور ہمارا ویزا نا قابل توسیع ہے اور اس ویزا کی میعاد نا معلوم ہے، نہ جانے کس وقت ختم ہو جائے۔ اس وجہ سے جہاں ہمیشہ رہنا ہے اس کی تیاری اسی دنیا میں رہ کر کرنی پڑے گی ورنہ جس وقت موت آجائے گی تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو رشوت دے کر ویزا بڑھوالیا جاوے۔ موت ایک ایسی یقینی چیز ہے کہ اس کا کوئی منکر نہیں ہوسکتا اور اس کے بعد کی آنے والی زندگی پر بھی ایک مسلمان کا ایمان ہے۔ اس لیے عقلاً آپ بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ موت کے بعد کی زندگی کو بنانے کی تیاری کرنا ضروری ہے لیکن ہم عملی طور پر اس زندگی کو سنوارنے کے کام نہیں کرتے، جو محنت اس آنے والی زندگی کے لیے کرنا چاہیے اس سے غفلت برتتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اہل فکر کی صحبت میں نہیں بیٹھتے جو لوگ ہمیں اس آنے والی زندگی کی یاد دلائیں ان کا ساتھ ہم نے چھوڑ دیا اسی وجہ سے عقلاً جانتے ہوئے بھی آخرت کی تیاری نہیں کرتے۔ صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شطرنج میں عمر گذارنے والا اگر ڈاکٹر اور انجینئر کی صحبت اختیار کرتا ہے اور جب وہ ان کی زندگی کے معیار کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں فکر پیدا ہو جاتی ہے کہ مجھے بھی ایسا ہی بننا چاہیے، اب تک میں نے اپنی زندگی کہاں بے وقوفی میں ضائع کی اس لئے وہ اس دنیوی زندگی کو بنانے والی محنت کو شروع کر دیتا ہے کیوں؟ اس وجہ سے کہ اس نے افکار دنیا کے شاہینوں کے ساتھ اڑنا شروع کر

دیا۔ جب افکار دنیا کے شاہینوں کے پرِ پرواز اور ان کی رفتارِ پرواز کو دیکھ کر دوسرے میں اس میدان میں پرواز کی ہمت وشوق پیدا ہو جاتا ہے تو جو آخرت کے شاہین میں کیا ان کی رفتارِ پرواز کو دیکھ کر اڑنے کی ہمت پیدا نہ ہوگی، آخرت کے شاہین الگ ہیں ۔ان کا میدان پرواز الگ ہے اس میدان میں انبیاء اور اولیا اڑتے ہیں ان کی اس رفتار کا کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا ان کی رفتار پرواز نے انہیں نہ جانے کہاں پہنچا دیا۔ افکار دنیا کے شاہین شداد، نمرود وفرعون ہیں جن کی لاشیں زمین میں گل سڑ رہی ہیں ، ذلیل ہیں ان شاہینوں کا انجام ذلت ہے، یہ تو سابق صدر اور سابق شاہ ہو جاتے ہیں کبھی کسی ولی کو بھی سابق ولی لکھا ہوا دیکھا ہے، یہ قیامت تک سلطان الاولیاء حضرت مولانا شاہ کے لقب سے پکارے جاتے رہیں گے ان کی عزت کو کبھی زوال نہیں کیونکہ ان کی روحیں فانی مخلوقات سے منہ پھیر کو لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کا نعرہ لگاتی ہوئی ہمیشہ زندہ و باقی رہنے والی ذات کی طرف اڑ رہی تھیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جو ان کے پاس آ کر بیٹھتا ہے ان کے ساتھ اڑنے لگتا ہے اور ہمیشہ کی زندگی کو سنوارنے کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔ جب دنیا کے فانی شاہینوں کے پر پرواز میں اتنا دم ہے کہ ان کے پاس رہنے والا ان کے ساتھ اڑنے لگتا ہے تو کیا آخرت کے شاہینوں کے دست و بازو ان سے کمزور ہیں؟ ارے ان کے پر پرواز کی قوت کا اندازہ اسی وقت ہوگا جب ان کی صحبت میں رہ کر دیکھو گے ان کی صحبت کرگس کو شاہین بناتی ہے، مردہ خورِ دنیا کو حی قیوم ذات سے آشنا کراتی ہے، صحبت کا اثر بڑا ہوتا ہے کوئی آزما کر دیکھ لے، جو اہل فکر کی مجلس میں بیٹھے گا بے فکر نہیں رہ سکتا، صحبت کا اثر ایک نہ ایک دن رنگ لا کر رہتا ہے۔ جو ان کی صحبت اختیار کرتا ہے تو ان کا پر پرواز اس کو دنیائے مردار کی قیود سے آزاد کر کے حی وقیوم ذات کی طرف اڑانے لگتا ہے۔

۲۸ رشعبان المعظم ۱۳۸۹ھ مطابق ۹ رنومبر ۱۹۶۹ء، بروز اتوار

شیطان کا مکر ضعیف ہے

حضرت والا نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿اِنَّ كَيۡدَ الشَّيۡطٰنِ كَانَ ضَعِيۡفًا﴾

(سورۃُ النسآء، آیت:۷۶)

(شیطان کا مکر بہت بودا اور ضعیف ہے)

ارشاد فرمایا کہ اگر یہ آیت نازل نہ ہوتی تو شیطان کے خوف سے بہت سے مسلمانوں کی کمر ٹوٹ جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے:

﴿اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ﴾

(سورۃُ البقرۃ، آیت:۱۶۸)

بہت سے مسلمانوں کو خوف ہو جاتا کہ شیطان ہم سے قوی ہے اب ہم اعمال صالحہ کر ہی نہیں سکتے، اذان ہوتی رہتی اور بہت سے لوگ چارپائی پر سہمے ہوئے پڑے رہتے کہ شیطان ہمیں مسجد جانے ہی نہیں دیتا لیکن اللہ کی رحمت دیکھو کہ یہ آیت نازل فرمادی کہ شیطان کا مکر تو بہت بودا اور ضعیف ہے کس سے ڈرتے ہو یہ تو ایک لاحول ولاقوۃ پڑھنے سے بھاگ جاتا ہے۔ عورتوں کے مکر کو تو ہم خود بڑا کہہ رہے ہیں:

﴿اِنَّ كَيۡدَكُنَّ عَظِيۡمٌ﴾

(سورۂ یوسف، آیت:۲۸)

عورتوں کا مکر عظیم ہے لیکن ہم نے ان کے عظیم مکر کو بھی تمہارا محکوم کر دیا اور تم کو ان پر حاکم بنادیا:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾

(سورۃُ النسآء، آیت:۳۴)

تو جب عورتوں کو تم پٹکے ہوئے ہو تو شیطان کو نہیں پٹک سکتے ؟ جبکہ اس کا مکر تو عورتوں کے مکر کے مقابلہ میں بہت ضعیف ہے۔

۱۰؍رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۱؍نومبر ۱۹۶۹ء، بعد فجر بمقام ۴-جی۱/۱۲ ناظم آباد کراچی

حصولِ اخلاص و بقاءِ اخلاص

ارشاد فرمایا کہ بعض دفعہ ابتدائے عمل میں اخلاص عطا ہو جاتا ہے لیکن بعد میں کسی گناہ کی وجہ سے چھن جاتا ہے مثلاً نماز اخلاص سے شروع کی اور دورانِ نماز کوئی آ گیا تو اس کو دکھانے کے لیے لمبے لمبے رکوع اور سجدے کرنے لگا یا صدقہ وخیرات اخلاص سے شروع کیا لیکن بعد میں شیطان نے دل میں ڈالا کہ تم بہت بڑے ولی اللہ ہو جو مال اس طرح خرچ کر رہے ہو یا مال دے کر مساکین پر احسان جتانے لگا اس طرح سارا اخلاص خاک میں مل گیا۔ اہل ایمان کی شان اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں:

﴿قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾

(سورۃ فصلت، آیت: ۳۰)

جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب صرف اللہ ہے پھر اس پر قائم بھی رہے معلوم ہوا کہ رَبُّنَا اللّٰهُ کہہ دینا آسان ہے لیکن ثُمَّ اسْتَقَامُوْا مشکل ہے۔ اس لیے اپنے قلب کا جائزہ لیتا رہے کہ قلب کی سوئی ثُمَّ اسْتَقَامُوْا سے ہٹ تو نہیں رہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے حصولِ اخلاص اور بقاءِ اخلاص کی بھیک مانگتا رہے۔

انبیاء علیہم السلام کی شانِ عاشقانہ

ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کافر تلوار لے کر آ جائے اور کہے کہ کلمۂ کفر کہو ورنہ تمہاری گردن اڑا دوں گا تو اُمتی کے لیے جائز ہے کہ جان بچانے کے لیے

زبان سے کہہ دے اور دل سے اقرار کرے لیکن نبی کے لیے جائز نہیں کہ تلوار دیکھ کر زبان سے بھی کلمۂ کفر کہہ دے چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام آرے سے چروائے گئے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ دیا گیا۔

سر کے کٹنے کا مزہ یحییٰ سے پوچھ
لطف تن چرنے کا زکریا سے پوچھ
سر کو رکھ دینے کا نیچے تیغ کے
لطف اس کا پوچھ اسماعیل سے

اللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں کہ ہمارے عاشقین ایسے ایسے ہیں کہ جسم کے تو دو ٹکڑے کر دیئے لیکن توحید یعنی اقرار وحدت کو نہ چھوڑا۔

قتلِ خواہشات کا عظیم الشان خوں بہا

ارشاد فرمایا کہ دل کیا ہے؟ ایک مقتل ہے، قتل گاہ ہے خواہشات کی۔ اللہ کے راستہ میں آدمی دیکھتا ہے کہ میری فلاں فلاں حرام خواہش تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہی ہے، فلاں خواہش مر گئی، بدنظری کا تقاضا پیدا ہوا اس نے فوراً اس خواہش کا گلا دبا دیا یہ آسان نہیں ہے، عاشقوں سے پوچھو کہ یہ مجاہدہ کتنا مشکل ہے کہ گویا جان ختم ہوگئی یہ دراصل شہید ہے اگرچہ جسم اور گردن لیے پھرتا ہے۔

کسی کے زندہ شہید ہیں ہم نہیں یہ حسرت کہ سر نہیں ہے

اندر جو خون بہہ گیا وہ سوائے خدا کے کسی نے دیکھا نہیں حضرت حکیم الامت تھانوی فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے لیے اپنی خواہشات کا خون کرتے ہیں یہ شہادت باطنی ہے اور یہ بھی ان شاء اللہ قیامت کے دن شہداء کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((مَنْ عَشَقَ وَ كَتَمَ وَعَفَّ ثُمَّ مَاتَ فَهُوَ شَهِيْدٌ))

(مرقاۃُ المفاتیح، کتابُ الجنائز، باب عیادۃ المریض)

جس کو کسی سے عشق ہوگیا اور اس نے اس کو چھپایا اور پاکدامن رہا اور اس گھٹن میں مر گیا وہ شہید ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں؎

ما بہا و خوں بہا را یافتم

ہم نے اپنی خواہشات کو تو قتل کیا لیکن اس کے خوں بہا میں خود حق تعالیٰ مل گئے موجودہ سکّہ کے لحاظ سے ایک آدمی کی جان کا بدلہ اٹھارہ ہزار ہے اگر بھولے سے مر جائے اور عمداً قتل کیا ہے تو اس کے بدلے میں قاتل لیا جاتا ہے۔ ہم جن کے حکم کی تعمیل میں اپنی خواہش کو قتل کرتے ہیں گویا خود کو ان کے حکم کی تیغ سے قتل کرتے ہیں، اس خون کے بدلے میں خود محبوب حقیقی تعالیٰ شانہ مل جاتے ہیں۔ میرا شعر ہے؎

ترے حکم کی تیغ سے ہوں میں بسمل
شہادت نہیں میری ممنون خنجر

نامرادی تو ہوئی لیکن ایسی نامرادیوں پر لاکھوں مرادیں قربان ہوجائیں؎

خاک میں کس نے ملایا یہ تو دیکھ
شکر کر مٹی سوارت ہوگئی

وہ اس قتل خواہش کے بدلے میں خود مل جاتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا عظیم الشان خوں بہا ہے مٹی سوارت ہوگئی کہ مٹی کی خواہش کے بدلے میں وہ مل گئے ورنہ مٹی مٹی میں مل کر مٹی ہوجاتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

(سورۃ العنکبوت، آیت:۶۹)

جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان پر اپنے ملنے کے راستے کھول دیتے ہیں (لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کا ترجمہ اپنے ملنے کے راستے کھول دیتے ہیں کیا پیارا اور محبت بھرا ترجمہ ہے۔ جامع)

۱۶ / رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۷ / نومبر ۱۹۶۹ء

اپنے نفس پر حکومت کس طرح حاصل ہوتی ہے؟

ارشاد فرمایا کہ تعزیرات پاکستان اگر گھر گھر تقسیم کر دی جائے تو کیا ملک کا انتظام چل جائے گا انتظام تو اسی وقت چلتا ہے جب کسی ایک کو حاکم بنا کر اس کو قوت بھی دی جائے کہ طاقت کے بل پر وہ قانون کا نفاذ کرے۔ انتظام کے لیے طاقت کی ضرورت ہے اسی طرح ہمارے نفس کی جو سلطنت ہے اس کا انتظام بھی جب ہی چلتا ہے جب کسی شیخ کامل کو اس سلطنت پر حاکم بنا دیا جائے اور اپنے نفس پر تصرف کرنے کی اس کو پوری قوت دے دی جائے کہ اب یہ نفس آپ کا مملوک ہے اور آپ اس کے حاکم ہیں ۔

پیر خود را حاکم مطلق شناس

جس طرح آپ چاہیں گے اس کے مطابق یہ چلے گا اور اپنی رائے پر اب ہرگز عمل نہ کرے گا۔ اس تفویض کے بعد ہی نفس کی اصلاح ہوتی ہے ورنہ جس طرح تعزیرات کی موجودگی اور علم کے باوجود بغیر حاکم کے انتظام سلطنت نہیں چل سکتا، مملکت پر قانون کا نفاذ نہیں ہوسکتا اسی طرح قرآن وحدیث کے علم کے باوجود نفس پر ان قوانین کی حکومت قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ کسی کو اس پر حاکم مقرر نہ کیا جائے اور وہ حاکم شیخ کامل ہے۔ جب شیخ کو اپنا حاکم بنالیا تو اب اپنا کچا چٹھا اس کے سامنے کھولنا پڑے گا اپنے حالات کی اس کو اطلاع کرنی پڑے گی اگر آنکھیں خیانت کرتی ہیں تو شیخ کو ان کی خیانت کی اطلاع کرنی ہوگی سینہ اگر برے خیالات پکاتا ہے تو وہ خیالات شیخ پر ظاہر کرنے ہوں گے اسی طرح جس کے جو جو اعضا نافرمانی کر رہے ہیں ان کی نافرمانیوں سے شیخ کو مطلع کرنا پڑے گا کیونکہ اپنے جسم ونفس کا انتظام اب تم نے اس کے سپرد کر دیا ہے۔ پھر وہ

بغاوت ونافرمانی کرنے والے نفس پر سزا مقرر کرے گا اس کی تجویزات پر عمل کرنا پڑے گا۔اس طرح شیخ قرآن وحدیث کی حکومت تمہارے نفس پر اور جسم وجان پر قائم کرے گا۔ایک عمر جب تم اس کے احکامات خود پر نافذ کرتے رہو گے تو اس اطاعت کاملہ کی برکت سے نفس تمہارے قابو میں آجائے گا اب آنکھیں تمہاری مطیع ہو جائیں گی اب غلط محل پر نہیں اٹھ سکتیں،اب قدم اللہ کی نافرمانی کے راستہ پر نہیں چل سکتے،اب ہاتھ اللہ کی نافرمانی کی طرف نہیں اٹھ سکتے،اب دل پچھلے گناہوں کا تصور کر کے خوش نہیں ہوسکتا،یہ مراد نہیں کہ گناہ کے تقاضے ہی فوت ہو جائیں گے۔نہیں! تقاضے تو اب بھی موجود ہوں گے، لیکن اب وہ مغلوب ہوں گے اب ان پر تمہاری حکومت ہوگی اور وہ محکوم ہوں گے، پہلے وہ حاکم تھے اور تم ان تقاضوں کے تابع تھے۔نفس پر یہ حکومت کسی کی غلامی کے صدقہ میں ملتی ہے،اگر اپنے نفس کو کسی اللہ والے کا غلام نہ بنایا جائے تو اصلاح ناممکن ہے۔اگر نفس کو احکامات الٰہیہ کا مطیع بنانا ہے تو کسی اللہ والے سے تعلق کے بغیر کام نہیں بن سکتا۔

۲۵ ؍رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۶ ؍دسمبر ۱۹۶۹ء

ایک دعا

ایک مرید کو دعا لکھی کہ اللہ آپ کا دل دنیا سے اچاٹ اور اپنی یاد کے لیے بے چین رکھے۔اللہ تعالیٰ ہمارے سب کے دل دنیا سے اچاٹ اور اپنی یاد کے لیے بے چین رکھے۔

اللہ کے یہاں آہ کی قدر و قیمت

ارشاد فرمایا کہ آہ کی سائنس نے کیا قدر کی؟ کہا کہ یہ کاربن ڈائی آکسائڈ یعنی گندے فضلات اور مضر ہوا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں آہ کی کیا قدر ہے

کہ مضطر کی آہ سے عرشِ الٰہی ہل جاتا ہے یہ آہ سیدھی اللہ تک جاتی ہے درمیان میں کوئی حائل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ﴾

(سورۃ النمل، آیت:۶۲)

اللہ ہی ہے جو مضطر اور بے قرار کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درحق بہرِ استقبال می آید

مظلوموں کی آہ سے ڈرو کہ جب وہ اللہ کو پکارتے ہیں تو رحمت حق خود ان کی آہ کے استقبال کو آتی ہے۔ ہماری آہ کی اللہ نے کیا قدر کی، وہی ہماری آہ کے خریدار ہیں۔ سائنس اس آہ کی قدر و قیمت کیا جانے وہ تو مثل خر مٹی میں سو گئی۔ اس کی پرواز مٹی اور مٹی کے متعلقات تک ہے۔

۲۵ر رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۶ر دسمبر ۱۹۶۹ء،
بمقام ۴ جی-۱۲/۱ ناظم آباد، کراچی

وحی الٰہی کی جامعیت اور خود ساختہ قانون کا بوداپن

کراچی بوقت نو بجے صبح، صرف احقر راقم الحروف حضرت کی خدمت میں حاضر تھا اپنے حجرے میں ارشاد فرمایا کہ صرف وحی الٰہی نے بدنظری کو حرام کر دیا ورنہ کسی ملک کے قانون میں بدنظری حرام نہیں ہے جیسے ساتھ ناچنا انگریزوں کے یہاں حرام نہیں جو بدنظری کی بدترین صورت ہے۔ زنا تو بین الاقوامی طور پر مذموم فعل سمجھا جاتا ہے اس لیے بعض یورپی ملکوں میں سرِعام زنا کرنا جرم ہے لیکن بدنظری جو مقدمہ اور سبب ہے زنا کا اس کی حرمت پر انسانی ذہن کی رسائی نہیں ہوسکی اس لیے ان کا قانون ایسا ہے کہ آگ کو تو حرام کر دیا لیکن اس کے

پاس پٹرول کو جائز کرتے ہیں جس سے آگ بھڑک جاتی ہے اور زنا میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور وحی الٰہی بدنظری کو حرام کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اگر بندے نظر کی حفاظت نہ کریں گے تو زنا میں مبتلا ہو جائیں گے اور نظر کی حفاظت سے شرمگاہ محفوظ رہے گی اسی لیے قرآن پاک میں قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کے فوراً بعد وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ہے یعنی اگر تم نظروں کی حفاظت کرو گے تو تمہاری شرم گاہیں محفوظ رہیں گی ۔ یہ فرق ہے انسان کے خودساختہ قانون اور اللہ تعالیٰ کے قانون میں ۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ پٹرول اور آگ جمع نہیں ہو سکتے اس لیے نگاہوں کی حفاظت کا حکم دے دیا اور ان نافرمانوں کو اس کی عقل نہیں، ان کی عقل نارسا انسانی نفسیات کی اس باریکی تک نہیں پہنچ سکی ۔

شیخ سے کیسی محبت کرنی چاہیے

ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ سے ایسی محبت کی جیسے دنیوی محبوب سے ۔ شیخ کا سر دبانا سر میں تیل ڈالنا بدن دبانا کپڑے دھونا گھر کے لیے آٹا پسوا کر لانا خدمت کرنا، محبت میں شیخ کے پاؤں سے آنکھیں ملنا یہ محبت کا صحیح محل ہے نہ کہ مرنے سڑنے والی لاشوں سے محبت کرنا ۔ اللہ کو تو ہم اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اس زمین پر جہاں اکثر بندے مختلف چیزوں کو تلاش کر رہے ہیں کوئی وزارت عظمیٰ کی کرسی کی تلاش میں ہے کوئی تجارت کو تلاش کر رہا ہے کوئی حسن فانی کی جستجو میں سرگرداں ہے لیکن بعض بندے ایسے ہیں جن کی روحیں صرف مجھے تلاش کریں گی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل اللہ پیدا کیے تاکہ اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو والہانہ تعلق ہوتا ہے ان اللہ والوں کو دیکھ کر ان بندوں کو اللہ یاد آجائے اور ان کے دل کو تسکین ہو جائے اور اللہ کی محبت کا اور اللہ کے حضور میں سجدہ کا مزہ مل جائے ۔

پردے اٹھے ہوئے بھی ہیں ان کی ادھر نظر بھی ہے
بڑھ کے مقدر آزما سر بھی ہے سنگ در بھی ہے

اصل میں سر اسی وقت سر ہوتا ہے جب سنگ در پر ہوتا ہے ورنہ لاکھوں سر جو سنگ در پر نہ تھے وہ سر کہلانے کے قابل ہی نہ ہوئے۔

قصہ نازکی لب کا

ارشاد فرمایا کہ ایک عاشق صاحب اپنے معشوق کے لبوں کی نزاکت پر یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

کہ اتنے میں معشوق کے ہونٹ پر تتیہ نے کاٹ لیا اور معشوق کا ہونٹ ایک انچ سے ساڑھے چار انچ کا ہوگیا۔ اب عاشق صاحب کی نظر معشوق کی طرف نہیں اٹھ رہی ہے تو اس نے کہا کہ میری طرف دیکھتے کیوں نہیں تو عاشق صاحب کہتے ہیں کہ حسن کی تباہی نہیں دیکھی جاتی۔ ایسے بے حقیقت اور فانی حسن پر کیا مرتے ہو کہ وہ حسن بھی فانی ہے اور عشق بھی فانی ہے۔ اس ذات پاک تعالیٰ شانہٗ پر مرو جس کے حسن کو کبھی زوال نہیں۔

۳؍شوال المکرم ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۳؍دسمبر ۱۹۶۹ء، بوقت بعد نماز فجر
بمقام ۴جی ۱۲/۱ ناظم آباد کراچی

حق تعالیٰ کو کون پاتا ہے اور کون محروم رہتا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ حسنِ مجازی کی مثال رنگین بلب کی سی ہے جس کو نور کا ایک ذرہ سرچشمۂ نور یعنی غیبی پاور ہاؤس سے مل گیا ہے جس سے اس میں یہ روشنی نظر آرہی ہے لیکن جو شخص بلب کے نور پر فریفتہ ہوجائے گا تو وہ سرچشمۂ نور تک نہیں

پہنچ سکتا کیونکہ بلب کی روشنی اس کو پاور ہاؤس کی طرف التفات نہ کرنے دے گی۔ وہ یہی سمجھے گا کہ یہ بلب ہی سب کچھ ہے۔اسی طرح حسنِ مجازی دراصل اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کا ایک ادنیٰ ذرّہ ہے۔جو شخص اس ذرّۂ حسن پر فریفتہ ہوجائے گا وہ سرچشمۂ حسن و جمال یعنی اللہ تعالیٰ کو نہیں پا سکتا کیونکہ اس کی نظریں تو اس بلب پر فریفتہ ہوگئی ہیں اور اس کے حسن تک محدود رہ کر وہ سرچشمۂ نور کی تلاش و جستجو سے محروم رہے گا۔اسے خبر نہیں کہ یہ بلب پاور ہاؤس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور ان بلبوں کی طرف التفات کے معنیٰ ہیں مرکز نور سے محرومی۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ پر فضل فرماتے ہیں اس کے لیے اکثر ان بلبوں پر سیاہی کے شیشے لگا دیتے ہیں اور حسن مجازی سے اس کو دور کر دیتے ہیں مثلاً کسی کو بدصورت بیوی دے دی تاکہ وہ اس بلب کی روشنی پر عاشق نہ ہو اور دنیا سے دل اچاٹ رہے اور ہماری جستجو میں سرگرداں پھرے۔بعض دفعہ جائز اور حلال لذت بھی اللہ کے راستے میں حجاب ہوجاتی ہے مثلاً کوئی شخص بیوی پر اتنا عاشق ہوجائے کہ اللہ سے غافل ہوجائے تو یہ حلال لذت اس کے لیے حجاب ہوگئی اور یہ شخص دراصل ناکام ہوگیا اور ایک وہ شخص ہے کہ بدصورت بیوی ہے اس کے ذوقِ حسن کو تو تسکین نہیں ملتی لیکن اسی غم نے اس کو اللہ طرف متوجہ کر دیا کیونکہ بیوی کی طرف زیادہ ملتفت نہیں اس لیے اللہ والوں کی خدمت میں رہتا ہے اگرچہ اللہ کا حکم سمجھ کر بیوی کے حقوق ادا کرتا ہے لیکن اس کا دل بیوی سے نہیں لگتا تو یہ شخص کامیاب ہے اور یہ بدصورت بیوی اس کے لیے نعمت ہے اور اگر کسی کو اللہ نے خوبصورت بیوی دی ہے یا حسنِ مجازی سے حرام لذت اٹھانے پر وہ قادر ہے لیکن اللہ کی محبت کو بیوی کی محبت پر غالب رکھتا ہے یا حرام لذت سے مثلاً زنا سے بچتا ہے تو یہ شخص بھی کامیاب ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کی چاٹ اسی بندہ کو عطا فرماتے ہیں جس کا دل دنیا سے اچاٹ کر دیتے

ہیں، پہلے دل کو اچاٹ کرتے ہیں پھر اپنی محبت کی چاٹ عطا فرماتے ہیں۔ دل کو وہی اچاٹ کرتے ہیں ورنہ ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ خوب دنیا میں لگیں، دنیا سے خوب دل لگائیں لیکن جس بندہ پر فضل فرماتے ہیں اس کو اسباب گناہ سے دور کر دیتے ہیں، یہ گناہ کرنا چاہتا ہے لیکن حق تعالیٰ اس کو دور کر دیتے ہیں، یہ جس شاخ پر نشیمن بنانا چاہتا ہے وہ شاخ کاٹ ڈالتے ہیں۔

جس کو تاکوں گا نشیمن کے لیے
وہ ہی ڈالی کاٹ ڈالی جائے گی

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل دنیا سے اچاٹ کر دیتے ہیں اور اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ تو ہر ناخوشگوار واقعہ سے اگرچہ دل کو تکلیف ہوتی ہے لیکن یہی تکلیف معرفت الٰہیہ کا سبب ہو جاتی ہے۔ بس دنیا سے دل اچاٹ رہنا اتنی بڑی نعمت ہے کہ کوئی موتی اس کی قیمت نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی محبت کی چاٹ ایسے ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جن کے دل دنیا سے سرد ہیں، یہ انبیا اور اولیا کا دسترخوان ہے، دنیا اور آخرت ایک دسترخوان پر جمع نہیں ہو سکتے اس دسترخوان پر چمار اور بھنگی یعنی دنیا دار کب آسکتے ہیں۔ اللہ کی محبت کی یہ چاٹ تو معززین مکرمین یعنی انبیاء اور اولیاء کے لیے ہے، یہ چاٹ ہر ایک کو نہیں دی جاتی اس کے لیے خاص دل مخصوص ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ دل دنیا سے اچاٹ نہیں ہوا اور اپنی محبت کی چاٹ عطا فرما دیں کیونکہ ان کی غیرت حسن یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ تمہاری آنکھیں غیروں پر بھی گڑی رہیں اور وہ تمہیں اپنے آپ کو بھی دکھا دیں۔ پہلے آنکھیں ساری کائنات سے بند کرنا پڑیں گی تب وہ اپنا حسن دکھائیں گے۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ کہ اگر ہمیں دیکھنا چاہتے ہو تو دنیا بھر سے آنکھیں بند کرلو۔ اگر تم دنیا کے حسینوں کو دیکھو گے تو ہم تمہیں نہ ملیں گے۔ یہ دنیا تو دار الامتحان ہے وہ آزماتے ہیں کہ کون ان رنگین

فانی بلبلوں سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے اور کون ان فانی رنگینیوں سے آنکھیں بند کر کے سرچشمۂ نور کی طرف آتا ہے، دنیا کے یہ حسین چہرے ہم نے تمہارے امتحان کے لیے ہی تو بنائے ہیں تاکہ تمہیں آزمائیں کہ تم ان سے فریب کھا جاتے ہو یا خالق حسن سے اپنا رابطہ قائم کرتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جن بندوں کی روحیں حق تعالیٰ کے حسن و جمال سے آشنا ہو چکی ہیں وہ اس فانی حسن سے بے نیاز ہو گئی ہیں۔ دنیا کا حسن ان کی نگاہوں میں ہیچ ہے کیونکہ جس نے ایک ہزار پاور کے بلب کی روشنی دیکھ لی، کیا وہ ۴۰ واٹ کے بلب کی روشنی کی طرف متوجہ ہوگا؟ اس لیے ان رنگین بلبوں سے آنکھیں بند کرلو کچھ دن محنت کرنا پڑے گی پھر دل میں اللہ کے قرب اور ان کی محبت کی مٹھاس کی ایسی لذت محسوس ہوگی کہ جو نہ آنکھوں نے دیکھی، نہ کانوں نے سنی، نہ ہی کسی کے وہم وخیال میں گذری، دنیا ہی میں جنت کا لطف اور مزہ ملنے لگے گا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾

(سورۃ السجدۃ، آیت:۱۷)

ترجمہ: نہیں جانتا ہے کوئی نفس جو چھپا کے رکھی ہوئی ہے آنکھوں کی ٹھنڈک (اولیاء اللہ کے لیے۔)

یہ ایسی لذت ہے کہ وہی دل جانتا ہے جس کو عطا کی جاتی ہے اس لذت میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ ایک ولی بھی نہیں جان سکتا کہ دوسرے ولی کے قلب کو کس نوع کی لذت حاصل ہے اور قرب کی کیا مٹھاس مل رہی ہے ہر ولی کے قلب کو ایک منفرد لذت عطا کی جاتی ہے۔ اولیاء اللہ کی ظاہری حالت پر تو دنیا دار افسوس کرتے ہیں کہ ہائے یہ شخص تباہ ہو گیا، نہ کار ہے نہ بنگلہ کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے ہیں اور وہ ان دنیا داروں پر ترس کھاتا ہے کہ ہائے یہ کیسے محروم ہیں، بادشاہوں کو وہ دولت نصیب نہیں جو مجھے حاصل ہے

اور یہ نہ جانے کیا سمجھتے ہیں اسی لیے وہ کہتا ہے:

﴿اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ؕ﴾

(سورۃ یٰس، آیت:۲۵)

سورۂ یٰسین شریف میں ہے کہ ''کہا اس نے کہ کان کھول کر سن لو کہ میں اپنے رب پر ایمان لایا ہوں'' ''خوب سن لو'' میں کیا مزہ ہے یہ کیسی لذت کو ظاہر کر رہا ہے:

﴿قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿ۙ﴾ بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَ جَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ ﴿﴾

(سورۃ یٰس، آیت:۲۶-۲۷)

جب اس کو جنت میں داخل کیا تو اس نے کہا کہ کاش میری قوم دیکھتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں بنایا۔ اسی طرح وہ شخص کہتا ہے کہ کاش دنیا دار دیکھتے کہ میرے اللہ نے اپنے قرب کی کیسی حلاوت مجھے عطا فرمائی ہے اور کن کن نعمتوں سے نوازا ہے اس کو دنیا داروں کی حالت اور غفلت پر رحم آتا ہے۔

گناہوں کو چھوڑنے کا ایک دلکش طریقہ

قبل از ظہر بارہ بجے کے قریب

ارشاد فرمایا کہ جب تک گناہوں کی عادت نہ چھوٹے اس وقت تک ہر گناہ کے بعد فوراً استغفار کرنا چاہیے۔ اگر کبھی اتفاق سے کپڑوں پر کوئی گندگی لگ جاتی ہے تو کیا اس وقت اس کپڑے کو فوراً دھوتے نہیں ہو کیا وہ گندا کپڑا پہنے ہوئے پھرتے رہتے ہو۔ اس وقت کوئی یہ نہیں چاہتا کہ اس گندگی کی حالت میں کوئی مجھے دیکھے بلکہ فوراً پہلے صفائی کرتے ہو۔ یہی حالت گناہ کے بعد بھی ہونی چاہیے کہ روح گندی ہوگئی اب جب تک صفائی نہ کرلو کسی کے سامنے نہ جاؤ جب تک اللہ سے معاملہ صاف نہ کرلو اور گناہ کی دھلائی ہوتی ہے وضو سے نماز سے ندامت اور گریہ وزاری سے اللہ والوں کی صحبت سے۔ آنکھوں میں دو تھیلیاں

آنسوؤں کی اللہ نے رکھ دی ہیں بس یہ ہماری تھیلیاں گناہوں کو بہا دیتی ہیں، گناہ ہو جائے بس آنسوؤں کا دریا بہا دو۔ اگر شیطان یہ وسوسہ دل میں ڈالے کہ بے وقوف ابھی تو رو رہا ہے اور ابھی پھر یہی گناہ کرے گا ایسی توبہ سے کیا فائدہ تو اس سے کہہ دو کہ کم بخت! کوئی اور دروازہ بھی نہیں ہے کوئی جائے پناہ ان کے علاوہ نہیں ہے کوئی اور اللہ نہیں ہے، نیکوں کا بھی وہی اللہ ہے اور گناہگاروں کا بھی وہی اللہ ہے اور ہم گناہ کرتے کرتے تھک سکتے ہیں لیکن ہمارا اللہ معاف کرتے کرتے نہیں تھک سکتا۔ اس لیے گناہ ہو جائے تو خوب استغفار کیجئے۔ اس کثرت استغفار سے ان شاء اللہ ایک دن گناہوں کی عادت چھوٹ جائے گی کیونکہ شیطان دیکھے گا کہ یہ گناہ کر کے اتنا روتا ہے کہ پہلے سے زیادہ مقرب ہو جاتا ہے اس لیے پھر وہ گناہ کرانا چھوڑ دے گا اس لیے استغفار میں کوتاہی نہ کرنا چاہیے ورنہ گناہوں کے دھبوں سے قلب و روح میلے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کم گندا کپڑا تو آسانی سے دھل جاتا ہے اور زیادہ گندا کپڑا پھر صاف نہیں ہوتا پھر تیزاب ڈالنا پڑتا ہے۔ اگر استغفار نہ کی اور روح میلی ہوتی چلی گئی تو پھر دوزخ کی آگ کے تیزاب سے تزکیہ کیا جائے گا تو کون ہے جو تیزاب سے تزکیہ کرانا چاہتا ہے، عقلمندی تو یہی ہے کہ خود دھوڈالے، رو دھو کر معاملہ صاف کر لے اور اپنے مصلح سے مشورہ بھی ضروری ہے۔

۶ رشوال المکرم ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۶۹ء بعد عشاء

احقر راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضرت میرے خاندان کے لوگ مجھے بہت حقیر سمجھتے ہیں کہ ملّا بن کر یہ برباد ہو گیا نہ اس کے پاس کار ہے نہ مکان ہے نہ ذریعۂ معاش ہے ان کی نگاہوں میں میری تحقیر معلوم ہوتی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ اگر مخلوق نے تمہیں اپنی نگاہوں سے گرا دیا تو تم بھی مخلوق کو اپنی نگاہوں سے گرا دو۔ اس گرانے کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ مخلوق کو حقیر

سمجھنے لگو، اگر کہیں دوسروں کو حقیر سمجھ لیا تو یہ خود جرم عظیم ہے بلکہ اس کے یہ معنیٰ
ہیں کہ دل میں مخلوق کی کوئی وقعت نہ ہو، لوگوں کو خوش کرنے کی، لوگوں کی نگاہ
میں معزز ہونے کی فکر نہ رہے دل میں یہ خواہش نہ رہے کہ کون سا ایسا کام کرلوں
کہ جس سے لوگوں کی نظروں میں میری عزت ہو جائے، دل کو مخلوق سے خالی کر
لو۔ اگر لوگ تمہیں دقیانوسی ملّا یا پس ماندہ سمجھتے ہیں تو تمہارا کام یہ ہے کہ ان کی
نظروں سے بے نیاز ہو جاؤ اور جہاں مخلوق کی رضا اور خالق کی رضا میں ٹکراؤ ہو
رہا ہو وہاں مخلوق کو بالکل نظر انداز کردو اور خالق کی نظر سے نظر ملائے رہو کہ
میاں کس بات سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر ساری مخلوق تم پر طعن کرے تو بھی
اپنے مولیٰ کو ناراض کرنے کی ہمت نہ ہو تب سمجھو کہ مخلوق نگاہ سے گر گئی۔ مخلوق
نے اگر کسی کو نگاہوں سے گرادیا ہے تو اسے شکر کرنا چاہیے کہ اسے بڑی نعمت عطا
فرمائی گئی ہے جو مجاہدۂ اختیاریہ سے حاصل نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ بعض دفعہ مخلوق
سے تعلق اللہ کے راستہ کا بہت بڑا بت ہو جاتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کا لوگ بہت
اکرام کرنے لگیں اور دعائیں کرانے لگیں اور بزرگ سمجھنے لگیں تو یہ باتیں خصوصاً
مبتدی کے لیے ہلاکت کا سبب ہو جاتی ہیں کیونکہ ایسے لوگوں سے قلب کو علاقہ و
تعلق زیادہ ہو جاتا ہے پھر اس کا دل سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ نفس و
شیطان کان میں پھونک دیتے ہیں کہ تم مقدس ہو گئے جب ہی تو لوگ تمہاری
عزت کر رہے ہیں۔ بس جہاں اپنے تقدس کا گمان ہوا سمجھ لو کہ راستہ مارا گیا اور
بندہ کے قلب اور اللہ کے درمیان بہت بڑا حجاب پڑ گیا۔ برعکس اس کے جس
بندہ کو مخلوق ذلیل سمجھ رہی ہو اس کا دل ٹوٹا ہوا رہتا ہے اور اس کی نظر اپنے مولیٰ
کی طرف لگی رہتی ہے کہ میاں آپ اپنا بنا لیجئے مخلوق تو مجھے ذلیل سمجھتی ہے آپ
مجھے ذلیل نہ سمجھئے۔ اے اللہ اگر ساری مخلوق مجھے حقیر و ذلیل سمجھ رہی ہے اور
آپ مجھے عزیز رکھتے ہیں تو مجھے کوئی غم نہیں اور اے اللہ اگر ساری مخلوق مجھے

معزز سمجھے لیکن آپ کی نگاہوں میں، میں ذلیل ہوں تو اے اللہ ایسی عزت سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ جس بندہ پر وہ فضل فرماتے ہیں اس کو مخلوق سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ اور عادتاً اس کی تکمیل یوں ہی ہوتی ہے کہ اس کو مخلوق کی نگاہوں میں گرا دیتے ہیں پہلے مخلوق اس کو چھوڑتی ہے پھر یہ مخلوق کو چھوڑتا ہے یعنی پھر مخلوق کو دل سے نکالنا اس پر آسان ہو جاتا ہے تو جس شخص کو مخلوق حقیر سمجھ رہی ہو (دین کی وجہ سے) اور اس کو اپنی نگاہوں سے گرا رہی ہو تو اسے شکر کرنا چاہئے کے بغیر اختیار کے اس کو بڑی نعمت عطا فرمائی گئی ہے جو مجاہدہ اختیاریہ سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اگر کوئی اپنے اختیار سے ایسا کام کرتا جس سے مخلوق کو ایذا پہنچے اور اس کی وجہ سے لوگ اسے حقیر سمجھنے لگیں تو یہ فعل مذموم ہوتا اور بجائے قرب کے اور دوری ہو جاتی لیکن غیر اختیاری طور پر اگر میاں کسی کے لیے یہ انتظام فرما دیں تو اسے خوش ہونا چاہئے کہ بھلے دن آ رہے ہیں اور اللہ کا فضل اس کی طرف متوجہ ہے، دل کو میاں اپنے لیے خالی کر رہے ہیں اس کے لیے دعا بھی کرتا رہے کہ اے اللہ مخلوق نے جس طرح مجھے اپنی نگاہوں سے گرا دیا ہے آپ مخلوق کو میری نگاہوں سے گرا دیجئے اور میرے دل سے اس کی وقعت نکال دیجئے اور اس سے میرے دل کو خالی کر دیجئے کہ بغیر اس حجاب کے میرا قلب آپ کو دیکھے۔ اے اللہ آپ کے سارے بندے مجھ سے اچھے ہیں اور میں سب سے برا ہوں لیکن آپ کیونکہ ان سے بھی اچھے ہیں اس لیے دل سے مخلوق کا انخلا کر رہا ہوں۔ دل کو مخلوق سے اللہ کے لیے خالی کرے کسی کو حقیر سمجھ کر نہیں۔ اللہ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ بندہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھے اور سب بندوں کو اپنے سے بہتر سمجھے۔ بندہ جتنا اپنی نگاہوں میں گرتا جاتا ہے اللہ کی نگاہوں چڑھتا جاتا ہے اور جتنا اپنی نگاہوں میں چڑھتا جاتا ہے اللہ کی نگاہوں میں گرتا جاتا ہے۔ یہ نزول عروج کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ یہ بات اہل

عقل کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اہلِ سائنس اور دنیا کے تمام عقلاء کے نزدیک اجتماعِ ضدین محال ہے ان کے نزدیک عروج کے ساتھ نزول اور نزول کے ساتھ عروج جمع نہیں ہوسکتا لیکن اللہ کی قدرۃ غالبہ کاملہ محال کو ممکن کردیتی ہے جیسے آنکھ کی کالی پتلی میں خزانۂ نور رکھ دیا حالانکہ سیاہی میں سفیدی کا وجود اور تاریکی میں نور کا وجود اہل عقل کے نزدیک ناممکن ہے۔ اسی طرح اس مثال مادی سے غیر مادی مثال بھی واضح ہوگئی کہ عروج ونزول بھی یکجا ہوسکتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ))

(مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ الاداب، بابُ الغضب والکبر، ص: ۴۳۴)

جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو بلند کردیتا ہے ایک ہم ہیں کہ چار نفل پڑھ لیے ذکر کرلیا اور رونا آگیا تو سمجھے کہ ولی ہوگئے اور ایک حضرت ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مصر کے لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت دعا کردیجئے کہ بارش ہوجائے پانی کی سخت قلت ہے فرمایا کہ ذوالنون کو مصر سے نکال دو کہ اس کی شامت اعمال سے اللہ کی مخلوق پریشان ہے اور یہ صرف زبان سے ہی نہیں کہا بلکہ خود مصر سے نکل گئے اور باہر جاکر دعا کی کہ اے اللہ ذوالنون نے مصر کو خالی کردیا اب آپ ابر کرم کو حکم دے دیجئے کہ پانی برسادے میری شامت اعمال کا اثر مخلوق پر نہ پڑے۔ اپنے نفس پر اس قدر بدگمانی رکھتے تھے اور صرف گمان ہی نہیں یقین تھا کہ میں ایسا ہی برا ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حضرات اللہ کے پیارے تھے اگر ان کے اخلاص وفنائیت وعبدیت اور ان کے نور خشیت کا ایک ذرہ ہمیں مل جائے تو ہماری ناپاک جانیں پاک ہوجائیں ۔ اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری نگاہوں میں حقیر کردیں۔ نفس اور شیطان کے کید سے محفوظ فرمادیں کہ شیطان مختلف طریقوں سے راستہ مارتا

ہے اور اگر اللہ کا خاص فضل شامل حال نہ ہوتو آدمی اس کی چالوں سے بچ نہیں سکتا۔کبھی کہتا ہے تم نے بڑے مجاہدے کئے ہیں تم تو بہت مقرب ہو گئے ،کبھی کہتا ہے کہ تم نے اپنے شیخ کی بہت خدمت کی ہے اور فلاں نے تو بہت کم کی ہے تم درجہ میں اس سے زیادہ ہو، کبھی کوئی دعا قبول ہوگئی یا کسی نے تمہارے امر بالمعروف کو قبول کر لیا تو کہتا ہے کہ اب تم مقبول بندے ہو گئے کہ دعا قبول ہونے لگی اور تمہاری باتوں میں اثر پیدا ہو گیا کہ لوگ تمہاری بات سے متاثر ہونے لگے ۔غرض طرح طرح سے راستہ مارنے کی کوشش کرتا ہے ہم لوگ اپنے ضعیف ایمانوں کی بدولت اس کے سامنے ایک بچے کی طرح ہیں اور وہ ایک خرانٹ ٹھگ ہے جس کے سامنے بچہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور جس طرح چاہتا ہے اسے ٹھگ لیتا ہے۔بس اگر اللہ کا خاص فضل شامل نہ ہوتو ہمیں لمحہ بھر میں گمراہ کر دے اسی لیے ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ شیطان سے میری پناہ مانگو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بغیر میری پناہ کے تم اپنے دست و بازو کی بدولت اس کے مکر و کید سے نہیں بچ سکتے اس لیے جب کوئی میلان دل میں پیدا ہو فوراً دعا مانگنی چاہیے يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔

پھر فرمایا کہ مخلوق کو نگاہ سے گرانے میں اور حقیر سمجھنے میں بہت باریک فرق ہے،اس میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔نگاہ سے گرانا تو یہ ہے کہ دل میں مخلوق کی کوئی وقعت نہ ہو قلب کو کسی سے علاقہ نہ رہے مخلوق کے تعلق پر اللہ کا تعلق غالب ہو جائے مخلوق کی نظروں میں معزز بننے کی یا خالق کی رضا کے مقابلہ میں مخلوق کی رضا کی فکر نہ ہو کہ لوگ ہمیں کیا کہیں گے مخلوق سے نظر بالکل اٹھ جائے اور خالق سے مل جائے یہ تو مخلوق کا نگاہوں سے گر جانا ہے لیکن یہ کہنا کہ میں لوگوں سے اچھا ہوں یا اب مقدس ہوں کہ مخلوق میرے قلب میں رہنے

کے قابل نہیں یا میرا قلب مخلوق کے قید و بند سے آزاد ہو چکا ہے یا میں تکمیل ولایت وقرب خداوندی کے لیے مخلوق جیسی حقیر چیز کا قلب سے انخلا کرتا ہوں۔ غرض دوسروں کے مقابلے میں اپنی ذرہ برابر برتری کا احساس یہ جرم ہے۔ پہلی حالت محمود ہے دوسری حالت مذموم۔ مطلب یہ ہے کہ قلب میں صرف اللہ رہے اور غیر نہ رہے، قلب کو غیر سے کوئی علاقہ نہ رہے اور یہ اس شخص کے لیے آسان ہو جاتا ہے جس کو مخلوق خود چھوڑ دیتی ہے اور اسے حقیر سمجھتی ہے ورنہ دوسری صورت میں قلب کو تمام علائق سے خالی کرنا اور اللہ سے تعلق کا جوڑنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ لوگوں کے حسن سلوک سے قلب کو ان کے ساتھ تعلق زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی یہ تعلق اللہ کے ساتھ محبت و تعلق میں حائل ہو جاتا ہے۔ برعکس وہ شخص کہ جس کا قلب تمام علائق سے خالی ہوتا ہے اس کا تعلق مع اللہ بہت قوی ہو جاتا ہے اس کی نظر مولیٰ کے علاوہ کسی پر نہیں ہوتی۔

اس کے بعد حضرت والا کی برکت سے حضرت والا کے اس مضمون کو احقر نے مندرجہ ذیل اشعار میں قلمبند کر لیا جس کو حضرت نے بہت پسند فرمایا (میرؔ)

نگاہ خلق سے گرنے کا غم ہو کیا مجھ کو
نظر سے خلق کو خود ہی گرا دیا میں نے

بسا ہے اب تو نگاہوں میں بس جمال ترا
حجاب غیر کو دل سے اٹھا دیا میں نے

مجھے بھی اپنا بنا لیجئے بہ فیض کرم
کہ اب تو آپ کو اپنا بنا لیا میں نے

نظر میں ہیچ ہے اب جوش و مستی صہبا
وہ جام غم میرے دل کو پلا دیا تو نے

۸ رشوال ۸۹ سنہ ۱۳ھ مطابق ۱۹ ردسمبر ۱۹۶۹ سنہ ء

حسنِ مجازی کی مثال چاند کے عکس سے

ارشاد فرمایا کہ حسنِ مجازی دراصل خزانۂ حسنِ نورِ حقیقی کی ایک شعاع عکس ہے۔ جو عکس کے پیچھے بھاگے گا وہ اصل سے دور ہوتا جائے گا جیسے چاند کا عکس ندی کے پانی میں پڑتا ہے تو جو شخص عکس پر عاشق ہو جائے گا اور پانی میں چاند کو ڈھونڈے گا تو چاند سے اور دور ہو جائے گا اور کچھ ہاتھ بھی نہ آئے گا سوائے مٹی اور کیچڑ کے کیونکہ چاند تو بلندی پر ہے اور عکس پستی میں۔ اگر چاند کو حاصل کرنا ہے تو عکس سے رخ موڑ کر سمت مخالف کی طرف رجوع کرنا پڑے گا نظر کو بلند کرنا پڑے گا ورنہ عکس کی طرف متوجہ رہا تو چاند سے بھی محروم رہا اور آخر میں ندامت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ یہی حال حسنِ مجازی کے عاشقین کا ہے کہ آج جن کمان ابرو اور تیرِ مژگاں پر فریفتہ ہو رہے ہیں اور شاعر جن پر غزلیات تیار کر رہے ہیں کل زوالِ حسن کے بعد ان کی تیرِ مژگاں کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ آنکھیں اب بھی وہی ہیں ابرو اور مژگاں بھی وہی ہیں پس اگر وہ حسن کسی کا ذاتی تھا تو اب کہاں چلا گیا۔ بات یہ تھی کہ یہ عکس پر فریفتہ ہو رہے تھے مرکز حسن حقیقی کی ایک شعاع مٹی پر پڑ رہی تھی جس نے مٹی کو حسین بنا دیا تھا تاکہ بندوں کو آزمائیں کہ کون مٹی پر عاشق ہوتا ہے اور کون وحی الٰہی کی اطاعت کرتا ہے۔ مرکز سے وہ شعاع حسن ہٹا لی گئی حسن مجازی کا زوال ہو گیا۔ اب معرِّف (تعریف کرنے والا) اور معرَّف (تعریف کیا گیا) دونوں نادم ہیں دنیا میں بھی کچھ نہ ملا اور اللہ کا غضب اپنے اوپر حلال کر لیا پس یہ فانی حسن التفات کے قابل ہی نہیں۔ اپنی روح کا رابطہ خالق حسن سے قائم کر لو محبت کے قابل صرف ان کی ذات ہے جس کو کبھی زوال نہیں۔ اگر عکس کی طرف

دوڑو گے تو اصل سے دوری ہوتی جائے گی اگر حسن مجازی کی طرف مائل ہو گے تو سرچشمۂ حسن و جمال یعنی حق تعالیٰ کی ذات پاک سے دوری ہوتی جائے گی اس لیے حکم ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ بدنظری کو اس لیے حرام فرما دیا کہ یہ پیش خیمہ ہے عشق کا۔ آنکھوں سے دیکھو گے تو مجاز کی طرف میلان کا ہونا لازمی ہے، اگر اس کے قریب ہو گے خواہ نظر سے یا دل سے یا جوارح سے تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اس وقت یہ مراقبہ کافی نہیں کہ یہ تو فانی شے ہے ایک دن مٹی ہو جائے گا اس وقت کوئی مراقبہ کام نہ آئے گا آگ کے پاس جاؤ گے گرمی پہنچ کر رہے گی، پٹرول آگ کے پاس جائے گا تو آگ جلا کر خاک کر دے گی یہاں صرف مراقبہ کافی نہیں ترک تعلق ضروری ہے لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اس شجر گندم منہی عنہ کے قریب بھی نہ جانا ورنہ تمہاری بشریت حسنِ گندم سے مغلوب ہو جائے گی۔ ہر شے کے اندر ایک خاصیت ہے وہ خاصیت اپنا اثر دکھاتی ہے جیسے آفتاب عین عروج پر ہو اس وقت کوئی شخص یہ مراقبہ کرے کہ شام کے وقت یہ غروب ہو جائے گا اور اس کی تمازت باقی نہ رہے گی لیکن آفتاب کے سامنے کھڑا رہے تو کیا ہوگا؟ اس مراقبہ کے باوجود تمازتِ آفتاب اس کو پہنچ کر رہے گی پسینہ چھوٹ جائے گا۔ معلوم ہوا کہ مراقبہ کافی نہیں ترک تعلق ضروری ہے۔ اس وجہ سے وحی الٰہی نے معصیت کے اسباب و مقدمات کو بھی حرام قرار دے دیا، اسباب معصیت کے قرب سے بھی ہمیں روک دیا ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جہاں پیٹرول کا ذخیرہ ہو وہاں آگ کی چنگاری بھی رہے۔ اگر چنگاری آئے گی تو آگ لگ جائے گی لہٰذا حق تعالیٰ نے آنکھوں کو نیچی رکھنے کا حکم دے دیا تا کہ کوئی مجازی حسن کے قریب ہی نہ جائے۔ انگارہ ہاتھ میں لے کر کوئی یہ مراقبہ کرتا رہے کہ یہ فانی ہے کوئلہ ہو جائے گا تو کیا اس مراقبہ سے آگ کی خاصیت بدل جائے گی اور ہاتھ نہ جلے گا؟ یہی وجہ ہے کہ قرب اسباب معصیت

سے منع فرما دیا گیا۔ ہاں جب انگارہ بجھ جائے اس وقت اس کو دیکھ کر یہ مراقبہ کر سکتے ہو۔ جب حسن بوڑھا ہو کر زوال ہو جائے تو اب دیکھ سکتے ہو کیونکہ انگارے میں اب جلانے کی خاصیت ہی نہ رہی اس لیے اس کا دیکھنا اب ناجائز نہیں۔

۱۰؍شوال المکرم ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۰؍دسمبر ۱۹۶۹ء، بعد عشاء

مولانا رومیؒ کے اِلہامی علوم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی کے علوم مولانا کی بزرگی و ولایت کی دلیل ہیں۔ جس کنویں سے پانی ابل رہا ہو اس کو دیکھ کر یہی کہیں گے کہ اس کا سوتہ بہت بڑا ہے اور اس کا تعلق سمندر سے ہو چکا ہے عجیب عجیب مثالوں سے اپنا مدعا ظاہر فرماتے ہیں کہ بات دل میں چبھ جاتی ہے۔ ایک جگہ دنیا کی مثال مگر مچھ سے دی ہے۔ مگر مچھ پانی سے سر نکال کر اپنا منہ کھول لیتا ہے سارا جسم پانی میں ہوتا ہے کھلا ہوا منہ باہر کر لیتا ہے اس کے بڑے بڑے دانتوں میں غذا کے ریشے اٹک جانے کی وجہ سے کیڑے پڑ جاتے ہیں کیڑوں کو دیکھ کر چڑیاں اس کے منہ میں آ کر بیٹھ جاتی ہیں سمجھتی ہیں کہ زمین کے کسی حصہ سے کیڑے نکل رہے ہیں جب بہت سی چڑیاں جمع ہو جاتی ہیں تو یک لخت منہ بند کر لیتا ہے اور سب چڑیوں کو نگل جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دنیا بھی مگر مچھ کی طرح ہے اس کے اوپر بسنے والے اپنے اپنے مزوں میں مگن ہیں کوئی ٹیلی ویژن میں کوئی شراب کباب میں کوئی روپیہ پیسا کمانے میں کہ اچانک ایک دن یہ منہ بند کر لیتی ہے اور قبر میں ہمیشہ کے لیے نگل جاتی ہے دنیا والے سمجھ رہے ہیں کہ ہمیں خوراک مل رہی ہے یہ خبر نہیں کہ خود خوراک بن چکے ہیں بس کچھ عرصہ کی دیر ہے۔

پھر فرمایا کہ دنیا مشقت کا گھر ہے یہاں کمانے کی بھی حاجت ہے پیشاب اور پاخانہ کی بھی حاجت ہے کلفت و غم سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے اور جنت عیش کا گھر ہے وہاں کوئی مشقت نہ ہوگی اور وہاں کی نعمتوں کی آب و تاب

ہر لحظہ ایک سی رہے گی کسی چیز میں زوال نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جنت میں نیند بھی نہیں آئے گی کیونکہ نیند سے تو آدمی اتنی دیر کے لیے لطف سے محروم ہو جاتا ہے اور جنت کی کسی نعمت میں انحطاط نہ ہوگا ہر لحظہ عیش قائم رہے گا، جنت میں ہر وقت آدمی عیش وعشرت میں مشغول رہے گا اور تھکن بھی نہیں ہوگی اس لیے وہاں نیند کی خواہش ہی نہ ہوگی دنیا میں تو مجاہدہ ومشقت کی وجہ سے انسان نیند کا محتاج ہے اور اس وجہ سے بھی یہاں نیند رکھی ہے تاکہ یاد رہے کہ یہ مشقت کا گھر ہے اور یہاں کی ہر چیز کو زوال ہے اور یہ کہ یہ نیند موت کا ایک نمونہ ہے اور یہ کہ عیش والے کو کچھ دیر کے لیے عیش سے محروم کر دیا جائے اور غمگین کو غم سے سکون مل جائے۔ نیند میں شاہ وگدا، آزاد واسیر سب ایک کر دیئے جاتے ہیں اور روزانہ موت کا نمونہ دکھا دیا جاتا ہے ؎

شب ز زنداں بے خبر زندانیاں
شب ز دولت بے خبر سلطانیاں

نیند قیدیوں کو قید خانے سے بے خبر کر دیتی ہے اور بادشاہوں کو اپنی سلطنت سے بے خبر کر دیتی ہے۔ یہ ہیں مولانا کے الہامی علوم جو ان کی بزرگی اور ولایت کبریٰ کی دلیل ہیں۔

۱۵؍شوال المکرم ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۵؍دسمبر ۱۹۶۹ء، بوقت اشراق
بمقام مسجد اشرف المدارس، ناظم آباد نمبر ۴ کراچی

ایک حسین شعر اور اُس کی شرح

آج اشراق کی نماز پڑھ کر حضرت والا نے برجستہ یہ شعر فرمایا جو اسی وقت وارد ہوا تھا ؎

گو ہوں گلِ افسردہ و متروکِ عنادل
لیکن ہیں عیاں مجھ سے ہی اسرار چمن کے

اور پھر اس کی یہ عجیب و غریب شرح بیان فرمائی کہ دنیا کی بہاروں سے دل کا افسردہ ہونا اور اہلِ بہارِ دنیا کا ایسے شخص کو متروک کر دینا کیا ہے؟

﴿وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝﴾

(سورۃ فصلت، آیت: ۳۵)

نہیں دی جاتی یہ نعمت لیکن بڑے صاحبِ نصیب لوگوں کو۔ اس لیے یہ افسردگی نعمت عظمیٰ ہے کہ اس شخص سے ناپائیداریِ چمن کے اسرار عیاں ہو رہے ہیں اور اس کی یہ افسردگی چمن کے گلہائے شگفتہ کو دعوت افسردگی دے رہی ہے کہ اے گلو! آج اس چمن میں افسردہ ہو جاؤ تا کہ اس کے بدلے میں تمہیں ایسی شگفتگی عطا ہو گی جس پر ایسے لاکھوں چمن قربان کئے جا سکتے ہیں یعنی مجاہدات سے اپنے جسم کو یعنی حرام تقاضائے نفس کو ویران کر لو تو دنیا ہی میں ایسی بالطف زندگی اور پھر ایسی حیات ابدی نصیب ہو گی جس پر ایک دنیا کیا، لاکھوں کروڑوں دنیائیں اور دنیا کی بہاریں قربان کی جا سکتی ہیں۔ گلِ افسردہ گلِ شگفتہ کے لیے باعث عبرت ہے کیونکہ آج جن گلوں کو اپنی شگفتگی پر ناز ہے وہ بھی ایک دن افسردہ ہو جائیں گے اور اس وقت بعد از خرابیٔ بسیار ان کی سمجھ میں آجائے گا کہ اگر ہم عین شبابِ شگفتگی میں افسردہ ہو جاتے تو خالقِ بہار حق تعالیٰ شانہٗ دائمی شگفتگی عطا فرماتے جس پر کبھی فنا نہ آتی اور اب ان کی شگفتگی ابدی افسردگی میں تبدیل ہو گئی اس لیے جو گل کہ آج بظاہر افسردہ ہے لیکن اس کی افسردگی میں لاکھوں چمن پوشیدہ ہیں، وہ صاحب اسرار ہے، جانِ چمن ہے، اس کی افسردگی چمنِ دنیا کے اسرار عیاں کر رہی ہے کہ دنیا کا یہ چمن ایک دن ایسے ہی افسردہ ہو جائے گا۔

میں نے لیا ہے داغِ دل کھو کے بہار زندگی
اک گل تر کے واسطے میں نے چمن لٹا دیا

ارشاد فرمایا کہ اس آیت کو لکھ لو:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ○﴾

(سورۃ طٰہٰ، آیت: ۷۴)

جو شخص آئے گا اپنے رب کے پاس مجرم اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا نہ جئے گا یعنی جو شخص حالت معصیت میں اپنے رب کے پاس آئے گا وہ جہنم میں زندگی اور موت کے درمیان شدید تکلیف میں مبتلا رہے گا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

تکلیف اور بیماری میں شکایت کا سبب خود کو بے قصور سمجھنا ہے

ایک انگریزی کالج کے طالب علم جو کسی بیماری میں مبتلا تھے آئے اور کہا کہ یہ بیماری بھی تو اللہ نے دی ہے حالانکہ میں کسی کو تکلیف بھی نہیں دیتا کسی کا نقصان نہیں کرتا سب کا بھلا چاہتا ہوں لیکن پھر بھی مبتلا ہوں۔

ارشاد فرمایا کہ کہ ہم لوگ اپنے آپ کو بے قصور سمجھتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

((كُلُّ ابْنِ اٰدَمَ خَطَّآءٌ))

(سننُ الترمذی، کتابُ صفۃ القیامۃ والرقائق، ج:۲،ص:۶۷)

تمام بنی آدم خطا کار ہیں، تم سب خطا کار ہو۔ اس ایک جملہ مبارک میں پوری امت مخاطب ہے مع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یعنی اس میں وہ بندے بھی شامل ہیں جو کسی مقام ولایت پر بھی فائز ہو چکے ہیں اور صحابہ سے بڑا ولی کون ہوگا وہ بھی مخاطب ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز کے استغفار فرماتے اے اللہ معاف فرمادیجئے۔ عبادت کی ہے نعوذ باللہ کوئی گناہ نہیں کیا اور نبی تو گناہ کر بھی نہیں سکتا معصوم ہوتا ہے فرشتے اس کی عصمت کی حفاظت پر مامور ہوتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے بعد معافی مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ آپ معاف فرمادیجئے کیونکہ آپ کی عظمت کے پیش نظر آپ کی عبادت کا حق

ادا نہ ہوا اور ایک ہمارا حال ہے کہ ہزاروں نافرمانیوں میں مبتلا ہیں لیکن سمجھتے ہیں کہ ہم بے قصور ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس وقت فرض کر لیجئے کہ حشر ہورہا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھ رہے ہیں کہ دنیا میں رہ کر ہماری محبت کا حق ادا کیا تھا تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہاں کیا تھا۔

دین سے دوری کا سبب ماحول نہیں، قلّتِ طلب ہے

پھر اس نے کہا کہ ہمارا ماحول ہی ایسا ہے کہ ہمیں دین کی حقیقت کا ہی پتہ نہیں کہ دین کیا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ کے سامنے یہ عذر چل سکتا ہے کہ صاحب ہمیں خبر ہی نہ تھی۔ کیا اتنی خبر آپ کو نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں پھر اگر دل میں تڑپ ہو اور آخرت پر یقین ہو تو اور اللہ کی عظمت دل میں ہو تو آدمی خود تلاش کرتا پھرے۔ جس چیز کو ہم اپنے لیے نفع بخش خیال کرتے ہیں اس کے لیے کیسی کیسی محنتیں کرتے ہیں۔ آپ جو یہ کتابیں لیے پھرتے ہیں تو کیوں؟ اسی لیے تو کہ آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے ایم اے کر لیا تو زندگی سنور جائے گی۔ اس لیے دن رات محنت کرتے ہیں، دماغ کھپاتے ہیں اور جو اس مضمون صنعت کا ماہر ہے اس کی خدمت میں لگتے ہیں اور اس سے سیکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ کی طلب ہے تو کچھ محنت کرنی پڑے گی کچھ وقت نکالنا پڑے گا اور دین کو بھی کسی دین والے سے سیکھنا پڑے گا۔ میاں وجہ یہ ہے کہ دنیا کی فکر ہے آخرت کی فکر نہیں اگر یہ فکر پیدا ہو جائے تو خود عقل آجائے گی کہ آخرت کیسے بنتی ہے، خود تدبیریں سوچو گے جیسے دنیا کی عقل آگئی ہے۔ سمندر کسی نے نہ دیکھا ہو لیکن سن لیا ہے کہ سمندر ہے تو طالب خود تلاش کرتا ہے، اپنے قدم اٹھا کر بس تک لے گیا ٹکٹ خریدے گا بس کا نمبر معلوم کرے گا تو سمندر کے لئے خود اتنی محنت کی، دین کے لیے چاہتے ہیں کہ کچھ محنت نہ کرنی پڑے حالانکہ دنیا کا حاصل کرنا مشکل ہے

دین کا حصول آسان ہے نماز میں ایک سجدہ کرنے میں کیا محنت کرنی پڑتی ہے ساری زمین مسجد بنا دی گئی کہ جہاں چاہو سجدہ کرو اور سلطنت کا لطف حاصل کرو، یہ سلطنت عام کر دی گئی لیکن ہم پھر بھی دین کو ھوّا سمجھتے ہیں اور دنیا کے لیے ماہرین فنون کے پاس بھاگے پھرتے ہیں روزانہ یا ہفتہ یا مہینہ میں کسی دن اللہ کو حاصل کرنے کے لیے کسی اللہ والے کے پاس جانے کی توفیق نہیں ہوتی۔

حزن وغم بھی رحمت وشفقت ہے

پھر فرمایا کہ بیماری اس لیے نہیں دی جاتی کہ تم پلنگ پر پڑ جاؤ یا پریشان ہو جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہیں فرماتے ہیں:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت:۲۸۶)

کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے بلکہ بیماری و پریشانی اس لیے دیتے ہیں کہ غفلت سے باز آجاؤ دل کا زنگ دور ہو اور مجبور ہو کر ہمارے پاس آجاؤ۔ حزن وغم بوجہ شفقت و محبت کے ہیں ہمارے ہی فائدہ کے لیے ہیں انتقام یا ایذا کے لیے نہیں ہوتے اور دنیا کے مصائب سے اگر بچنا چاہتے ہو تو اس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس آجاؤ۔ ایک یہودی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر چاروں طرف سے تیر آرہے ہوں تو ان سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ وحی آئی کہ اس سے کہہ دو کہ تیر چلانے والے کے پاس آکر کھڑا ہو جائے ؎

بلائیں تیر اور فلک کماں ہے چلانے والا شہنشہاں ہے
اسی کے زیر قدم اماں ہے بس اور کوئی مفر نہیں ہے

آخر خود سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا فائدہ ہے، اللہ تعالیٰ تو احتیاج سے پاک ہیں اگر ساری دنیا کافر ہو جائے تو ان کی سلطنت میں ذرہ برابر کمی نہیں آسکتی اور

ساری دنیا مومن ہو جائے تو ذرہ برابر ان کی سلطنت میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ کفر و نافرمانی میں تمہارا اپنا نقصان ہے اطاعت و فرماں برداری میں ہمارا اپنا نفع ہے۔ کسی حکیم یا ڈاکٹر کے لیے آپ کہہ سکتے ہیں کہ صاحب انہوں نے پیسے بنانے کے لیے مجھے ایسی دوا دی کہ مجھے فائدہ نہ ہوا مرض کو طول دے دیا۔ یہ بات بندوں کے لیے تو ٹھیک ہو سکتی ہے کہ بندوں کو احتیاج ہے غرض ہے اپنے فائدہ کے لیے وہ ایسا کر سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ہم سے نہ کوئی غرض ہے نہ احتیاج ہے کہ صاحب اپنی فلاں غرض اور احتیاج کے لیے ہمیں یہ مصیبت دی حالانکہ معلوم ہو چکا کہ ان کی ذات پاک اور ان کی سلطنت ہماری اطاعت و نافرمانی سے بے نیاز ہے۔ بس یہ بیماری وغیرہ ہمارے ہی نفع کے لیے، ہماری غفلت کو دور کرنے کے لیے بھیجی جاتی ہے کہ بندہ ہماری طرف رجوع کرے اور اپنی زندگی کے مقصد کو پہچانے ورنہ اگر کھانا پینا اور ہگنے موتنے ہی کو مقصد بنا لیا تو پھر انسان میں اور کتے اور جانور میں کیا فرق رہا، آدمی اگر اپنی زندگی کا مقصد نہیں پہچانتا تو کتے اور جانور اور تمام موجودات بلکہ ان سے بھی ذلیل اور بدتر ہو جاتا ہے کیونکہ آپ اگر پاؤ بھر کھاتے ہیں تو بھینس ۲۰ رسیر کھاتی ہے، آپ اگر آدھ سیر ہگتے ہیں تو ہاتھی دس سیر ہگتا ہے، آدمی اگر تین منٹ صحبت کرتے ہیں تو کتا گھنٹوں صحبت کرتا ہے۔ اسی طرح سوٹ بوٹ پہن کر اور پیڈ لگا کر اگر کندھوں کا اونچا کر کے چلتے ہو تو پہاڑ تم سے زیادہ بلند ہے، اگر اپنی جلد کی چمک اور سفیدی کو باعث فوقیت سمجھتے ہو تو شمس و قمر تم سے زیادہ روشن ہیں۔ غرض اس معیار پر تو انسان تمام موجودات سے ذلیل ہے۔ بظاہر سب موجودات سے تو انسان چھوٹا ہے لیکن کس چیز نے اسے ممتاز کیا وہ ہے دین، احکام شریعت جس کو جب اللہ تعالیٰ نے کوہ و دریا، زمین و آسمان پر پیش کیا تو بوجہ عاجزی ڈر کر اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اس بار کو اٹھا لیا۔ پس اگر انسان اس امانت

کی قدر نہیں کرتا تو جانور اور کتے سے زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کے اندر عقل وفہم ہے اور جانور اس سے خالی ہے اور دین تو نعمت ہے فرماتے ہیں:

﴿وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ﴾

(سورۃ المائدۃ، آیت: ۳)

میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ ہم نعمت کو زحمت سمجھتے ہیں۔ اگر شریعت بدنگاہی سے منع کرتی ہے تو یہ نعمت ہے کیونکہ بدنگاہی سے عشق پیدا ہو گا پھر معشوق کی گلی میں جائے گا اور پھر جوتے پڑ جاتے ہیں تو بدنگاہی سے اگر اللہ نے منع کیا تو ہمیں جوتے کھانے سے بچایا تو یہ نعمت ہے یا زحمت؟ اسی طرح اگر چوری سے منع کیا تو تمہارا ہاتھ کٹنے سے اور مخلوق میں رسوا ہونے سے بچایا۔ چور کی کیا کوئی عزت کرتا ہے؟ پھر خود سوچو کہ یہ نعمت ہے یا زحمت۔ اسی طرح زنا سے منع کیا تو اولاد کے نطفوں کی حفاظت کی کہ اولاد تمہاری رہے اور خون کی محبت قائم رہے اور بڑھاپے میں اولاد کام آئے ورنہ جہاں زنا عام ہو گیا وہاں دیکھ لو کیا حال ہے برطانیہ میں بوڑھے ماں باپ کے لیے یتیم خانے بنا دئے گئے آبادی سے دور۔ یہ اسی وجہ سے ہے کہ زنا اتنا عام ہو گیا کہ آپس کی محبت محسوس نہیں ہوتی۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ ...الخ کی تفسیر

پھر ان صاحب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کافروں کے قلوب پر مہر لگا دی اب وہ ہدایت نہیں پا سکتے تو ان کافروں کا کیا قصور ہے کیونکہ ان پر تو مہر لگ چکی۔

ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ترجمہ کسی عالم اللہ والے سے سمجھ کر نہیں پڑھتے وہ اسی لیے گمراہ ہو جاتے ہیں کہ کچھ کا کچھ سمجھ جاتے ہیں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ پڑھ کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ ظالم ہیں۔ جہاں یہ فرمایا کہ:

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾

(سورۃُ البقرۃ، آیت:۷)

اس کے کئی سیپاروں کے بعد اس آیت کی تشریح فرمادی کہ ہم نے کیوں مہر لگائی؟ فرماتے ہیں:

﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾

(سورۃ النسآء، آیت:۱۵۵)

کہ ہم نے مہر لگادی ان کے قلوب پر ان کے کفر کی وجہ سے۔ انہوں نے دین کی نعمت کو زحمت سمجھا اور نافرمانی وسرکشی اختیار کی اور من مانی زندگی گذاری اور طے کرلیا کہ ہمیں ایمان لانا ہی نہیں ہے یہاں تک کہ اس طغیانی وسرکشی کی وجہ سے ان کی صلاحیت ہدایت ختم ہوگئی اور ان کے قلوب پر مہر لگا دی گئی کہ جاؤ اب ہدایت نہیں پاسکتے کیونکہ خود تم نے طے کیا کہ ہم اسی طرح سرکشی ونافرمانی کرتے رہیں گے اس وجہ سے محروم کردیئے گئے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کا لڑکا حد سے زیادہ نافرمان ہو باپ چاہتا ہے کہ وہ فرمانبردار ہوجائے لیکن جب اس کی نافرمانیاں حد سے گذر گئیں تو باپ کہتا ہے کہ تجھے جائداد کی وراثت سے محروم کرتا ہوں۔ تو کیا باپ نے اس پر ظلم کیا؟ بس اگر باپ ظلم نہیں کرسکتا تو کیا اللہ تعالیٰ ظلم کرسکتے ہیں، وہ تو ظلم سے پاک ہیں۔ اور ان کی سابقہ نافرمانیوں کی وجہ سے ان کے قلوب کو محروم کردیا گیا۔ یہی تفسیر ہے اس آیت کی۔

۱۸؍شوال ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۸؍دسمبر ۱۹۶۹ء

ولایت کے اعلیٰ ترین مقام سے روکنے کا شیطانی حربہ

احقر راقم الحروف پر حالت قبض طاری تھی اور مایوسی کی کیفیت تھی کہ میرے اعمال تو بڑے خراب ہیں میں اللہ سے قرب اور ولایت خاصہ کیسے مانگوں؟ فرمایا کہ اللہ سے ولایت کا اعلیٰ ترین مقام صدیقیت مانگو کہ اے اللہ

حضرت صدیق اکبر کی صدیقیت سے ایک ذرہ مجھے بھی عطا فرما دیجئے۔ اپنی صلاحیت پر نظر نہ کرو اللہ کے فضل و رحمت پر نظر رکھو کہ وہ فضل فرماتے ہیں تو خود صلاحیت پیدا فرما دیتے ہیں، وہ صلاحیت کے محتاج نہیں۔ شیطان ایسے وقت میں جب یہ دیکھتا ہے کہ اس مانگنے کی بدولت کہیں یہ کسی اعلیٰ مقام ولایت پر فائز نہ ہو جائے تو وہ دعا کے وقت عمل کو سامنے کر دیتا ہے کہ تیرے اعمال تو ایسے ایسے ہیں تو نے گناہوں سے اپنے قلب کی صلاحیت ہی تباہ کر دی اب تو کسی مقام ولایت پر فائز نہیں ہوسکتا تو سمجھ لو کہ یہ وسوسہ شیطانی ہے وہ جب دیکھتا ہے کہ اس بندہ کو حق تعالیٰ اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اس کی ولایت کو میں روک نہیں سکتا تو چاہتا ہے کہ ولایت مل جائے لیکن گھٹیا درجہ کی ملے اعلیٰ درجہ کی ولایت سے یہ محروم رہے جیسے کسی کو نوکری مل رہی ہو تو حاسد چاہتا ہے کہ چلو اگر نوکری مل ہی رہی ہے ۵۰۰/روپے کی ملے ۱۰۰۰/روپے ماہانہ کی نہ ملے، اس کی تدبیر کرتا ہے۔ ایسے ہی شیطان اعلیٰ درجہ کی ولایت سے محروم کرنے کے لیے یہ تدبیر کرتا ہے کہ بوقت دعا اس کے اعمال سامنے کر دیتا ہے کہ تو نے ایسے برے کام کئے ہیں کس منہ سے اتنی اعلیٰ بات مانگ رہا ہے تیرا دل تو تباہ ہو چکا ہے اب اس مقام صدیقیت کے قابل ہی نہیں رہا اس لیے ایسی دعا مانگنے سے کیا فائدہ۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ تو سمجھنا چاہیے کہ یہ مثال دنیا کی ہے۔ دنیا کے معاملات میں ہمارا منہ چھوٹا اور بات بڑی ہوسکتی ہے لیکن اللہ کے لیے بڑی سے بڑی بات بھی چھوٹی سے چھوٹی ہے اور یہ خیال کہ گناہوں سے ہماری صلاحیت ختم ہوگئی اور دل تباہ ہو چکا ہے یہ وسوسہ بھی غلط ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ ہمارے تباہ شدہ دل کی تشکیل و تعمیر پر قادر نہیں ہیں۔ بے شک گناہوں سے دل بالکل تباہ ہوگیا ہے لیکن حق تعالیٰ اس کی از سر نو تشکیل پر قادر ہیں کہ وہ اس کو اپنے اعلیٰ ترین قرب کے قابل بنانے پر پوری قدرت

رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت جباریت ہے جس کے معنی ہیں ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا۔ ہم لوگ ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑتے ہیں تو گرہ رہ جاتی ہے وہ ایسا جوڑتے ہیں کہ گرہ بھی نہیں رہتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کبھی شکستہ ہی نہ تھا اس لئے گناہوں سے ختم شدہ صلاحیت اور تباہ شدہ دل کو وہ ایسا جوڑ سکتے ہیں کہ جیسے یہ کبھی تباہ ہی نہ ہوا تھا اور کبھی گناہ ہی نہ کیا تھا۔ اگر نجاست یہ کہنے لگے کہ میرے اندر تو کوئی صلاحیت ہی نہیں میں کیا مانگوں تو یہ اس کی حماقت ہے، حق تعالیٰ کا آفتاب کرم اپنی شعاعوں کو اس نجاست سے نہیں ہٹاتا اس کی شعاعیں نجاست سے پلید نہیں ہوتیں، وہ نجاست سے اعراض نہیں کرتا۔ کہ میری شعاعیں پاک چیزوں پر پڑیں ناپاک پر نہ پڑیں۔ آفتاب کی شعاعیں اسی نجاست کو سبزہ اورنور بنادیتی ہیں (اپلا تنور میں نور ہوجاتا ہے اور کھاد سے سبزہ اگ جاتا ہے) اب کوئی اس سبزہ وگلزار کو یہ کہہ سکتا ہے کہ تو پہلے پاخانہ تھا یا اس نجاست میں کوئی صلاحیت تھی۔ بس حق تعالیٰ سے مایوسی کی کوئی صورت نہیں ہے، ان کا کرم عام ہے۔ بس مانگتا رہے کہ اے آفتاب کرم! اپنی کرم کی ایک شعاع اس عبد عاصی پر بھی ڈال دیجئے، اے بحر کرم اپنے کرم کا ایک قطرہ اس گنہگار کو بھی عطا فرمادیجئے اے خالق بہار کائنات ہمارے خزاں رسیدہ دل یعنی گناہوں سے خزاں رسیدہ دل کو اپنی نسیمِ بہارِ قرب سے زندہ فرمادیجئے اور اپنی صفت جباریت کا ایک پرتو میرے قلب کی تباہ شدہ صلاحیت پر بھی ڈال دیجئے اے اللہ اس دل کو اپنی محبت کے قابل بنا دیجئے یعنی تمام اخلاق رذیلہ سے پاک فرمادیجئے، وہی دل اللہ کے پیار کے قابل ہوتا ہے جس میں کوئی خلق رذیلہ نہیں رہتا۔ تو ہم ایک ایک خلق کا نام کہاں تک لیں اس ایک جملہ میں تمام اخلاق رذیلہ سے نجات کی دعا ہوگئی۔ اور یوں بھی مانگے کہ اے اللہ آپ نے فرمایا ہے کہ:

﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾

(سورۃُ الشوریٰ، آیت: ۱۳)

کہ آپ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اے اللہ آپ کی اس آیت پاک کا صدقہ کہ مجھے اس مَنْ میں شامل فرمالیجئے آپ کا یہ من تو دونوں عالم اور جو کچھ ان میں ہے سب کے لیے کافی ہے اے اللہ اپنے کرم سے مجھے بھی اپنی طرف جذب فرمالیجئے اور جس کو آپ جذب فرماتے ہیں وہ کبھی مردود نہیں ہوسکتا اور آپ کے دست و بازو جس کو اپنی طرف کھینچیں گے پھر شیطان و نفس اور ساری دنیا بھی اس کو اپنی طرف کھینچنا چاہے تو آپ کے دست و بازو کے مقابلہ میں کوئی اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا۔ مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ مجذوب مردود نہیں ہوتا شیطان صرف سالکِ محض تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف جذب نہ فرمایا تھا اس وجہ سے مردود ہوگیا اس لیے سلوک کے ساتھ جذب ہونا ضروری ہے۔

بعد تقریر کے احقر سے فرمایا کہ حوصلہ پیدا ہوا مایوسی دور ہوئی؟ فرمایا کہ اس تقریر کے بعد جس کو حق تعالیٰ اپنا بنانا چاہیں گے تو اسے اپنے قرب کا اعلیٰ ترین مقام مانگنے کی توفیق عطا فرمادیں گے اور جس کو یہ توفیق نہیں ہوگی تو میں سمجھوں گا کہ اس کو میاں اپنا بنانا نہیں چاہتے اور مقام صدیقیت نہیں دینا چاہتے۔ شیطان اعمال دکھا کر دعا مانگنے سے روکتا ہے اور مایوس کرتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ کی طرف سے تخت و تاج تقسیم ہورہا ہو کہ جس کا جی چاہے لے لے تو کوئی چمار اس وقت شاہ کی خدمت میں اپنی چماریت پیش کردے کہ کیونکہ میں چمار ہوں اس وجہ سے تخت و تاج نہیں لے سکتا، میں تخت و تاج کے قابل نہیں ہوں تو شاہ یہی کہے گا کہ اچھا جا چمار ہی بنا رہ، ہم نے تو ہر خاص و عام کے لیے اعلان کردیا تھا کہ جس کا جی چاہے لوٹ لے ہماری نعمت عام ہورہی ہے تو ایسے وقت اپنی صلاحیت پر نظر کرنا نعمت کی ناقدری ہے اور بادشاہ کی قدرت کاملہ پر خفیف ہونے کا گمان لازم آتا ہے کہ وہ اس پر قادر نہیں کہ بروں کو بھی اپنا بنالے۔ پس حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کسی کی صلاحیت کی محتاج نہیں

ہے مانگنے والا چاہیے، انہوں نے اپنی نعمت کو ہر خاص و عام کے لیے عام کر دیا۔

بہ لطف آں کہ وقفِ عام کردی

جہاں را دعوت اسلام کردی

اس تقریر کے بعد نعمت کے عام ہونے کا یقین آ جانا چاہیے ورنہ محروم رہو گے اور فوراً دعا مانگنی شروع کر دینی چاہیے کیونکہ جب نعمت تقسیم ہو رہی ہو اس وقت اس کے حصول میں سستی کرنا نعمت کی بے قدری ہے بلکہ نعمت کی جھلک دیکھتے ہی دوڑ کر لے لینا چاہیے جس سے حق تعالیٰ خوش ہوں کہ بندہ ہماری نعمتوں کا حریص ہے جیسے بھوکے کو کوئی ٹکڑا دکھاوے تو کیسا دوڑ کر جائے گا اللہ کی نعمتوں کو سن کر بندہ کا یہی حال ہونا چاہیے ورنہ لازم آئے گا کہ وہ نعمت کا حریص نہیں ہے۔ اس لیے خوب گڑگڑا کر یہ دعا مانگا کرو کہ اے اللہ حضرت صدیق اکبر کی صدیقیت سے ایک ذرّہ ہمیں بھی عطا فرما دیجئے۔ معلوم ہے وہ ذرہ کیا ہوگا؟ اس کی وسعت کی تھاہ نہیں وہ ایسا ذرّہ ہے۔ اس دعا کا معمول بنا لینا چاہیے۔

قوتوں میں ضعف کے بعد بھی عبادت کا پورا اجر ملتا ہے

ایک بوڑھے صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ضعف کے باعث اب نہ زیادہ تلاوت ہوتی ہے نہ ذکر جیسے پہلے کرتا تھا اب نہیں ہوتا، افسوس ہوتا ہے کہ اب مجھے کیا ثواب اور قرب ملے گا۔

ارشاد فرمایا کہ بڑھاپے میں قوتوں کے زوال پر بھی مزدور کو وہی مزدوری ملتی ہے اگرچہ پہلے ایک من وزن اٹھاتا تھا اور اب دس سیر اٹھاتا ہے اس عطا میں کمی نہیں آتی کیونکہ دینے والا نہیں بدلتا ہماری قوتوں میں تغیر آتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات متغیر نہیں ہوتی۔ اس لیے قوتوں میں ضعف کے بعد اگر پہلے سا ذکر و تلاوت نہیں ہوتی تو بھی پورا اجر ضرور ملے گا۔

غیر اللہ سے دل کی حفاظت کا ایک وظیفہ

ہندوستان سے ایک رئیس مہمان آئے ہوئے تھے تو حضرت والا نے احقر راقم الحروف سے فرمایا کہ میرے شیخ فرماتے تھے کہ جب کوئی امیر مہمان ہوتو یا مغنی پڑھتے رہو تا کہ دل ان کی امیری و مال کی طرف مائل نہ ہو۔

بیت اللہ کا مزہ اور خصوصی انوار و برکات کس کو حاصل ہوتے ہیں؟

ارشاد فرمایا کہ جس کا دل بیت اللہ ہوتا ہے یعنی جس کے دل میں اللہ ہوتا ہے اس کو ہی بیت اللہ میں مزہ آتا ہے، اس کو بیت اللہ میں انوار و برکات نظر آتے ہیں ایسا شخص آفاق عالم میں کہیں بھی ہوتو ہر وقت با خدا رہتا ہے۔ دل کے بیت اللہ ہونے سے مراد ہے جو دل ہر وقت با خدا رہتا ہے اور جس کا دل بیت اللہ نہیں اس کو بیت اللہ میں بھی کچھ نظر نہیں آتا، اس کو خصوصی انوار و برکات حاصل نہیں ہوتے۔ میں نے ایسے شخص بھی دیکھے ہیں کہ حرم کے اندر سگریٹ پی رہے ہیں۔ طواف نہیں کیا جاتا مکہ میں ایسے پھر رہے ہیں جیسے سیاحت پر آئے ہوئے ہیں، خرید و فروخت میں لگے ہوئے ہیں، ملتزم پر ہیں لیکن رونا نہیں آرہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے دل کی آنکھیں نہیں بنائیں۔ اس لیے حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ صاحب نسبت ہوکر حج کو جائے تو حج کا مزہ ہے۔

قرب کا مدار اعمال اختیاریہ پر ہے اعمال غیر اختیاریہ پر نہیں

رونے سے مراد ہے کہ رونے والوں کا سامنہ بھی نہیں بنا رہے تھے کیونکہ رونا تو ایک فعل غیر اختیاری ہے لیکن رونے والوں کی شکل بنا لینا اختیاری ہے اور قرب اعمالِ اختیاریہ پر موقوف ہے اَلتَّبَاکِیْ کَالْبَاکِیْ بہ تکلف رونے والا بھی رونے والا ہی ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ جس کو رونا نہ آئے وہ قرب سے محروم ہے اس کو دین کی سمجھ نہیں بلکہ وہ شخص محرف دین ہے کیونکہ ایسا شخص اعمال

غیر اختیاریہ کو قرب کا موقوف علیہ بتا رہا ہے حالانکہ جس کو رونا نہیں آتا اس کا دل روتا ہے کہ ہائے مجھے رونا نہیں آ رہا، یہ افسوس ہی دل کا رونا ہے۔ اس کو حاجی صاحب فرماتے ہیں ؎

روتی ہے خلق میری خرابی کو دیکھ کر
روتا ہوں میں کہ ہائے مری چشم تر نہیں

ایک شخص خوب رو رہا ہے لیکن دل میں عجب و کبر پیدا ہو گیا کہ آج میرا درجہ فلاں شخص سے بڑھ گیا ہو گا کیونکہ میں خوب رو رہا ہوں اور دوسرے شخص کو رونا نہیں آیا اور اس شخص کا دل رو رہا ہے کہ ہائے مجھے رونا بھی نہیں آتا فلاں شخص مجھ سے اچھا ہے کہ کیسا رو رہا ہے۔ یہاں نہ رونے والا قرب اعلیٰ پر فائز ہے اور رونے والا قرب اسفل پر ہے۔ لہٰذا اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ قرب اعمال اختیاری پر موقوف ہے اعمال غیر اختیاریہ کو اس میں دخل نہیں۔

شیطان کی ایک بہت بڑی چال سے نجات

ارشاد فرمایا کہ شیطان بڑا چال باز ہے یہ طرح طرح سے راستہ مارتا ہے۔ گناہ کرنے سے پہلے گناہ کو چھوٹا دکھاتا ہے تاکہ آدمی گناہ کر لے اور گناہ کے بعد گناہ کو بڑا دکھا کر اللہ تعالیٰ سے مایوس کرتا ہے کہ آدمی گناہ کر کے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں رو نہ سکے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ رونے سے اس کو پہلے سے زیادہ قرب نصیب ہو جائے گا اس لیے اگر کبھی گناہ ہو جائے تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں فوراً اللہ تعالیٰ سے رجوع کر لو اور سجدہ گاہ کو آنسوؤں سے تر کر دو۔ اگر آدمی بار بار جسم میں نجاست لگالے اور سمندر کے قریب اس لیے نہ جائے کہ شرم آتی ہے کہ سمندر بھی کیا کہے گا کہ یہ بار بار نجاست لگا آتا ہے۔ کیا اس کے بار بار نجاست لگا کر آنے سے سمندر پر اس نجاست کا کوئی اثر پڑے گا؟ سمندر تو یہی کہے گا آتو سہی ہماری ایک موج تیری ساری نجاستوں کو دھونے کے لیے

کافی ہے اور ہمارے اوپر تیری نجاستوں کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ سمندر مخلوق ہے۔ مخلوق میں اللہ نے یہ صفت رکھ دی تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفات کو کیوں محدود سمجھتے ہو۔ اس لیے کیسا ہی گناہ ہو جائے کبھی حق تعالیٰ سے مایوس نہ ہونا چاہیے، بس توبہ و استغفار کرلو پاک ہو جاؤ گے۔ ہاں جو لوگ سمندر سے دور ہیں وہ خطرے میں ہیں کہ ان کی نجاست کبھی دور نہ ہوگی۔

احقر کے ایک شعر پر حضرت والا کی کیف انگیز تشریح

احقر راقم الحروف کے اس شعر کو سن کر حضرت والا پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔

اب رگِ جاں دے رہی ہے دعوتِ دار و رسن
آ رہی ہے جان میں خوشبوئے جانانہ مجھے

بہت دیر تک بڑی رقت اور درد کے ساتھ اس شعر کو گنگناتے رہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت محمد حسین الٰہ بادی کی جان نکل گئی تھی ایک شعر پر۔ بڑا خطرناک شعر کہا ہے آپ نے۔ فرمایا کہ شاید آپ کو بھی شعر کہتے وقت اس کا احساس نہ ہوا ہو کہ دار پر رگِ جان ہی دبائی جاتی ہے۔ رگِ جاں کا دار و رسن کو دعوت دینا کیا معنی خیز ہے اور لطف انگیز ہے۔ مراد ہے کہ جان اللہ کے راستہ کی ہر مشکل اٹھانے کو تیار ہے۔

۱۲ر صفر المظفر ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹ر اپریل ۱۹۷۰ء
بمقام ۴ جی ۱/۱۲ ناظم آباد کراچی

غارِ حرا کا حاصل

ارشاد فرمایا کہ غارِ حرا کا حاصل کیا تھا؟ خلوت مع الحق اور انقطاع عن الخلق۔ تعلق مع اللہ کے حصول کے لیے خالی انقطاع عن الخلق بھی کافی نہیں اس انقطاع کے ساتھ خلوت مع الحق بھی ضروری ہے۔ ورنہ اگر خلق سے تو انقطاع

ہے لیکن دل غیر اللہ میں مصروف ہے یا تنہائی میں نامحرم کے ساتھ بیٹھا ہے تو یہ خلوت مع الحرام ہے، تو اس انقطاع عن الخلق کے باوجود تعلق مع اللہ نصیب ہونا ناممکن ہے کیونکہ خلوت مع الحق میسر نہیں ۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ہم کو نامحرموں کے ساتھ تنہا بیٹھنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

ایک مسنون دُعا کی تلقین

ارشاد فرمایا کہ یہ دعا مانگئے اَللّٰھُمَّ لَا تَنْزِعْ مِنِّیْ صَالِحًا مَّا اَعْطَیْتَنِیْ اے اللہ! نہ چھین لیجئے (بہ سبب میرے گناہوں کے) مجھ سے وہ بھلائیاں جو آپ نے عطا فرمائی ہیں ۔

اے خدائے با عطا و با وفا
رحم کن بر عمر رفتہ بر جفا

روحانی نشوونما کی ایک مثال

ارشاد فرمایا کہ درخت اس وقت پھولتا ہے جب کہ اس میں داخلی گرمی بھی ہو اور خارجی گرمی بھی ہو۔ خارجی گرمی تو آفتاب سے پہنچتی ہے اور داخلی گرمی کے لیے اس کی جڑوں میں کھاد دیا جاتا ہے۔ اگر داخلی اور خارجی دونوں حرارتوں میں سے اگر ایک حرارت بھی نہ ملے تو درخت کا نشوونما نہیں ہوسکتا، اس درخت میں پھل پھول نہیں آسکتے، دونوں قسم کی گرمی ضروری ہے۔ اسی طرح سالک کے لیے بھی داخلی گرمی اور خارجی گرمی کی ضرورت ہے۔ داخلی گرمی تو ذکر اور پابندی معمولات سے حاصل ہوتی ہے اور خارجی گرمی کے لیے ضروری ہے کہ آفتاب ولایت کی معیت حاصل ہو یعنی صحبت شیخ نصیب ہو، جب تک آفتاب نبوت موجود ہے اس وقت روح کو خارجی گرمی اس کی صحبت سے حاصل ہوگی اور آفتاب نبوت کے مستور ہو جانے کے بعد آفتاب ولایت

سے حرارت خارجی حاصل ہوگی۔ بغیر اس کے قلب وروح کا نشوونما ناممکن ہے، خیر القرون میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو آفتاب نبوت سے یہ خارجی حرارت حاصل ہوتی تھی اور یہ اسی آفتاب کا فیض ہے کہ اب قیامت تک کوئی ولی صحابہ کے مقام کو نہیں پا سکتا۔ داخلی حرارت حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ میں بدرجۂ اتم موجود تھی لیکن آفتاب نبوت سے براہِ راست فیض یاب نہ ہونے کی وجہ سے مقام صحابیت حاصل نہ ہوسکا۔ اسی طرح اگر کوئی شیخ کامل کی صحبت میں رہتا ہے لیکن ذکر و معمولات اور اعمالِ صالحہ کی پابندی نہیں کرتا تو بھی اس کی روح کا نشو ونما نہیں ہوسکتا، اس کی جان کے درخت میں پھل پھول نہیں لگ سکتے یعنی اس کی جان باخدا نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ خارجی گرمی تو حاصل کر رہا ہے لیکن داخلی گرمی سے محروم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ذکر و معمولات کی پابندی کرتا ہے لیکن آفتاب ولایت کی شعاعوں سے محروم ہے یعنی شیخ کامل کی صحبت اختیار نہیں کرتا تو اس کو بھی کامیابی نہیں ہوسکتی کیونکہ روح کے درخت کو خارجی گرمی نہیں مل رہی ہے۔ پس چند دن کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر ذکر و مجاہدات کرلو پھر دیکھنا کہ ایک مدت کے بعد روح کا درخت کیسا پھلتا پھولتا ہے کہ قرب حق کی ایسی لذت محسوس ہوگی کہ اس کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں مل سکتے۔

طالبِ جاہ کو اللہ نہیں مل سکتا

ارشاد فرمایا کہ کبھی شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ آج محنت و مجاہدہ کرلو ایک دن تم بھی شیخ ہوجاؤ گے تمہارے پاس بھی مخلوق دعا کرانے آئے گی تمہارے مکان کے سامنے بھی کاریں کھڑی ہوں گی، لوگ آگے پیچھے پھریں گے۔ یہ خیال اللہ تعالیٰ کے راستہ کا بہت بڑا بت ہے۔ جس کے دل میں اللہ کے علاوہ کوئی اور طلب ہوگی اسے کبھی اللہ نہیں مل سکتا کیونکہ یہ شخص اللہ کا طالب نہیں ہے جاہ کا طالب ہے، مولیٰ کو بھی چاہ رہا ہے اور غلاموں کی بھی طلب ہے، اسے

مولیٰ نہیں مل سکتا کیونکہ اس نے مولیٰ کو نہ پہچانا۔ اگر مولیٰ کی معرفت وعظمت اس کے قلب پر منکشف ہو جاتی تو غلاموں کی عظمت بھلا دل میں رہ سکتی تھی؟ جس کے پاس ایک لاکھ روپے کا نوٹ ہو اور وہ آٹھ آنے کی تمنا کرے تو کہا جائے گا اسے ایک لاکھ روپے کی معرفت نہیں، خالق مل رہا ہو اور مخلوق کی تمنا کرے تو یہ شخص غیر عارف ہے۔ خالق کے ملتے ہوئے مخلوق کی تمنا کرنا معرفت کے خلاف ہے۔ اس کو حق تعالیٰ نہیں مل سکتے۔ بادشاہ اور بھنگیوں کی دعوت ایک دسترخوان پر نہیں ہوسکتی یا تو بادشاہ ہی کو بلالو یا بھنگیوں ہی کو بلالو۔ بادشاہ کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ بھنگیوں کو بھی مقام عظمت دیا جائے۔ تو جس دل میں خالق کی طلب کے ساتھ مخلوق کی طلب شامل ہوگی اسے خالق کی معیت نصیب نہیں ہوسکتی کیونکہ اس نے اللہ کو پہچانا ہی نہیں۔ عارف کو سوائے خدا کے کچھ مطلوب نہیں، وہ جانتا ہے کہ اگر اللہ مل گیا تو سب کچھ مل گیا۔ وہ تو یوں کہتا ہے ؎

جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری
اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری

جس کو اللہ مل جائے اس کو اور کیا چاہیے۔ اگر اللہ مل گیا اور فرض کرلو کہ مخلوق نہیں ملی تو کیا نقصان ہے۔ ہاں مخلوق تو واہ واہ کررہی ہو اور اللہ کا فضل متوجہ نہ ہو تو کیا وہ شخص کامیاب ہے؟ پس صرف اللہ سے اللہ کو مانگو گوشۂ گمنامی کو دل سے محبوب رکھو، اگر گمنام رہنا دل کو پسند آ گیا تو سمجھ لو کہ ایمان ہے ورنہ نفاق کا خطرہ ہے۔ دل کی گہرائیوں میں جاہی اور باہی دونوں قسم کے بتوں کو تلاش کرتے رہو اور جہاں ان کا سراغ ملے فوراً توڑ ڈالو یعنی اللہ کے سامنے خوب گڑگڑا کر توبہ کرو کہ اے اللہ اگر میرے دل کی گہرائیوں میں کہیں آپ کی طلب کے علاوہ کچھ اور بت چھپے ہوئے ہیں تو اے اللہ آپ ان کو میرے دل سے نکال دیجئے جس طرح کعبہ سے آپ نے تین سو ساٹھ بت نکال دئے تھے، اے اللہ یہ دل بھی

آپ کا گھر ہے اے اللہ آپ اپنے اس گھر کو بھی ہر قسم کے بتوں سے پاک فرما دیجئے۔ اے اللہ میری نظر سے تو میرے دل کے بت پوشیدہ ہو سکتے ہیں لیکن اے اللہ آپ علیم بذات الصدور ہیں آپ اپنے فضل سے میرے دل کے ریزہ ریزہ کو پاک فرما دیجئے۔ اے اللہ اگر آپ مل گئے تو سب کچھ مل گیا۔ اور اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ سب کچھ مل جاوے لیکن آپ نہ ملیں۔ اے اللہ میرے دل کو اپنے لیے خاص فرما لیجئے اور مجھے اخلاص کی دولت عطا فرما دیجئے۔

آیت رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا ...الخ پر ایک الہامی علم

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۝﴾

(سورۃ الشعرآء، آیت: ۸۳)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ محض زیادت علم مطلوب نہیں بلکہ زیادت علم اس وقت نعمت ہے جب الحاق بالصالحین کے ساتھ ہو اور یہ الحاق بالصالحین عقائد میں ہو اعمال میں احوال میں ہو اقوال میں ہو ورنہ محض زیادتی علم تو شیطان کو بھی حاصل تھی لیکن الحاق بالصالحین نہ تھا اس وجہ سے اس کی زیادتی علم اس کی گمراہی کا ذریعہ ہوگئی۔ (یہ علم بیت اللہ میں عطا ہوا)

آیت يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا کی تفسیر

حضرت ابوذر غفاری اس حدیث کے راوی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۝﴾

(سورۃ الزلزال، آیت: ۴)

اس دن زمین بیان کرے گی اپنی خبریں تو صحابہ سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ یہ خبریں بیان کرنا کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ اللہ و رسول زیادہ جانتے ہیں۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفسیر بیان فرمائی کہ زمین کا

خبریں بیان کرنا یہ ہے کہ زمین کی پیٹھ پر جو اعمال کئے جارہے ہیں زمین اس کی گواہی دے گی۔ (الحدیث)

علم اور خشیت لازم وملزوم ہیں

ارشاد فرمایا کہ کوئی لازم اپنے ملزوم سے منفک نہیں ہوسکتا، برف کے لیے برودت لازم ہے اور نار کے لئے حرارت لازم ہے۔ اگر کہیں آگ جل رہی ہو لیکن اس میں گرمی نہ ہو تو کہیں گے یہ آگ نہیں۔ اسی طرح اگر کہیں برف رکھی ہو اور اس میں ٹھنڈک نہ ہو تو کہیں گے کہ یہ برف نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ لازم و ملزوم کا انفکاک وانفصال محال ہے۔ پس جس طرح آگ کے لیے حرارت لازم ہے اور برف کے لیے برودت لازم ہے اسی طرح علم کے لیے خشیت لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ﴾

(سورۃ الفاطر، آیت:۲۸)

اِنَّمَا کے ساتھ حصر فرمادیا، خشیت محصور ہے علم کے ساتھ، خشیت صفت لازمہ ہے علم کی۔ پس جس عالم میں خشیت نہ ہو وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں، اس کے اندر علم نہیں۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ الخ اگرچہ جملہ خبریہ ہے لیکن ہر جملہ خبریہ میں جملہ انشائیہ پوشیدہ ہوتا ہے جیسے کسی نے کہا کہ دیکھو یہاں سانپ ہے تو اگرچہ یہ جملہ خبریہ ہے لیکن اس میں جملہ انشائیہ داخل ہے کہ سانپ سے بچو۔ اب اگر کوئی اس خبر کے بعد سانپ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا تو گویا وہ اس جملہ خبریہ کی عملی تکذیب کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک سے جنت کی بشارت اور دوزخ کی وعیدوں کی خبر مل جانے کے بعد اگر جنت کے حصول اور دوزخ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا تو گویا وہ قرآن کی خبروں کی عملی تکذیب کرتا ہے۔ عالم وہی ہے جس کے اندر اتنی خشیت پیدا ہوجائے جو اس کو دوزخ کے عذاب سے بچنے والا

بنا دے۔لیکن خشیت کی بھی حدود ہیں، اتنی خشیت مطلوب نہیں کہ خوف سے بخار آجائے اور بستر پر لیٹ جائے ۔بس اتنا خوف مطلوب ہے جو بندے کو گناہوں سے بچالے۔اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں:

((اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ مَعَاصِیْكَ))

(مشکاۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب جامع الدعآء)

اے اللہ مجھے اتنا خوف نصیب فرمادے کہ وہ مجھ میں اور تیری نافرمانیوں کے درمیان حائل ہوجائے یعنی جو مجھے نافرمانیوں سے بچالے۔

گناہ کی فوری تلافی کا انعام

ارشاد فرمایا کہ جس زمین پر احیاناً کوئی گناہ ہوگیا مثلاً بدنگاہی ہوگئی تو اسی جگہ ٹھہر جائے اور وہیں توبہ کرلے اور سبحان اللہ یا الحمدللہ یا کوئی نیک عمل کرے تو قیامت کے دن جب زمین اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے گناہ کی گواہی دے گی تو اس کی توبہ اور نیکی کی گواہی بھی دے گی۔

اِسلام کے دین فطرت ہونے کی دلیل

ارشاد فرمایا کہ زنا کو بین الاقوامی طور پر مذموم فعل سمجھا جاتا ہے لیکن بدنظری جو اس کا مقدمہ وسبب ہے اس کو انسان کا کوئی خودساختہ قانون جرم قرار نہیں دیتا۔ یہ صرف وحی الٰہی کا احسان ہے جو معصیت کے اسباب ومقدمات کو بھی حرام قرار دیتی ہے ۔زنا کو حرام قرار دیا تو اس فعل خبیث کے مقدمہ کو بھی حرام کردیا تاکہ زنا کا ارتکاب ہی نہ ہوسکے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾

(سورۃُ النور، آیت:۳۰)

غض بصر کا حکم ہم اسی لیے دے رہے ہیں کہ اگر آنکھوں سے حسن مجازی کی طرف دیکھو گے تو میلان ہونا لازمی ہے اور میلان سے عشق اور عشق سے زنا

اوراس طرح کے افعال خبیثہ میں مبتلاء ہوکر آخرت کو تباہ کرلو گے۔اس لیے وحی الٰہی نے صرف معصیت کو ہی حرام قرار نہیں دیا بلکہ معصیت کے اسباب ومقدمات کو بھی حرام کر دیا کیونکہ سبب کی موجودگی ہی سے مسبب کی موجودگی لازم آتی ہے۔سبب موجود نہ ہو تو مسبب بھی موجود نہیں ہو سکتا۔جس طرح پٹرول کے پاس چنگاری سبب ہے آگ بھڑکنے کا، اگر چنگاری نہ ہوگی تو آگ بھی نہیں بھڑک سکتی۔اسی طرح بدنگاہی سبب ہے زنا کا، اگر آنکھوں کی حفاظت کی جائے گی تو شرم گاہ بھی محفوظ رہے گی، اسی لیے يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کے بعد وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ فرمایا ہے۔معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی آنکھوں کو ننگی کرتا ہے تو اس کی شرمگاہ بھی ننگی کردی جاتی ہے اور جو شخص اپنی نگاہوں پر اللہ کے حکم کا پردہ ڈالے رکھتا ہے اس کی برکت سے اس کی شرمگاہ محفوظ رہتی ہے۔زنا کو تو بین الاقوامی طور پر مذموم فعل کہا جاتا ہے لیکن بدنگاہی کو انسانوں کا کوئی خودساختہ قانون حرام قرار نہیں دیتا کیونکہ نگاہوں پر انسانوں کی حکومت قائم نہیں ہو سکتی، نگاہوں کا محاسبہ کرنا انسان کے ناقص علم وقوت کی دسترس سے باہر ہے۔ یہی دلیل ہے ذہنِ انسانی کے بنائے ہوئے قوانین کے ناقص و نامکمل ہونے کی۔ اس کے برعکس وحی الٰہی نے بدنگاہی کو بوجہ سبب معصیت ہونے کے حرام قرار دے دیا، یہاں نگاہوں پر بھی اللہ کی حکومت ہے کیونکہ صرف حق تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو آنکھوں اور سینوں کی خیانت سے باخبر ہے۔ بندوں کے دلوں میں جو خیالات پوشیدہ ہیں اور نگاہیں جب جب خیانتیں کرتی ہیں حق تعالیٰ کی ذات پاک ہر وقت ان سے باخبر ہے:

﴿يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۝﴾

(سورۃ الغافر، آیت:۱۹)

اس لیے قانون الٰہیہ کی خلاف ورزی کرنے والا اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔

یہی دلیل ہے اسلام کے مکمل قانون اور دینِ فطرت ہونے کی۔ لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا فرما کر اسبابِ معصیت کے قرب سے بھی منع فرما دیا کہ اگر قریب جاؤ گے تو گناہ میں مبتلا ہو جاؤ گے اُس وقت یہ مراقبہ کام نہ آئے گا کہ یہ حسن فانی التفات کے قابل نہیں کیونکہ ہر شے کے اندر ایک خاصیت ہے وہ اپنا اثر دکھاتی ہے۔ انگارہ کو ہاتھ میں لے کر اگر کوئی یہ مراقبہ کرتا رہے کہ یہ فانی ہے بجھ جائے گا تو کیا انگارہ کی خاصیت بدل جائے گی اور ہاتھ نہ جلے گا؟ معلوم ہوا کہ یہاں صرف مراقبہ کافی نہیں ترکِ تعلق ضروری ہے پس حسنِ مجازی کے قریب بھی نہ جاؤ اگر قریب ہو گئے خواہ نظر سے یا قلب سے یا جوارح سے تو معصیت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

یہی وجہ ہے کہ جن بندوں کی جانیں محبوبِ حقیقی کے حسن و جمال سے آشنا ہو چکی ہیں وہ اس لَا تَقْرَبُوْا پر عمل کرتی ہیں۔ لَا تَقْرَبُوْا پر عمل کرنے میں دل کو غم تو ہوگا لیکن یہ غم اتنی عظیم دولت ہے کہ لاکھ تہجد و اشراق ایک طرف اور یہ غم ایک طرف۔ لاکھوں وظیفوں اور ذکر و نوافل سے اللہ کا وہ قرب نصیب نہیں ہو سکتا جو غم اٹھانے سے ہوتا ہے۔ غم اٹھانا کوئی معمولی کام نہیں دل گردہ والوں کا کام ہے، یہ انہی کا کام ہے جو اللہ کی محبت میں جان کو ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کو جن کے سینوں میں ہر دم تلواریں چل رہی ہیں اپنی خواہشات کو تہہ تیغ کر رہے ہیں، خود اپنی آرزوؤں کے لاشے دیکھ رہے ہیں کہ فلاں خواہش مر گئی، فلاں تڑپ رہی ہے، فلاں دم توڑ رہی ہے مجاز کی طرف میلان ہوا اس نے گلا دبا دیا، بدنظری کے تقاضے کو کچل کر دل کا خون کر لیا۔ یہ اگرچہ جسم اور گردن لیے پھرتا ہے لیکن دراصل شہید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((مَنْ عَشِقَ وَ کَتَمَ وَعَفَّ ثُمَّ مَاتَ فَهُوَ شَهِيْدٌ))

(مرقاۃُ المفاتیح، کتابُ الجنائز، باب عیادۃ المریض)

علماء نے لکھا ہے کہ کتم سے مراد کتمان عن الخلق ہے یعنی مخلوق سے تذکرہ

نہیں کرتا آنکھوں سے اس کی طرف نہیں دیکھتا پاؤں کو اس کی گلی میں نہیں لے جاتا، کانوں سے اس کی بات نہیں سنتا، دل میں اس کا خیال نہیں لاتا وعف یعنی آنکھوں کو پاک رکھا اس کو دیکھنے سے کانوں کو پاک رکھا اس کی باتوں کو سننے سے زبان کو پاک رکھا اس کا تذکرہ کرنے سے پاؤں کو پاک رکھا اس کی گلی میں جانے سے، دل کو پاک رکھا اس کا خیال لانے سے۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں اس کو موت آگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ شہید ہے، شہداء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

پس کچھ دن کی محنت ہے اگر اللہ کے راستہ کا یہ غم برداشت کرلیا اور غیر اللہ سے دل کو فارغ کرلیا تو اللہ کے قرب کی اور ان کی محبت کی ایسی مٹھاس اور ایسی لذت نصیب ہوگی جو نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی وہم وخیال میں گذری جس کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے:

﴿فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ أُخۡفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعۡيُنٍ﴾

(سورۃ السجدۃ، آیت:۱۷)

نہیں جانتا ہے کوئی نفس جو چھپا رکھی ہوئی ہے آنکھوں کی ٹھنڈک اپنے اولیاء کے لیے یہ ایسی لذت ہے کہ وہی دل جانتا ہے جس کو عطا کی جاتی ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوسکتا حتی کہ ایک ولی بھی نہیں جان سکتا کہ دوسرے ولی کے قلب کو کس نوع کی لذت حاصل ہے اور اللہ کے قرب کی کیا مٹھاس مل رہی ہے۔ ہر ولی کے قلب کو ایک مختلف لذت عطا ہوتی ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا یہ وہ لذت ہے جو بادشاہوں کو نصیب نہیں یہی وجہ ہے کہ جن بندوں کی جانیں حق تعالیٰ کے حسن و جمال سے آشنا ہوچکی ہیں وہ دنیائے فانی کے حسن سے بے نیاز ہوگئی ہیں کیونکہ جس نے ایک ہزار پاور کے بلب کی روشنی دیکھ لی وہ کیا چالیس پاور کے بلب کی طرف متوجہ ہوسکتا ہے؟ لیکن اولیاء اللہ کو

یہ دولت مفت میں نہیں ملتی دریائے خون سے گزرنا پڑتا ہے۔اپنی خواہشات کو مرضیات الٰہیہ میں فنا کرنا پڑتا ہے تب یہ نعمت ملتی ہے۔

عارفاں زانند ہر دم آمنوں
کہ گذر کردند از دریائے خوں
مے یہ ملی نہیں ہے یوں قلب وجگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت مے مری مفت کی نہیں

اللہ کی محبت کی لذت ایسی سستی نہیں ہے کہ ہر بوالہوس کو عطا ہو جاوے حق تعالیٰ اپنی محبت کی چاٹ ایسے بندہ کو عطا فرماتے ہیں جس کا دل دنیا سے اچاٹ کر دیتے ہیں پہلے دل کو دنیا سے اچاٹ کرتے ہیں پھر اپنی محبت کی چاٹ عطا فرماتے ہیں۔اس کے لیے خاص دل مخصوص ہوتے ہیں۔یہ انبیاء اور اولیاء کا دستر خوان ہے۔بھنگی اور چمار یعنی دنیا دار اس دستر خوان پر نہیں آسکتے۔

غرض حسن مجازی سے بچنے میں جو دل کو غم ہوگا یہ غم خود بہت بڑی نعمت ہے اگر قلب کو کوئی اور انعام نہ ملے تو یہ غم خود بہت بڑا انعام ہے۔اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں کہ کوئی بادشاہ کسی بچہ کو ایک لاکھ روپیہ دے دے لیکن بچہ کو ایک لاکھ کی معرفت نہیں وہ کہتا ہے کہ مجھے ٹافی دو بادشاہ ہنس کر کہتا ہے کہ اس کو لے جاؤ۔بادشاہ نے اگر ٹافی نہیں دی تو کیا یہ ایک لاکھ روپیہ خود انعام نہیں ہے؟

۳۰/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰؁ھ مطابق ۹/جولائی ۱۹۷۰؁ء

مقامِ محبت

ارشاد فرمایا کہ محبت کے لیے خوف لازم ہے خوف کے لیے محبت لازم نہیں۔ہوسکتا ہے کہ کوئی آدمی کسی سے بہت ڈرتا ہو لیکن اس سے محبت نہ رکھتا ہو لیکن جب محبت ہو جاتی ہے تو خوف خود آجاتا ہے کہ کہیں ہمارا محبوب ہم سے

ناراض نہ ہوجاوے۔اس لیے جو شخص صرف اللہ کا خوف رکھتا ہے لیکن محبت نہیں رکھتا اس کے دل میں شیطان وسوسہ ڈال سکتا ہے کہ میاں کیا عبادت کر رہے ہو بے کار ڈر رہے ہو، مرنے کے بعد نہ عذاب ہے نہ ثواب ۔پس اگر دل سے خوف نکل گیا تو ایسا شخص گمراہ ہو گیا کیونکہ دل میں اللہ کی محبت تو تھی نہیں جو رہنمائی کرتی ، پس اگر ڈنڈے کے خوف سے اللہ کو یاد کیا تو کیا یاد کیا اللہ کو تو محبت سے یاد کرنا چاہیے ۔اہلِ محبت پر شیطان کا کوئی حربہ نہیں چلتا اگر وہ کبھی یہ وسوسہ بھی ڈالتا ہے تو عاشق کہہ دیتا ہے کہ کمبخت تو کہاں آیا ہے ہمیں تو بغیر ان کے نام کے چین ہی نہیں ملتا بغیر ان کی یاد کے تو ہم جی ہی نہیں سکتے ان کی یاد سے میرے دل کو جو کچھ مل رہا ہے تو ان وسوسوں سے ان نعمتوں کو نہیں مٹا سکتا جا اپنا راستہ لے کہیں اور جا پس مقام محبت تک شیطان کے قدم نہیں پہنچتے کیونکہ یہ مردود محبت کو جانتا ہی نہیں ۔حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ شیطان سالک محض تھا عاشق نہ تھا اسی وجہ سے مردود ہو گیا۔پس محض خوف سے اللہ کو یاد کرنا کمال نہیں، کمال تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یاد میں آدمی مجبور محبت ہو جاوے یعنی دل کو محبت کا وہ مقام حاصل ہو جاوے کہ بغیر حق تعالیٰ کی یاد کے سکون ہی نہ ملے اور دل اللہ کی یاد پر مجبور رہو۔ کیونکہ اللہ کا اپنے بندوں کے ساتھ صرف حاکم و محکوم کا ہی تعلق نہیں ہے بلکہ اللہ کی ذات پاک میں محبوبیت کی شان بھی ہے۔ اگر محبوبیت کی یہ شان حق تعالیٰ کی ذات پاک میں نہ ہوتی تو ہرگز یہ آیت نازل نہ ہوتی :

﴿ كَلَّآ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ۝ ﴾

(سورۃ المطففین، آیت:۱۵)

ہرگز نہیں وہ اپنے رب سے اس دن محجوب ہوں گے ہم انہیں اپنی صورت نہیں دکھائیں گے۔ کیا دنیا کا کوئی حاکم یا صدر مملکت یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر تم ہمارا حکم نہ مانو گے ۔تو ہم تمہیں اپنی صورت نہ دکھائیں گے اگر وہ یہ کہہ بھی دے تو لوگ

یہی کہیں گے کہ کون تیری صورت دیکھنے کو بے قرار ہے کیونکہ وہ حاکم محض ہیں محبوب نہیں اور حق تعالیٰ صرف حاکم نہیں محبوب بھی ہیں۔حق تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی شانِ محبوبیت کو ظاہر فرمادیا کہ کفار اس دن ہماری لذت دیدار سے محروم ہوں گے۔یعنی حق تعالیٰ ایسے محبوب ہیں کہ ان کی لذت دیدار سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے سزا تو بعد میں ہوگی لیکن عاشق کے لیے کیا یہی کم ہے کہ محبوب حجاب میں ہو۔

دُنیا میں خوشی وغم کے تمام حالات رَبوبیت اِلٰہیہ کے تحت ہیں

ارشاد فرمایا کہ دنیا میں انسان پر جو مختلف حالات پیش آتے ہیں کبھی خوش آ گئی کبھی غم آ گیا کبھی کسی عزیز کا انتقال ہو گیا کبھی مال مین نقصان ہو گیا کبھی کوئی اور فکر و پریشانی لاحق ہو گئی تو یہ تمام حالات اتفاقی نہیں ہیں بلکہ حق تعالیٰ کے قصد و ارادہ کے تحت ہو رہے ہیں اور ہر ایک حال میں ان کی ربوبیت شامل ہے لہٰذا صدمہ وغم میں یہ نہ سوچنا چاہیے کہ ہائے یہ کیوں ہو گیا ہمارا بڑا نقصان ہو گیا بلکہ یہ سوچنا چاہیے کہ یہ تمام حق تعالیٰ کی ربوبیت کے تحت پیش آ رہے ہیں اور ان کی ربوبیت تمام مضرتوں سے پاک ہے۔سجدہ میں ہر روز سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتے ہو جس کے معنیٰ ہیں کہ ان کی ربوبیت تمام مضرتوں سے پاک ہے۔ چاہے غم اگر چہ بڑا ہے لیکن یہ ہماری تربیت و ترقی درجات کے لیے ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فرمادیا کہ میں تمہارا رب ہوں اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہوں لیکن میری ربوبیت رحمت کے ساتھ ہے۔

ایک بار اسمِ ذات کہنے سے ننانوے اَسماءِ صفات کی تجلی حاصل ہوتی ہے

ارشاد فرمایا کہ اسم ذات تمام اسمائے صفات کا حامل ہے۔جس وقت

بندہ یا اللہ کہتا ہے تو گویا وہ یا غفار بھی کہتا ہے یا ستار بھی کہتا ہے یا رزاق بھی کہتا ہے یا رب بھی کہتا ہے ایک بار اللہ کو پکارتے ہو تو گویا ننانوے اسمائے صفاتیہ کو پکارتے ہو اور بیک وقت تمام اسمائے صفاتیہ کی تجلی ہوتی ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ الخ کی تفسیر

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾

(سورۃ الکھف، آیت:۲۸)

اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ اے ہمارے رسول اگرچہ آپ کو تنہائی میں ہمارے ساتھ بیٹھنا، سجدوں میں ہم سے ہم کلام ہونا تنہائیوں میں ہمارے سامنے رونا دنیا و مافیہا کی تمام نعمتوں سے زیادہ عزیز ہے اور آپ کا جی ہمارے بغیر کہیں نہیں لگتا لیکن آپ اپنے نفس پر جبر کر کے ہمارے ان عاشقین بندوں کے درمیان بیٹھئے کیونکہ اگر آپ تنہائیوں میں صرف ہمارے ہی ساتھ رہیں گے تو ان عاشقین بندوں کی جانیں ہم سے کیسے آشنا ہوں گی امت کا کام کیسے ہوگا گلِ محمدی کی خوشبو سے ان کی جانیں کیسے بسیں گی۔ پھر حق تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرماتے ہیں کہ ہم جو آپ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ تو ہم کن لوگوں کے پاس بیٹھنے کے لیے آپ سے کہہ رہے ہیں ہم اپنے غیروں کے پاس بیٹھنے کے لیے آپ سے نہیں کہہ رہے ہم ان لوگوں کے پاس آپ کو بیٹھنے کا حکم دے رہے ہیں جن کی جانیں ہر وقت بس ہمیں تلاش کیا کرتی ہیں جن کی جانوں میں ہر وقت ہمارے لیے بے چینی اور تڑپ ہے جو صبح و شام ہمیں پکارتے ہیں تو ان کے پاس بیٹھنا گویا ہمارے ہی پاس بیٹھنا ہے۔ آپ ان کے پاس بیٹھیں تو گویا ہمارے ہی پاس بیٹھے ہوں گے۔ پس یہ عنوان تسلی کا ہے۔

صحبتِ شیخ سے دل کا نرم ہونا اور پھر ذکر اللہ کا اثر

ارشاد فرمایا کہ جب لوہے کو موڑنا ہوتا ہے تو پہلے اس کو آگ میں رکھتے ہیں یہاں تک کہ آگ کی حرارت سے وہ سرخ ہو کر نرم ہو جاتا ہے پھر اس پر ہتھوڑا مارا جاتا ہے تو ایک دم مڑ جاتا ہے اگر بغیر گرم کئے اس پر کتنا ہی ہتھوڑا بجاؤ لوہا مڑے گا نہیں۔ پس یہی حال ہمارے قلب کا ہے ہمارا قلب مثل لوہے کے ہے اس کو پہلے کسی اللہ والے کی صحبت کی آگ میں سرخ کرلو پھر جب اس صحبت کی برکت سے اللہ کی محبت سے اس میں نرمی آجائے گی پھر ذکر کا ہتھوڑا لگاؤ گے تو دیکھو گے کہ کیسا اللہ کی طرف مڑتا ہے صحبت کے بعد ہی ذکر کا اصلی نفع ظاہر ہوتا ہے ذکر کے نفع تام کے لیے صحبت اہل اللہ ضروری ہے۔ اور صحبت کا مطلب یہ نہیں کہ سال میں ایک دفعہ آ گئے اور پھر مہینوں خبر نہیں لی بلکہ جس طرح لوہا جب ٹھنڈا ہونے لگتا ہے اور اس میں صلابت پھر عود کرنے لگتی ہے تو اس کو پھر آگ میں رکھتے ہیں یہاں تک کہ آگ کی حرارت سے وہ پھر سرخ ہو جاتا ہے تو پھر اس پر ہتھوڑا مارتے ہیں یہ عمل برابر جاری رہتا ہے اِذَا تَكَرَّرَ تَقَرَّرَ اسی طرح صحبت کا اثر جب کم ہونے لگے تو پھر شیخ کی خدمت میں آ بیٹھے اور اللہ کی محبت کی گرمی حاصل کرے پھر ذکر میں مشغول ہو یہاں تک کہ اس تکرار سے ایک دن نسبت میں استقرار پیدا ہو جائے گا اور جس طرح زمین کو مستقل کھودتے رہنے سے ایک دن پانی کا سوتہ پھوٹ پڑتا ہے اسی طرح قلب میں ایک دن نسبت مع اللہ کا سوتہ پھوٹ پڑے گا اور اللہ کا قربِ خاص نصیب ہو جائے گا۔

وصول الی اللہ شیخ کے بغیر ناممکن ہے

ارشاد فرمایا کہ تیر چاہے کتنا ہی قیمتی ہو خواہ اس پر کتنے ہیرے جواہرات لگے ہوئے ہوں لیکن اڑ نہیں سکتا جب تک کہ کسی کمان میں نہ رکھا جاوے خواہ

کمان بظاہر کیسی ہی ٹوٹی پھوٹی ہو وہ قیمتی تیر اڑنے میں اس بظاہر ٹوٹی پھوٹی کمان کا محتاج ہے ورنہ بے کمان کے قیامت تک زمین پر ہی پڑا رہے گا اسی طرح عالم جس کو خواہ علم کا کتنا ہی بلند مقام حاصل ہو اس کو بھی اللہ تک اڑنے کے لیے پیر کرنا پڑے گا خواہ پیر علم میں اس سے کم تر ہی کیوں نہ ہو لیکن اس ٹوٹی پھوٹی کمان میں اپنے کو رکھنا پڑیگا تب اللہ تک رسائی ہوگی ورنہ باوجود علم وفضل کے قیامت تک زمین پر پڑا رہے گا یعنی محض جسم کی آرائشوں اور لذتوں میں پڑا رہے گا اللہ تک نہ پہنچ سکے گا۔

ایمان بالغیب کی ایک عجیب حکمت

اگر اللہ تعالیٰ اس دنیا ہی میں خود کو دکھا دیتے تو اتنے انسان کاہے کو دوزخ میں جاتے کیونکہ اللہ کو دیکھنے کے بعد کفر وفسق کی ہمت کسی کو بھی نہ ہوتی۔ جواب اس کا یہ ہے کہ پھر امتحان کاہے کا ہوتا اگر دنیا میں کوئی ممتحن پرچہ آؤٹ کر دیتا ہے تو لوگ کہتے ہیں ممتحن بڑا ظالم تھا کہ جن لڑکوں نے امتحان کی تیاری میں اپنا خون پسینہ گرایا تھا ان کے ساتھ وہ لڑکے بھی کامیاب ہو گئے جنہوں نے کچھ محنت نہیں کی تھی اس ممتحن نے ہزاروں کے خون اور پسینے کو رائیگاں کر دیا۔ اسی طرح اگر اللہ اپنے کو دکھا دیتا تو اللہ پر ظلم کا الزام عائد ہوتا کہ انبیاء اور شہداء جن کے کلیجے منہ کو آگئے تھے جنہوں نے بغیر دیکھے اللہ کے راستے میں اپنا خون بہایا تھا ان کا خون رائیگاں چلا جاتا حق تعالیٰ کی رضا اور جنت کا حق تو ان لوگوں کو تھا لیکن اگر اللہ خود کو دکھا دیتا تو یہ پرچہ آؤٹ ہو جاتا اور کافر ومشرک بھی اللہ کو مان لیتے اور بغیر ایثار وقربانی کے جنت میں چلے جاتے اور انبیاء وشہداء کی محنتیں اور کافرین کی نافرمانیوں کی جزا ایک ہی ہو جاتی دونوں کا درجہ مساوی ہو جاتا جو ظلم تھا اور جو حق تعالیٰ کی شان کے منافی ہے۔

انسان کے دل کی بے مثال قیمت

ارشاد فرمایا کہ یہ دل بڑا قیمتی ہے یہ اللہ کا گھر ہے۔ پہلے انسان کے سینہ میں اپنا گھر رکھ کر پھر زمین و آسمان کو اس کا خادم بنایا حدیث قدسی میں ہے کہ میں نہیں سمایا زمینوں میں آسمانوں میں لیکن مومن کے قلب میں مثل مہمان کے آجاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بارِ امانت یعنی بارِ امانتِ شریعت کو زمین و آسمان پر پہاڑوں پر دریاؤں پر پیش کیا لیکن سب نے مارے ڈر کے انکار کر دیا کہ اے اللہ ہم سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا لیکن اس بار کو انسان نے اٹھالیا کہ اے اللہ میرا قلب آپ کی محبت کے لیے حاضر ہے، یہ بار اٹھا کر اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے کیوں بچتے ہو۔

زمین و آسماں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

اہل اللہ کی خدمت نہ کرنے پر قیامت کے دن باز پرس ہوگی

ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کا دیوانہ ہو جائے گا صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ اس کو بیٹھے بٹھائے روزی عطا فرمائے گا بلکہ دوسروں کو اپنے اس دیوانہ کی خدمت پر مامور کر دیگا اس کا ثبوت قرآن میں ہے۔ اصحابِ صفہ کی شان میں فرماتے ہیں:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۷۳)

اے دنیا والو! یہ لوگ ہماری محبت کے مارے ہوئے ہیں ہماری محبت میں گھیر لیے گئے ہیں یہ ہماری محبت کے محصور ہیں ان کی جانیں ہر وقت ہمارے ایک قربِ خاص سے مشرف ہیں انہوں نے وہ تیز والی شرابِ محبت پی لی ہے جس کی مستی نے دنیا کے کاموں سے ان کے دست و پا کو شل کر دیا ہے۔ یہ استطاعت نہیں رکھتے کہ زمین پر کمانے کے لیے چلیں پھریں زمین پر کسب معاش کے

لیے چلنا پھرنا ان کی استطاعت سے باہر ہو گیا ہے کیونکہ ہمارے اس قربِ اعلیٰ سے قرب اسفل کی طرف نزول کرنا ان کے لیے محال ہو چکا ہے جس طرح مچھلی کو پانی سے الگ ہونے میں اپنی موت نظر آتی ہے بلکہ پانی ہی میں اس کی حیات اور اس کی غذا ہے اسی طرح ہم سے ایک لمحہ کے لیے علیحدہ ہونے میں انہیں اپنی موت نظر آتی ہے اور ہمہ وقت ہمارے دین کے کام میں لگے رہنے ہی میں ان کی زندگی ہے اس کام سے یہ ایک لمحہ کو علیحدہ نہیں ہو سکتے چاہے ان کو کھانے کو نہ ملے یہ ہم ہی سے سوال کرتے ہیں لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے کہ ہم دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں ہمیں کچھ کھانے کو دے دو بلکہ تم ان کے چہروں کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے غنی لوگ ہیں ان کے قلب غنی ہیں۔ ان کے قلب کو ہمارے قرب کی ایسی عظیم دولت نصیب ہے جس نے ان کو لوگوں سے مستغنی کر دیا ہے اور ان کے دل کا غنا ان کے چہروں پر چھلک آیا ہے اے دنیا والو! یہ لوگ ہماری محبت کے مارے ہوئے ہیں یہ ہمارے دیوانے ہیں ہم تم پر ان کی خدمت کو فرض کرتے ہیں تم کو ان کے کھانے پینے اور ان کی ضروریات زندگی کا خیال رکھنا پڑے گا۔ اگر تم ان کی خدمت نہیں کرو گے تو قیامت کے دن تم سے باز پرس ہو گی۔

جلوتِ نبوت کی جان خلوتِ نبوت ہے

ارشاد فرمایا کہ کارِ نبوت کے دو جز ہیں ایک علومِ نبوت اور دوسرا ولایت النبوت۔ نبوت کا وہ جز جس کا تعلق امت کے ساتھ ہے مثلاً تبلیغ و تعلیم جہاد و غزوات وغیرہ اس کا تو لوگوں کو خیال رہتا ہے لیکن نبوت کا وہ جز جس کا تعلق ولایت سے ہے اس کی طرف سے لوگ صرف نظر کر لیتے ہیں حالانکہ نبی کی جلوت کے ساتھ خلوت بھی اتنی ہی اہم ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد میں ساری ساری رات قرآن کی تلاوت کرنا فرض نہیں تھا پاؤں مبارک سوج جاتے

تھے بعض دفعہ خون نکل پڑتا تھا یہ ولایتِ نبوت تھی کہ حکم دیا جارہا ہے کہ:

﴿وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ○﴾

(سورۃ الشرح، آیت:۸)

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت کی آہ تھی جس کا اثر یہ تھا کہ جلوت میں لوگوں کے دلوں میں محبت کی آگ لگادیتی تھی:

((اَلْعُلَمَآءُ فَاِنَّهُمْ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ))

(کنز العمال، کتاب العلم، ج:۱۰،ص:۱۵۰)

(علماء انبیاء کے وارث ہیں۔) یعنی تم (علماء) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوت کے بھی وارث ہو اور خلوت کے بھی وارث ہو۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جلوت کا جز تو لے لو اور خلوت کے جز کو رد کر دو۔ انبیاء کی دولت دو طرح کی ہے ایک دولت جلوت کی اور ایک دولت خلوت کی۔ جلوت کی دولت تو یہ ہے تعلیم وتبلیغ جہاد و غزوات وغیرہ اور:

﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ○وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ○﴾

(سورۃ الشرح، آیات:۸-۷)

یہ توجہ الیٰ الرّب جو ہے یہی ولایت النبوت ہے جو وراثت ہے خلوت کی۔ خلوت کی اشکباریاں وآہ وگریہ تہجد اشراق و چاشت اور تنہایوں میں چھپ کر اپنے رب کے ساتھ مشغول ہونا یہ بھی نبوت کی وراثت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کو جو وارثینِ انبیاء قرار دیا ہے تو اصل وارث وہی عالم ہے جو انبیاء کی جلوت کا بھی وارث ہے اور خلوت کا بھی وارث ہے ورنہ وہ عالم اصل وارثِ انبیاء نہیں ہے جو مجمع میں عوام کے سامنے تو نماز باجماعت بھی ادا کر رہا ہے تقریر وتبلیغ بھی کر رہا ہے رو رہا ہے کیونکہ اس میں جاہ مل رہی ہے لوگ ہاتھ پاؤں چوم رہے ہیں مرغ مل رہا ہے عزت ہو رہی ہے لیکن تنہائیوں میں اللہ سے بے خبر ہے نہ ذکر ہے نہ آہ ہے نہ آنسو ہیں۔ تم جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت کے وارث

نہیں ہوتو جلوت کے بھی وارث نہیں ہو۔جلوتِ نبوت کی جان خلوتِ نبوت ہے۔

جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ نبوت کی وراثت کے دو جز ہیں ایک وراثت جلوت کی ہے ایک وراثت خلوت کی ہے۔حق تعالیٰ نے ان دونوں وراثتوں کی حفاظت کے لیے امت میں الگ الگ رجال پیدا فرمائے جس پر جلوت کی وراثت کو غالب کردیا گیا اس سے فقہ وحدیث کا کام لیا گیا اور جس پر خلوت کی وراثت کو غالب کردیا گیا اس سے دردِ محبت کی آہِ سوختہ جانی کا کام لیا گیا۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو لوگ خلوت کی وراثت کے حامل تھے وہ جلوت کی وراثت کے حامل نہ تھے یا اس کے برعکس۔نعوذ باللہ یہ مطلب نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ علماء ربانیین وصوفیا وغیرہ دونوں وراثتوں کے بیک وقت حامل تھے لیکن جس سے جو کام لینا تھا اس پر اس رنگ کو غالب کردیا گیا کسی پر جلوت کی وراثت غالب کردی گئی کسی پر خلوت کی جس پر جو رنگ غالب تھا اس سے وہی کام لیا گیا۔

۹؍شوال المکرم ۱۳۹۰ھ مطابق ۹؍دسمبر ۱۹۷۰ء،

بوقت صبح ساڑھے گیارہ بجے، ناظم آباد

اعمال اور میزانِ عدل کی تمثیل پولنگ اسٹیشن سے

ارشاد فرمایا کہ جب تک پولنگ ہوتی رہتی ہے تو نہ جیت کا قطعی فیصلہ کیا جاسکتا ہے نہ ہار کا۔اگر کسی پولنگ اسٹیشن پر کسی امیدوار کے حق میں زیادہ ووٹ پڑ رہے ہوں اور اس کو مبارکباد دی جائے کہ آپ کے حق میں بڑے ووٹ پڑے ہیں تو وہ مطمئن نہیں ہوتا بلکہ یہی کہتا ہے کہ بھائی ابھی کوئی اعتبار نہیں ممکن ہے کسی دوسرے پولنگ اسٹیشن پر ووٹ اتنے کم پڑیں کہ حزبِ مخالف جیت جائے اور میں ہار جاؤں۔ہاں جب پولنگ ختم ہوجائے گی اور میزان کے وقت میں سب سے بازی لے جاؤں گا وہ وقت خوشی کا وقت ہوگا۔یہی حال ہمارے اعمال کا ہے۔ہمارے کان آنکھیں زبان ناک ہاتھ پاؤں اور یہ قلب بھی

پولنگ اسٹیشن ہیں جن میں نیکیوں اور برائیوں کے ووٹ پڑ رہے ہیں۔ اگر آنکھیں اللہ کی یاد میں رو رہی ہیں کسی نامحرم کو نہیں دیکھ رہی ہیں زبان اللہ کا ذکر اور تلاوت کر رہی ہے کان اللہ والوں کی بات سن رہے ہیں تو یہ نیکیوں کے ووٹ پڑ رہے ہیں لیکن ابھی بہت زیادہ خوش مت ہو کیونکہ ابھی دوسرے پولنگ اسٹیشن باقی ہیں ممکن ہے ہاتھ یا پاؤں یا قلب وغیرہ کے پولنگ اسٹیشنوں پر تمہارے نیکیوں کے ووٹ گھٹ جائیں اور حزبِ مخالف نفس و شیطان کے حق میں زیادہ ووٹ پڑ جائیں یعنی ہمارے ہاتھ پاؤں سے ایسے گناہ کے اعمال سرزد ہو جائیں۔ پس قیامت کے دن جب وہ حقیقی پولنگ آفیسر یعنی حق تعالیٰ شانہٗ نیکیوں اور گناہوں کے ووٹوں کی میزان کریں گے وہ دن ہار جیت کا دن ہوگا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾

(سورۃ التغابن، آیت:۹)

اس دن قطعی فیصلہ ہو جائے گا کہ کون جیتا اور کون ہارا۔

۱۷؍ صفر المظفر ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۴؍ اپریل ۱۹۷۱ء

شہواتِ نفسانیہ کی تفہیم ایک مثال سے

ارشاد فرمایا کہ مچھلی پانی میں کانٹے میں لگے ہوئے چارہ کو دیکھ کر للچاتی ہے اور چاہتی ہے کہ کسی صورت سے اس لذت کو نہ چھوڑے لیکن اس میں ایک مولانا روہو بھی ہے ہو وہ کہتا ہے کہ دیکھو اس چارہ کے قریب بھی نہ جانا اس میں کانٹا لگا ہوا ہے اور اس کی ڈور خشکی پر ایک آدمی کے ہاتھ میں ہے۔ تم میری بات مان لو، تم وہ کچھ نہیں دیکھ رہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ میں پیغامبر ہوں میرے قلب کا رابطہ اس پانی کے باہر ایک دوسرے عالم سے ہے۔ میرے قلب پر یہ پیغام خشکی سے نازل ہو رہا ہے۔ اگر تم میری بات نہیں مانو گے اور اس چارہ کو نہیں چھوڑو گے تو شکاری ڈور کھینچ لے گا اور یہ چارہ جو آج بڑا دلفریب معلوم ہو

رہا ہے تم کو خشکی میں لے جائے گا وہاں پھر تیرے چھری سے ٹکڑے ٹکڑے کیے
جائیں گے پھر وہاں آگ بھی ہے اس پر کھولتے ہوئے گھی میں تجھے ڈالا جائے
گا پھر ۲۰ ر آدمی تجھے کھانے آئیں گے جن کی دوسو انگلیاں تیرا لقمہ بنائیں گی
اور چھ سو چالیس دانت تجھے چبائیں گے۔ مسٹر روہو مولانا روہو کی یہ بات سن کر
کہتا ہے مولانا یہ سب رجعت پسندی کی باتیں ہیں آپ لوگ رجعت پسند ہیں
میں تو اس چارہ کے گرد نہ چھری دیکھتا ہوں نہ آگ دیکھتا ہوں نہ کھولتا ہوا گھی
دیکھتا ہوں اور نہ دوسو انگلیاں ہیں نہ چھ سو چالیس دانت ہیں آپ لوگ معاشرہ
پر بدنما داغ ہیں ہماری لذتوں کو تلخ کرتے رہتے ہیں تو دوستو کیا مسٹر روہو کے
اس اعتراض کے بعد معاملہ کی نوعیت بدل جائے گی۔ جو کانٹے پر منہ مارے گا
اور اس لذت کو نہ چھوڑے گا یہ تمام مراحل اس کو پیش آئیں گے بس یہی حال
انبیاء اور اولیاء کا ہے وہ آخرت کے عذاب کی خبریں اس دنیا میں دیتے ہیں اور
یہاں کی ناجائز لذتوں ٹیلی ویژن شراب و کباب سے بچنے کے لیے آگاہ کرتے
ہیں کہ ان لذتوں و شہوتوں کے پیچھے آگ چھپی ہوئی ہے حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ
وہ کہتے ہیں کہ ان لذتوں کے چارہ پر منہ نہ مارنا ان کے پیچھے بھی نہ جانا ورنہ اس
کا انجام آگ اور دوزخ کی تکالیف ہیں پس جو لوگ ایمان لے آتے ہیں وہ
امان میں رہتے ہیں اور جو لوگ نبی کی بات نہیں مانتے ان کو دوزخ کے حالات
سے دوچار ہونا پڑے گا جس کی پہلے ہی خبر دی گئی تھی۔

ذکر لاکھ فکروں اور تشویش کے ساتھ بھی مفید ہے

ارشاد فرمایا کہ ذکر اگر تشویشِ قلب کے ساتھ بھی ہو تو بھی نفع سے خالی
نہیں ہوتا جس طرح سوداگر کھانا بھی کھا رہا ہے اور گاہکوں کو سامان بھی بیچ رہا
ہے چاروں طرف سے ہجوم ہے کسی سے کچھ بات کر رہا ہے کسی کو کچھ دے رہا

ہے حالانکہ اطمینانِ قلب نصیب نہیں اور کھانے کی طرف بالکل توجہ بھی نہیں لیکن اس تشویشِ قلب کے باوجود جو لقمہ حلق سے اترے گا تو معدہ میں پہنچ کر وہ خون ہی بنائے گا زہر نہیں بنائے گا۔ جسم میں خون اور طاقت پیدا کرے گا بس اسی طرح ذکر میں خواہ بالکل دل نہ لگے خواہ کتنا ہی وساوس کا ہجوم ہو لاکھ اطمینان و یکسوئی نہ ہو ذکر کیے جاؤ ترک نہ کرو کیونکہ اس تشویش کے باوجود یہ ذکر اپنا کام کرے گا قلب میں پہنچ کر نور ہی بنائے گا ظلمت نہیں بنائے گا جس طرح لقمہ معدہ میں پہنچتا ہے تو خون بناتا ہے۔ یہ نور روح میں قوت وطاقت پیدا کرے گا جو مقصود ہے ذکر کا، اطمینان کے انتظار میں ذکر کو ترک کرنا یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکا ہے جیسے اگر کوئی اطمینان کے انتظار میں کھانا چھوڑ دے تو کیا ہوگا جسم کمزور ہوگا کہ نہیں اسی طرح یکسوئی کے انتظار میں ذکر کو چھوڑو گے تو روح کمزور ہو جائے گی۔

قبض وبسطِ قلب بمثل مد و جزرِ بحر

ارشاد فرمایا کہ جب چاند اور سمندر کے درمیان سے زمین کی حیلولت بالکل غائب ہو جاتی ہے تو چاند کا پورا نور سمندر پر پڑتا ہے اور سمندر میں مد ہوتا ہے اور لہریں جوش مارتی ہیں اور جب چاند اور سمندر کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے تو سمندر چاند کے نور سے محجوب ہو جاتا ہے اور یہ حالت حالتِ جزر کہلاتی ہے اور لہروں کا جوش ختم ہو جاتا ہے پس بعینہ یہی حال قلب کا ہے جب اللہ اور قلب کے درمیان نفس کی زمین کی حیلولت غائب ہو جاتی ہے یعنی گناہ کے تقاضوں پر عمل نہیں کیا اس وقت دل میں اللہ کی محبت کا ایک جوش ہوتا ہے۔ جس طرح بحر میں مد ہوتا ہے اسی طرح دل میں بھی ایک جوش ہوتا ہے اور جب نفس حائل ہو جاتا ہے تو مد غائب ہو جاتا ہے اور جزر ہو جاتا ہے اور سکون و بے کیفی اضمحلال کی کیفیت قلب میں پیدا ہو جاتی ہے۔

مزاح

(۱)...... احقر نے ایک مزدور کو ایک نل کی بجائے دوسرے نل سے بھرنے کو کہا تو فرمایا کہ اس پر اتنا زور کیوں دے رہے ہو پھر فرمایا۔

عشق نے عشرت کو بدھو کر دیا
ورنہ عشرت تھا کبھی کچھ کام کا

(۲)...... نعمانی صاحب بات کرنے کے لیے آبیٹھے حضرت نے کچھ بات کر کے پھر خط لکھنا چاہا تو نعمانی صاحب نے خط ہاتھ سے کھینچ لیا کہ ہم تو آکر بیٹھے ہیں آپ خط لکھنے لگے، حضرت نے بے ساختہ فرمایا: اے شوخ تو کیا کرتا ہے۔

(۳)...... اپنے صاحب زادہ سے ایک کام کے لیے فرمایا، انہوں نے کچھ سستی کی تو فرمایا کہ آپ بالکل بحرا لکاہل ہو گئے ہیں۔

(۴)...... ایک مولانا صاحب نے پان پیش کیا تو فرمایا تَرَکْتُ الپانَ والچھالیَ جَمِیْعًا بروزن تَرَکْتُ لَّاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا اور یہ سب مزاح بے ساختہ ہوتا ہے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے فضل سے الفاظ میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر آتے ہیں کہتے ہیں کہ مجھے بھی استعمال کر لیجئے میں بہت مزے دار ہوں۔

(۵)...... ایک عالم صاحب پس پشت بیٹھے تھے مزاحاً فرمایا کہ پیشِ نظر آیئے۔

نہیں کرتے ہیں وعدہ دید کا وہ حشر سے پہلے
دل بے تاب کی ضد ہے ابھی ہوتی یہیں ہوتی

ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ایک الہامی طریقہ

ارشاد فرمایا کہ بحالت ذکر عُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ کا مراقبہ کرو۔ اپنے کو اہل قبور میں سے شمار کرو۔ ذکر شروع کرنے سے پہلے تھوڑی دیر یہ مراقبہ کرو کہ یہ میرا جنازہ سامنے رکھا ہوا ہے کفن لپٹا ہوا ہے، اتنی گہری فکر کرو کہ کفن کی

گر ہیں بھی نظر آنے لگیں پھر کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یہ سوچو کہ جسم تو مردہ ہو گیا روح مجرّد ذکر کر رہی ہے اب نفی لَآ اِلٰہَ کا مزہ ہے اس وقت مراقبہ کرو کہ کوئی نہیں ہے نہ زمین و آسمان ہیں نہ کائنات ہے ہم بھی نہیں ہیں پوری کائنات میں اے اللہ! صرف آپ ہی آپ ہیں باقی سب فنا ہو گیا کُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ مخلوق سے یہ انقطاعِ تام وَتَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلًا کا مصداق ہوگا اس طرح نفی لَآ اِلٰہَ کے بعد جب اِلَّا اللّٰہُ کہو گے تو یہ اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب روح پر پڑے گی۔ فرمایا کہ یہ طریقہ حق تعالیٰ نے اس وقت مجھے خاص عطا فرمایا ہے اس طرح لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ذکر سے روح پر اس قدر فیضان ہوگا کہ انشاء اللہ بہت قرب نصیب ہوگا اور اس طریقہ سے انشاء اللہ وساوس کا تدراک بھی ہو جائے گا۔ اگر وساوس آئیں کہ تجھے فلاں کام کرنا ہے تو فوراً سمجھا دو کہ تو تو مردہ پڑا ہوا ہے تجھے کام کیا تو بھی ختم ہو گیا سب کام ختم ہو گئے اب کچھ باقی نہیں صرف اللہ ہے۔ اس مراقبہ سے انشاء اللہ ذکر میں وساوس بھی منقطع ہو جائیں گے اور جمعیتِ قلب کے ساتھ اللہ کا نام لینے کی توفیق ہو جائیگی۔

ارواح پر محبت کی اَزلی چوٹ

ارشاد فرمایا کہ۔

ذکر حق آمد غذا ایں روح را
مرہم آمد ایں دل مجروح را

مرہم کی قدر کس کو ہوتی ہے؟ جس کے زخم لگا ہوتا ہے یہ حق تعالیٰ کا ذکر انہیں دلوں کا مرہم ہے جو اللہ کی محبت سے زخمی ہو چکے ہیں۔ ان زخمی دلوں سے اس مرہم کی قدر پوچھو یہ مرہم کہ ان کے زخم پر کیسی ٹھنڈک عطا کرتا ہے۔ ہاں جن کے دل پر یہ زخم نہیں ہے ان کو اس مرہم کی کیا قدر ہوگی۔ یہ زخم کہاں لگتا ہے؟ یہ زخم

ہماری روحوں پر روزِ ازل سے لگا ہوا ہے عالم ارواح میں اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ کی چوٹ میاں نے پہلے ہی لگا دی ہے ہاں یہ زخم بھر جاتا ہے ہماری غفلت سے، ذرا ان مجلسوں میں بیٹھو جہاں اس چوٹ کو یاد دلایا جاتا ہے، ان مجلسوں میں یہ زخم پھر ہرا ہو جائیگا۔ جیسے جب پُروا ہوا چلتی ہے تو پرانی چوٹ پھر ابھر آتی ہے اسی طرح ان مجلسوں میں بیٹھو جہاں اللہ کی محبت کی پروائیاں چلتی ہیں یعنی مجالس اہل اللہ، ان پروائیوں سے یہ چوٹ پھر ابھر آئے گی اور اللہ کی محبت کا زخم پھر ہرا ہو جائیگا اس کے بعد جب ذکر کرو گے پھر مزا آئے گا زخم لگنے کے بعد ہی اس مرہم کی قدر ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کے ملنے کے دو ہی راستے ہیں

مدرسہ روضۃ العلوم بعد فجر سب سے پہلی بار ایک رات کے قیام کے بعد

ارشاد فرمایا کہ اللہ صرف دو راستوں سے ملتا ہے یا محبت نبی سے یا محبت ولی سے یعنی جب نبی زندہ ہو تو نبی کی محبت سے اور نبی کے بعد اس کے نائبین یعنی اولیاء اللہ کی محبت سے کیونکہ اللہ کے نبی نے فرما دیا کہ میرے بعد میرے نائبین کی محبت سے تم ولی اللہ بنو گے اس کے علاوہ اللہ کے ملنے کا کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے باقی سب راستے شیطانی ہیں۔ ہاں ولی وہی ہے جو صحیح معنوں میں نبی کا نائب ہو جو متبع سنت ہو اور جس پر نیابت کے آثار ظاہر ہوں، جن کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہو اس سے مراد علماء ربانین وصوفیا کاملین واولیاء اللہ کی وہ جماعت ہے جس کی زمین پر قیامت تک موجود رہنے کی بشارت احادیث میں وادر ہے اور جن کے لیے فرمایا گیا ہے کہ ان کا جلیس شقی نہیں رہ سکتا اگر ازلی طور پر شقاوت اس کے مقدر میں لکھی جا چکی تو ان کی مجالست کی برکت سے اللہ اس کی تقدیر بدل دے گا۔ نائب وہی ہوتا ہے جس کو خود حاکم مقرر کرتا ہے کہ فلاں ہمارا نائب ہے جو خود سے اپنے کو مقرر کرے اور نیابت کا دعویٰ کرے وہ نائب نہیں باغی ہے جیسے کہ صدر کی موجودگی میں کوئی وزیر کہے کہ

حکومت میری ہے آپ یہاں مہمان کے طور پر ہیں تو کیا انجام ہوگا گرفتار کر دیا جائے گا گولی مار دی جائے گی اور جو لوگ ایسے کی اتباع کرتے ہیں ان کو بھی گولی سے اڑا دیا جاتا ہے کہ وہ بھی باغی ہیں پس اسی طرح وہ پیر جن کی زندگی سنت و شریعت کے خلاف ہے وہ نبی کے نائب نہیں ہیں انہوں نے خود اپنے آپ کو مقرر کر لیا ہے یہ باغی ہیں ان کا انجام دوزخ ہے اور ان کے متبعین کا انجام بھی۔ غرض اگر اللہ کو چاہتے ہو تو بس اللہ کے ملنے کے صرف دو ہی راستے ہیں نبی کے زمانہ میں نبی کی محبت اور نبی کے زمانہ کے بعد اس کے نائبین یعنی نبی کے متبعین کی محبت۔ اس کے علاوہ کسی تیسرے طریقہ سے اللہ نہیں مل سکتا۔

قرآن پاک اپنے بندوں کے نام اللہ تعالیٰ کا خط ہے

ارشاد فرمایا کہ کسی کا بچہ اگر جرمنی میں پڑھتا ہے تو اپنی پرورش میں وہ باپ کا محتاج ہے اگر باپ اس کو منی آرڈر نہ بھیجے یا باپ کے خط میں دیر ہو جاتی ہے تو اس بچہ کی آنکھیں ڈاکیہ پر لگی رہتی ہیں اور جب باپ کا خط پا جاتا ہے تو کس شوق اور محبت کے ساتھ اس کو پڑھتا ہے کہ ہائے میرے باپ نے اس میں کیا کیا لکھا ہوگا روپیہ بھیجنے کی خوش خبری دی ہوگی غرض سینکڑوں امیدوں اور آرزوؤں اور شوق و محبت کے ساتھ وہ اس خط کو پڑھتا ہے۔

دوستو! اسی طرح یہ قرآن پاک ۳۰؍ پاروں کا خط ہے، مولیٰ کا پیغامِ محبت ہے اپنے بندوں کے نام اور ہم اپنی ہر سانس میں اپنے ربا کے محتاج ہیں جس طرح وہ لڑکا اپنے ابا کا محتاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللہِ﴾

(سورۃُ الفاطر، آیت: ۱۵)

اے لوگو! تم ہمارے محتاج ہو تم زمین و آسمان کے درمیان کے ہوسٹل میں رہ رہے ہو پردیس میں ہو یہ قرآن ہم نے تمہارے پاس اپنا پیغام محبت بھیجا ہے

تا کہ پردیس اور وطن دونوں میں تم کامیابی کے ساتھ رہ سکو اگر تم مال چاہتے ہو تو اس میں اس کا بھی نسخہ موجود ہے کہ کثرت سے استغفار کرو مال کی تم پر کثرت ہو جائے گی۔ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اس آیت میں یہاں اللہ نے یہ نہیں کہا کہ اللہ سے معافی مانگو بلکہ کہا کہ اپنے پرورش کرنے والے سے معافی مانگو جیسے اگر اولاد نافرمانی کرتی ہے تو باپ کہتا ہے کہ نالائق میں نے تیری پرورش کی میری ہی نافرمانی کرتا ہے! اے نالائق اپنے پرورش کرنے والے باپ سے معافی مانگ جس طرح باپ اپنی ربوبیت کا حوالہ دیتا ہے اسی طرح اللہ نے اس آیت میں یہی حوالہ دیا کہ اپنے پرورش کرنے والے سے یعنی اپنے رب سے معافی مانگو۔ اسی طرح یہ قرآن دستور محبت بھی ہے جس میں آداب محبت کی تعلیم دی گئی ہے کہ بندے اللہ سے محبت کرنا سیکھ جائیں۔

نادانی کی محبت سے بجائے رحمت کے غضب نازل ہو جاتا ہے

ارشاد فرمایا کہ نادانی کی محبت نہ کریں کیونکہ نادانی کی محبت پر بعض دفعہ بجائے کرم کے اور غضب نازل ہو جاتا ہے جیسے ایک آدمی اپنے سوئے ہوئے محبوب کی مکھیاں اڑا رہا تھا کہ ایک مکھی بار بار اس محبوب کے چہرے پر آکر بیٹھتی تھی تو ان عاشق صاحب کو بہت غصہ آیا کہ یہ مکھی میرے محبوب کو بہت ستا رہی ہے لہٰذا جب پھر آکر بیٹھی تو زور کا چپت رسید کر دیا مکھی کا مرنا تو ظنّی تھا لیکن چپت کا چہرہ پر لگنا یقینی تھا تو ایسی محبت کس کام کی۔ ایسی ہی نادانی کی محبت کفار مکہ نے کرنا چاہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے پیشکش کی تھی کہ ہم آپ کے اللہ پر ایمان لے آئیں گے لیکن ہماری چند شرطیں ہیں اگر آپ ہماری ان شرطوں کو پورا کر لیں تو ہمارے آپ کے درمیان کوئی اختلاف نہ رہے گا اور وہ یہ ہے کہ ایک سال ہم خوب آپ کے اللہ کی عبادت کریں گے اور اس سال ہم اپنے بتوں کی عبادت نہیں کریں گے اور دوسرے سال آپ ہمارے بتوں کی

عبادت کیجئے اور اپنے اللہ کی عبادت نہ کیجئے۔ ان کی یہ نادانی کی محبت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوگئی اور سورۂ قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ نازل ہوگئی کہ اے ہمارے نبی کہہ دیجئے لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ میں ان بتوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو بھلا کہاں اللہ اور کہاں پتھر کے بت جن پر کتا بھی ٹانگ اٹھا کر پیشاب کردیتا ہے۔

اللہ والے شیخ سے کیسی محبت ہونی چاہیے

ارشاد فرمایا کہ جو شخص ولایت کا اعلیٰ ترین مقامِ صدیقیت بلکہ اللہ کے راستہ کا پورا مزہ حاصل کرنا چاہے اس کو چاہیے (۱) کسی اللہ والے سے خُلّت کا تعلق قائم کرلے اور خُلّت کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کے علاوہ غیر پر نظر نہ جاوے اللہ رسول کے بعد اس اللہ والے پر دل و جان سے فدا ہو اگر اس کے علاوہ کسی دوسرے بزرگ پر بھی نظر ہے کہ چلو ان سے بھی استفادہ لے لیں تو سمجھ لو کہ اسے خُلّت حاصل نہیں اور یہ شخص صدیق نہیں ہوسکتا۔

اس اللہ والے پر جان و مال و آبرو قربان کرنے کا جذبہ دل میں رکھے کہ اگر میرا شیخ یہ حکم دے کہ چلو جہاد پر چل رہا ہوں تو پھر بیوی اولاد ماں باپ کچھ یاد نہ آئیں۔ اس کی محبت میں اپنی آبرو کی بھی پروا نہ کرے کہ اس کی خدمت کروں گا یا ہاتھ چوموں گا یا پاخانہ پیشاب صاف کروں گا تو لوگ کیا کہیں گے۔ ہر طرح شیخ کے آرام کی فکر کرے۔ میں اپنے شیخ کی کڑکڑاتی ہوئی سردیوں میں مالش کرتا تھا اور بدن دباتا تھا تو پسینے چھوٹ جاتے تھے حالانکہ اس زمانہ میں سرد ہوائیں چلتی تھیں بس یہ جذبہ تھا کہ کیسے اپنے شیخ کی جان پاک کو خوش کردوں جانے کس وقت دعا منہ سے نکل جائے ایک دفعہ میرے شیخ پھولپور سے پانچ میل دور ایک مدرسہ کے جلسے میں گئے ہوئے تھے رات بارہ بج گئے اور حضرت کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا میں نے سوچا کہ حضرت رات کو بھوکے

سو جائیں گے، میں نے حضرت سے پوچھا بھی نہیں کہ حضرت آپ کا کھانا پھولپور سے لے آؤں کیونکہ اگر پوچھتا تو حضرت منع کر دیتے کہ کوئی ضرورت نہیں اتنی تکلیف کرنے کی اس لیے میں نے پوچھا بھی نہیں اور چپکے سے سائیکل اٹھا کر پانچ میل پھولپور چل دیا راستہ میں چوروں کا بھی خطرہ تھا لہٰذا لاٹھی ساتھ رکھ لی اور سوچا کہ اگر راستہ میں مر بھی گیا تو کیا ہے ایک اللہ والے کی خدمت میں مارا جاؤں گا شہید ہو جاؤں گا اور حضرت میرے لیے رو کر کچھ اللہ سے کہہ دیں گے تو میرا کام بن جائے گا میاں یہ محبت ایسی چیز ہے کہ جان کی بھی پرواہ نہیں رہتی محبت میں آدمی وہ کام کر گزرتا ہے کہ جو چار آدمی نہ کر سکیں۔ بس گُر کی بات یہی ہے کہ کسی اللہ والے سے دل لگالو اس پر فدا ہو جاؤ تو برسوں کا راستہ منٹوں میں طے ہو جاتا ہے (معلوم ہوا کہ شیخ سے ہر خدمت کو پوچھنا بھی نہ چاہیے بلکہ سمجھ سے کام لے کر خود کر دے کہ شیخ کی جان پاک خوش ہو جائے۔ پوچھنے سے شیخ انکار کر دیتا ہے طالب کی تکلیف کے خیال سے)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا امتحانِ عاشقی اور حق تعالیٰ کی قدردانی

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحان کو بہت بڑا امتحان فرمایا بیٹے کو چھری کے نیچے لٹانا کوئی معمولی کام نہیں ہے دراصل حق تعالیٰ کو اہل دنیا کو دکھانا تھا کہ ہمارے عاشقین ہماری محبت میں کیا کیا کرتے ہیں کبھی معشوق چاہتا ہے کہ دنیا والے دیکھیں کہ ہماری محبت میں کیا کیا ہوتا ہے اللہ کی محبت کا سارا کھیل اسی لیے ہے کہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ اگرچہ ہمارے ان بندوں نے ہمیں دیکھا بھی نہیں لیکن بغیر دیکھے یہ ہم پر پروانوں کی طرح نثار ہو رہے ہیں کوئی آرے سے چیرا جا رہا ہے، کوئی سر کٹا رہا ہے کوئی آگ میں کود رہا ہے کوئی بیٹے کو چھری کے نیچے لٹا رہا ہے یہ کس کی محبت کا نشہ ہے جو تلوار کی دھار کے نیچے بھی نہیں اترتا تاکہ دنیا والے جان لیں کہ وہ

ذات پاک ہر شے سے زیادہ محبوب ہے جس کے یہ عاشق ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتحان عظیم امتحان تھا:

﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۝﴾

(سورۃ الصّٰفّٰت، آیت: ۱۰۳)

جب ان دونوں نے (حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام) ہماری بات کو تسلیم کر لیا اور بیٹے کو کروٹ سے لٹایا کہ ذبح کر دیں تو اللہ نے تصدیق کر دی قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا شاباش! اے ابراہیم آپ نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا اور پھر کیا اعزاز نصیب ہوا سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ بندہ پر مالک کی طرف سے سلام بھیجا جا رہا ہے، غلام پر مالک کا سلام آرہا ہے۔ اللہ اکبر! کیا نصیب ہے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کا، کہاں بندہ اور کہاں اللہ، نبی بھی تو منی کے قطرہ ہی سے پیدا ہوتا ہے لیکن قربانی و ایثار نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا کہ اسی بندہ پر اب اللہ کا سلام آرہا ہے۔ آہ کیسی قدردان ذات ہے وہ غلاموں کو خریدنے والی ذات ہے۔

سنتِ ابراہیم علیہ السلام کو زندہ کرنے کی ایک ترکیب

اب اگر کوئی مومن خواہش کرے کہ میں اس سنت ابراہیمی کو کیسے زندہ کروں؟ تو اس کی بھی ایک ترکیب ہے اپنی ہر بری خواہش کو جو چاہے دل کو کتنی ہی محبوب ہو لیکن اللہ کی رضا کے خلاف ہو ذبح کر دو۔ کیونکہ بعض کے لیے خواہشاتِ نفسانیہ اولاد سے زیادہ عزیز تر اور محبوب ہوتی ہیں دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے لوگ اپنی اولاد کو چھوڑ کر کسی عورت کے ساتھ بھاگ گئے بچوں کا کچھ خیال نہ کیا تو کیا وجہ ہے یہی کہ ان کی خواہش انہیں اپنی اولاد سے زیادہ عزیز تھی۔ بس جب گناہ کا تقاضا پیدا ہو اور دل تڑپ جائے کہ ہائے اس خواہش کو پورا کر لوں اور خیال آئے کہ دنیا کی کوئی شے مجھے اس خواہش سے زیادہ عزیز نہیں تو فوراً اس کو پچھاڑ دو اور اس پر اللہ کی مرضی کی تلوار چلا دو یعنی اس

تقاضا پر ہرگز عمل نہ کرو اس طرح گویا تم نے اپنی اولاد کو اللہ کے راستہ میں ذبح کر دیا اور کیا عجب اس قربانی کی برکت سے اللہ اپنے خلیلوں میں حشر فرمادے۔ اور اس تلوار چلانے کے بعد دو نفل پڑھ کر اللہ کا شکر ادا کرو کہ اے اللہ اپنی اس خواہش پر جو مجھے اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز تھی میں نے اس پر آپ کے حکم کی تلوار چلادی آپ محض اپنے فضل سے اس قربانی کو قبول فرمالیجئے۔ اے اللہ یہ تلوار میں نے کیا چلائی آپ کی دی ہوئی توفیق سے چلی ہے اگر آپ توفیق نہ دیتے تو یہ قربانی دینا میرے بس کا کام نہ تھا۔

کوئی عاشق مزاج اپنی نظر کو جب بچاتا ہے
تو آرے دل پہ چلتے ہیں کلیجہ منہ کو آتا ہے

شکر کرو کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾

(سورۂ ابراھیم، آیت:۷)

تم شکر کرو گے تو ہم زیادہ نعمت دیں گے اس شکر کی برکت سے گناہ کے شدید تقاضوں پر چھری چلانا آسان ہوتا رہے گا کیونکہ جتنا تقاضا شدید ہوگا اس تقاضا کو ذبح کرنے یعنی اس کے خلاف عمل کرنے سے نور بھی اتنا ہی قوی پیدا ہوگا۔ اس شکر کی برکت سے حق تعالیٰ یوں ترقی دیں گے کہ تقاضے شدید پیدا ہوں گے پھر حق تعالیٰ کی توفیق سے جب ان پر عمل نہ کرو گے تو قرب میں دن بدن ترقی ہوتی رہے گی۔

امتحان کے پرچے

ارشاد فرمایا کہ گناہ کے تقاضوں سے گھبرانا نہ چاہیے بلکہ جب خواہشات زیادہ پیدا ہوں تو خوش ہونا چاہیے کہ امتحان ہو رہا ہے۔ یہ خواہشات کیا بس امتحان کے پرچے ہیں۔ بتاؤ! بغیر پرچوں کے کہیں امتحان ہوتا ہے اور کوئی پر

چہ نہ دے تو کیا پاس ہو سکتا ہے؟ پس سمجھ لو کہ یہ پرچے ہیں جن کو پاس کر کے تم اللہ کے پاس پہنچ جاؤ گے۔ ان پرچوں پر تمہاری کامیابی موقوف ہے پھر گھبرانا کیا معنیٰ؟ اگر یہ پرچے نہ ہوں تو ترقی بھی ناممکن ہے۔ بتاؤ! امتحان دیئے بغیر کسی کو ترقی ملتی ہے؟ ان خواہشات کے پرچوں میں کامیابی ان کے خلاف عمل کرنے سے ہوتی ہے، اگر ان خواہشات کے پرچوں کو حل کر لیا یعنی ان کے خلاف عمل کرتے رہو تو اس دنیا کی امتحان گاہ سے کامیاب جاؤ گے مرنے کے بعد تو جو عیش ملے گا وہ ملے گا ہی، دنیا ہی میں روح کو ایسا عیش نصیب ہوگا جو بادشاہوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا اور دنیوی وجسمانی آرام الگ ہے۔ دنیا میں بھی ایسی ایسی نعمتیں نصیب ہوں گی جو بڑے بڑوں کو نصیب نہیں ہوئیں اگرچہ روح کے عیش کے مقابلہ میں ان کی کوئی نسبت نہیں اتنی بھی نسبت نہیں جتنی ذرہ کو آفتاب سے ہے۔ بعض اولیاء اللہ کا آرام دیکھ کر بعض لوگ للچاتے ہیں کہ یہ لوگ تو بڑے مزے میں ہیں لیکن ان لوگوں کی نظر صرف جسم کے عیش پر ہے روح کے عیش کی تو ان کو خبر ہی نہیں کہ روح کو جو مزہ نصیب ہے جسمانی نعمتیں ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے کرتے کے نیچے جیبیں بنوا رکھی ہوں اور اس میں لاکھوں روپے چھپا رکھے ہوں اور وہ لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوں۔ دس دس کے کچھ نوٹ کرتے کی اوپر کی جیبوں میں رکھ چھوڑے ہوں جو نظر بھی آرہے ہوں تو اگر کوئی شخص کرتے کے اوپر کی جیبوں پر للچائی ہوئی نظر ڈالے گا اور کہے گا کہ یہ شخص بڑے مزہ میں ہے تو وہ شخص جس کے کرتے کے نیچے لاکھوں روپے چھپے ہوئے ہیں اس شخص پر ہنسے گا کہ بے وقوف تو اوپر کی دولت کو بہت سمجھ رہا ہے تجھے اس دولت کے عیش کی خبر بھی نہیں جو میں نے اندر چھپا رکھی ہے۔ بس یہی حال اولیاء اللہ کے جسم اور روح کے عیش کا ہے۔ لوگ ان کے دنیاوی عیش کو بہت سمجھتے ہیں حالانکہ اہل اللہ کی ارواح طیبہ کو جو عیش

نصیب ہے وہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں جس کی سوائے ان کے کسی کو خبر نہیں۔

روح کی مقوی غذا

ارشاد فرمایا کہ آجکل روح کی غذا کی فکر نہیں ہے جو بہت فکر کی تو بس فرض ڈیوٹی کو کافی سمجھتے ہیں نماز روزہ کرلیا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، حدیث قدسی ہے:

((لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ...الخ))

(صحیحُ البخاری، کتابُ الرِّقاق، باب التواضع، ج:۲،ص:۹۶۳)

کہ صرف فرض کی ادائیگی سے یعنی بغیر نوافل کے کوئی ولی نہیں ہوسکتا اس کے برعکس جسم کے معاملہ میں صرف فرض کی ادائیگی پر قناعت نہیں ہوتی۔ کیوں صاحب! کوئی حلوہ اور بالائی اور بریانی کھانا تو فرض نہیں تھا چٹنی روٹی سے بھی جسم کا فرض ادا ہوسکتا تھا فرض تو اتنا ہی ہے کہ بس معدہ بھر جائے لیکن اس کے لیے اگر کہو بھی کہ میاں بریانی کی کیا ضرورت ہے بس چٹنی روٹی کھالو تو کہتے ہیں کہ بھائی دفتر کا کام کیسے کروں گا جسم کو کچھ مقوی غذا بھی تو پہنچنا چاہیے ورنہ میں کمزور ہوجاؤں گا، جسم کی صحت وقوت کے بارے میں خوب سمجھ آجاتی ہے وہاں صرف فرض کی ادائیگی پر قناعت نہیں کچھ بالائی دودھ وغیرہ کے نوافل کو کتنا اہم سمجھا جاتا ہے لیکن افسوس یہ عقل نہیں ہے کہ محض فرض ادا کرلینا اور نوافل کا اہتمام نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے جسم کو صرف چٹنی روٹی کھلا دینا اور بریانی کباب بالائی وغیرہ سے محروم کردینا۔ بس روح کی قوت اور صحت کے لیے کہ اس میں ولایت کی قوت پیدا ہوجائے ضروری ہے کہ اس کو ذکر ونوافل کی بالائی کھلاؤ ورنہ یہ روح بھی کمزور ہوجائے گی اور اس کا انحطاط بھی شروع ہوجائے گا۔

اسلام میں جمہوریت کی حقیقت

ارشاد فرمایا کہ اسلام میں جمہوریت کوئی چیز نہیں ہے کہ جدھر زیادہ ووٹ

ہو جائیں ادھر ہی کو ہو جاؤ بلکہ اسلام کا کمال یہ ہے کہ ساری دنیا ایک طرف ہو جائے لیکن مسلمان اللہ ہی کا رہتا ہے۔ اگر ساری دنیا کفر کے حق میں ووٹ دے دے تو بھی مومن کا ووٹ اللہ ہی کے لیے وقف رہتا ہے۔ مومن جان دے دے گا لیکن اپنے اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کی پہاڑی پر نبوت کا اعلان کیا تھا تو الیکشن اور ووٹوں کے اعتبار سے کوئی بھی نبی کے ساتھ نہ تھا نبی کے پاس صرف ایک اپنا ووٹ تھا لیکن کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغام کے اعلان سے باز آ گئے کہ جمہوریت کیونکہ میرے خلاف ہے، اکثریت کی ووٹنگ میرے خلاف ہے اس لیے میں اعلانِ نبوت سے باز رہتا ہوں۔ صفا کی پہاڑی پر اعلان ہو رہا ہے بغیر فوج ولشکر، پھر اللہ نے اپنی فوج اور اپنا لشکر دکھایا یہاں تک کہ حق باطل کے بھیجے پر گرا اور باطل کے بھیجے کو پاش پاش کر دیا۔ اس لیے اسلام میں اکثریت و جمہوریت کے ساتھ ہونا ضروری نہیں حق کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اکثریت اگر حق کے خلاف ہے تو حق کی اقلیت اس اکثریت پر غالب ہوتی ہے۔

۲۱ رصفر ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۱۸ راپریل ۱۹۷۱؁ء، بروز اتوار

تکلیفِ مجاہدہ کے بعد لذتِ مشاہدہ کی تمثیل

ارشاد فرمایا کہ وضع حمل میں عورت کو کتنی شدید تکلیف ہوتی ہے کہ جان ہونٹوں پر آ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس حالت میں مر جائے تو شہید ہے۔ لیکن جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کو ماں کے سامنے لایا جاتا ہے اور جس وقت وہ اس کو سینہ سے لگاتی ہے تو پوچھو کہ اس وقت کیا اس کو کوئی تکلیف یاد رہتی ہے؟ اسی طرح آج جو بندہ اللہ کے لئے مجاہدات وریاضات کی تکالیف جھیل رہا ہے اور گناہوں کے تقاضوں یا مصیبتوں

پر صبر کر رہا ہے یا کسی ظالم کے ظلم پر صبر کر رہا ہے اگرچہ ان تکالیف پر کلیجہ منہ کو آجاتا ہے لیکن ان مجاہدات کی مشقتوں کے بعد جس دن تمہیں اللہ ملے گا بلکہ جس دن اس کے ذرۂ جمال کا مشاہدہ ہو جائے گا اس دن تم مجاہدات کی ساری تکالیف کو بھول جاؤ گے اور بزبانِ حال کہو گے کہ ہائے یہ تکالیف کیا اگر میری ایک جان نہیں ایک لاکھ جانیں قربان ہو جاتیں پھر اللہ ملتا تو یہ سودا سستا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پاکِ رسالت کو کیا مزہ ملا تھا جو آپ یہ فرما رہے ہیں:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ))

(صحیح البخاری، باب تمنی الشھادۃ، ج:۱، ص:۳۹۲، رقم الحدیث:۲۷۹۷)

قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اس بات کو محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ ایک دفعہ قتل ہونے کا مزہ تو ایک دفعہ کے بعد ختم ہو جائے گا، اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمنا فرما رہے ہیں کہ پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ کوئی بے مثل مزہ ہی تو ہے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ تمنا فرما رہے ہیں۔

۲؍ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۸؍ اپریل ۱۹۷۱ء، بروز بدھ

ایک شعر کی مختصر دردانگیز تشریح

آج حضرت والا دامت برکاتہم نے ازراہِ کرم احقر کے لئے یہ شعر فرمایا ؎

ہے کس کی جستجو میں ترے درد کا یہ حال
عشرت ہے اپنا چاک گریباں کئے ہوئے

پھر فرمایا کہ اس شعر کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اللہ کی جستجو میں عشرتیں یعنی راحتیں

الم سے تبدیل ہوگئی ہیں اور وہ الم عشرتوں سے زیادہ لذیذ ہے۔

احقر کے بارے میں حضرتِ والا کے دو شعر

تقریباً ۴۳/۴۳ سال پہلے جب احقر حضرت والا دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوا اس زمانے میں بے اختیار وقفہ وقفہ سے احقر کے منہ سے سرد آہ نکل جاتی تھی۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت والا دامت برکاتہم نے فی البدیہہ یہ دو شعر فرمائے ؎

مجبور ہو کے آہ کرے ہے جو بار بار
شاید ہے کوئی چوٹ اٹھائے ہوئے جگر

سب خوشی قربان ہے بر آہِ سردِ عاشقاں
لالہ و گل ہیں فدا بر روئے زردِ عاشقاں

علمِ دین حاصل کرنے میں نیت کی درستگی

ارشاد فرمایا کہ علم دین حاصل کرنے میں نیت صرف یہ ہو کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے لے لئے علم سیکھ رہا ہوں یعنی میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ یہ نیت کرنا کہ امت کو دین سکھاؤں گا، واعظ بنوں گا یا مدرس بنوں گا، وعظ و نصیحت کروں گا، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ نیت کرنا درست نہیں۔ اس میں بھی نفس شامل ہوتا ہے۔ دراصل اس میں امت میں بڑا بننے کی نیت چھپی ہوئی ہے۔

جب امام غزالی طالبِ علم تھے بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ علم کیوں حاصل کر رہے ہو؟ تو فرمایا کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے۔ بادشاہ نے صرف امام صاحب کی وجہ سے مدرسہ بند نہیں کیا ورنہ اس کا ارادہ تھا کہ مدرسہ میں تالا ڈال دے کیونکہ مدرسہ کے تمام طلبہ سے بادشاہ نے یہ سوال کیا تو کسی نے کہا کہ میں واعظ بنوں گا کسی نے کہا کہ میں مدرس بن کر امت میں دین کی

اشاعت کروں گا کسی نے کہا کہ میں امام بنوں گا۔ غرض سوائے امام صاحب کے کسی نے یہ نہیں کہا کہ علم اس لئے سیکھ رہا ہوں کہ اللہ کو راضی کروں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر یہ لڑکا آج مدرسہ میں نہ ہوتا تو میں مدرسہ کو تالا لگا دیتا کیونکہ سارے طالب علم دنیا کے طالب تھے، صرف یہ لڑکا اللہ کا طالب ہے۔ پس علم کے حصول میں نیت کی درستگی کی بہت ضرورت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امت کو دین سکھانے کی یا وعظ کہنے کی نیت کرنا یا درس وتدریس کی نیت کرنا بھی تو دین معلوم ہوتا ہے، پھر اس کی نیت کرنے میں کیا نقصان ہے؟ تو اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کرو کہ لیلیٰ اپنی رضا اور ناراضگی کا ایک قانون شائع کردے کہ میں فلاں بات سے اور عمل سے راضی ہوتی ہوں اور فلاں فلاں باتوں سے ناراض ہوتی ہوں اور اس قانون کو پڑھانے کے لئے وہ مدرسے بھی قائم کردے۔ اب جو لوگ لیلیٰ کے قانون کو حاصل کر رہے ہوں ان میں کسی کی نیت یہ ہو کہ میں لیلیٰ کے مدارس کا مدرس بنوں گا یا کسی کی نیت یہ ہو کہ میں لیلیٰ کے محل کی مسجد کا امام بنوں گا، کسی کی نیت یہ ہو کہ لیلیٰ کا قانون سیکھ کر میں اس کے کسی ضلع میں کمشنر بن جاؤں گا اور کسی کی نیت یہ ہو کہ میں لیلیٰ کا قانون اس لئے سیکھ رہا ہوں کہ اس کے ذریعہ یہ معلوم کروں گا کہ لیلیٰ کس بات سے ناراض ہوتی ہے تاکہ اس سے بچوں اور وہ کس بات سے خوش ہوتی ہے تاکہ اس کا اہتمام کروں، خود سوچ لو کہ اگر لیلیٰ کو سب طلبہ کی نیت معلوم ہوجائے تو وہ کس سے زیادہ خوش ہوگی؟ وہ اس شخص سے خوش ہوگی جو اس کا قانون اس کی ناراضگی سے بچنے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے سیکھ رہا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی اس طالب علم سے خوش ہوتے ہیں جس کی نیت ان کے قانون کے سیکھنے سے محض ان کی رضا ہو۔ وہ دیکھتے ہیں کہ یہ شخص عہدہ کا اور جاہ کا طالب نہیں ہے، یہ ہمارا طالب ہے۔ یہی ہے يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وجہٗ کے معنی

چہرہ کے ہیں۔ اس سے حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ لوگ ہماری رضا کے طالب ہیں۔ یہ ہمیں اس لئے یاد نہیں کرتے کہ یہ لوگوں میں اولیاء اللہ مشہور ہو جائیں یا مفسر اور محدث مشہور ہو جائیں بلکہ یہ ہمارا ارادہ کرتے ہیں، یہ ہماری ذات کے عاشق ہیں۔ ان کی یاد سے ان کی غرض صرف یہ ہے کہ ہم ان کو مل جائیں۔ ہماری محبت میں انہوں نے ہر دو عالم سے صرف نظر کر لیا ہے، سلطنتوں سے بے نیاز ہیں، جان سے بے نیاز ہیں، یہ صرف ہمیں چاہتے ہیں۔

۳/ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۹/اپریل ۱۹۷۱ء، بروز جمعرات

سب سے بڑی دولت سرمایہ ایمان ہے

ارشاد فرمایا کہ ایمان کی دولت سب سے قیمتی دولت ہے۔ دنیا کی کوئی دولت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی ؎

یاد او سرمایۂ ایماں بود

جو شخص دولت مند ہونا چاہے تو اصل دولت مند وہی ہے جس کے پاس یہ دولتِ ایمان ہو۔ اس دولت کی قیمت کا اندازہ لگالو کہ زمین و آسمان صرف اسی کی وجہ سے قائم ہیں۔ جس دن کوئی ایمان والا نہ رہے گا اس دن آسمان گر پڑے گا، سورج، چاند، ستارے سب گر پڑیں گے۔ ایمان کی طاقت وہ طاقت ہے جو زمین و آسمان کو روکے ہوئے ہے، یہ نہیں تو یہ کائنات بھی نہیں رہے گی۔ کائنات کی جان ہے ایمان۔ لیکن یہ ہے کس کے پاس؟ یہ ان کے پاس نہیں ہے جن کے جسم پر ریشم کا لباس ہے لیکن اللہ سے باغی ہیں اور اگر کسی کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے ہیں خستہ حال ہے لیکن دل میں ایمان کی دولت پوشیدہ ہے وہ اصل دولت مند ہے، کیونکہ موتی تو اندر چھپا کر ہی رکھا جاتا ہے۔ اس بادام کی کیا قیمت ہے جس کا چھلکا تو خوب چکنا رنگ و روغن والا ہو لیکن جب اس کو پھوڑا

جائے تو اندر سے خالی ہو، گری یعنی مغز نہ ہو۔ بادام کی قیمت تو گری ہی سے ہوتی ہے۔ جسم بھی ایک چھلکا ہے اور ایمان گری ہے جس چھلکے میں یہ گری ہے وہی قیمتی ہے چاہے اوپر سے جسم کا چھلکا خستہ وخراب ہو۔ پس قیامت کے دن جب کافروں کے خوبصورت جسموں کو توڑا جائے گا اور ایمان کی گری ان میں سے نہ نکلے گی اس دن معلوم ہوگا کہ یہ جسم کتنے بے قیمت وخراب ہیں۔ اگرچہ دنیا میں یہ بڑے چمک دمک والے معلوم ہوتے تھے لیکن بات یہ تھی کہ اصل چیز سے تو یہ محروم تھے۔ تو اصل سرمایہ ایمان ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ مان لیا کہ زمین وآسمان بھی ایمان سے قائم ہیں لیکن اللہ کی یاد سے مجھے کیا ملے گا؟ میں تو غریب ہی رہوں گا۔ تو اس کا مولانا جواب دیتے ہیں کہ ۔

ہر گدا از یاد او سلطاں بود

ہر فقیر اللہ کی یاد سے بادشاہ ہو جاتا ہے۔ تو اس کے کیا یہ معنی ہیں کہ ذکر کرنے کے بعد یہ تار آجائے گا کہ اے بندے تجھے فلاں ملک کا بادشاہ بنا دیا گیا کیونکہ تو نے ذکر کیا تھا۔ اس سے مراد روح کی سلطانیت اور بادشاہت ہے، روح کا چین ہے، سکون ہے، اطمینان ہے۔ بادشاہوں کو بادشاہت کی بھیک دینے والا جس جان میں آجائے تو بتاؤ کہ اس جان کی بادشاہت کا کیا عالم ہوگا۔ ایسا شخص ساری دنیا کے بادشاہوں کو نگاہ میں نہیں لائے گا۔ ہاں کسی کو حقیر بھی نہیں جانے گا بلکہ ڈرتا رہے گا کہ کہیں کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں کہ جا نالائق! تیرا دل اس قابل نہیں کہ ہم اس میں رہیں۔ وہ ایسا مکین ہے جس پر کسی کا اختیار نہیں۔ اس لئے جس دل میں وہ احکم الحاکمین ہوتا ہے وہ دل تو ڈرتا ہی رہتا ہے اور یوں درخواست کرتا ہے ۔

ہیں مراں از روئے خود او را بعید

آنکہ او یک بار روئے تو بدید

اے اللہ! آپ اپنے چہرہ سے اس کو دور نہ کیجئے جس نے ایک بار آپ کا چہرہ دیکھ لیا۔ رو یعنی چہرہ سے کیا مراد ہے؟ جو آپ کی یاد میں رو رہا ہے گناہوں سے بچنے کی تکلیفیں جھیل رہا ہے، طاعتوں کا اہتمام کر رہا ہے، اس نے گویا آپ کا چہرہ دیکھ لیا، آپ کا قربِ خاص حاصل کرلیا اور اس کو یہ اکرام و اعزاز نصیب ہو گیا۔ تو اے اللہ جو صرف ایک دفعہ بھی آپ کی یاد میں رولیا ہو آپ اس کو اپنے دیدار سے محروم نہ کیجئے، اپنے سے دور نہ کیجئے یعنی گناہوں کے ابتلا سے محفوظ فرمایئے۔ آپ کے قرب کے بعد آپ سے دوری سے بڑھ کر آدمی کے لئے کوئی ذلت نہیں۔

پس یہ سرمایۂ ایمان حق تعالیٰ کی یاد ہی سے نصیب ہوتا ہے اب اس کی کوئی حد نہیں ہے جو جتنا چاہے کما لے۔ دنیا کی کمائی کے لئے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے، خون اور پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے تب جا کر دنیا ملتی ہے لیکن اللہ کی یاد سے جو بادشاہت ملتی ہے اس بادشاہت کے لئے نہ فوج ولشکر کی ضرورت ہے نہ تخت و تاج کی۔ یہ سلطنت فرشِ خاک پر نصیب ہو جاتی ہے۔ کپڑے پر پیوند لگے ہوئے ہیں، خاک پر ایک اللہ والا بیٹھا ہوا ہے لیکن روح عرش پر اللہ کے قرب خاص سے مشرف ہے، بغیر تخت و تاج و بغیر لشکر و سپاہ کے اس کو کیسی سلطنت حاصل ہے، اس کیفیت کو کوئی نہیں جان سکتا سوائے اس کے جس کو یہ نصیب ہو جائے۔ بس اتنا سمجھ لو کہ سب سے بڑی دولت کا حاصل کرنا اللہ نے سب سے زیادہ آسان کر دیا، اپنی غلامی پر ان کی ولایت کا تاج رکھ لو تم شاہوں کے شاہ ہو جاؤ گے اور یہ نصیب ہو گی ان کی یاد سے۔ یاد کی کوئی حد نہیں جو جتنا اللہ کو یاد کرے گا یہ سرمایۂ ایمان اس کو اتنا ہی زیادہ نصیب ہو گا۔ اب اپنا اپنا ظرف ہے جو جتنا چاہے لے لے۔ لیکن از خود ذکر شروع نہ کرے، شیخ سے مشورہ کرے، وہ بتائے گا کہ کتنا ذکر کرو۔ ورنہ زیادہ ذکر کر کے پاگل ہو جاؤ گے۔

جس طرح ڈاکٹر سے مشورہ کر کے دوا کھاتے ہو، اپنی رائے سے نہیں کھاتے۔ بس جتنا شیخ ذکر بتائے اتنا کرو۔ اس طرح جب ذکر کی عادت پڑ جائے گی تو بغیر ذکر کے چین نہ آئے گا۔ جس شخص کی آمدنی ۱۰۰/روپیہ روزانہ ہو اس کو اگر کسی دن سو روپیہ نہ ملے تو دل کو کیسی بے چینی ہوتی ہے کہ ہائے آج سو روپیہ نہیں ملا۔ اسی طرح ذکر کے ناغہ سے دل کو بے چین ہو جانا چاہئے کہ دونوں جہان سے زیادہ قیمتی چیز آج ضائع ہوگئی۔ جب تک ذکر نہ کرلو دل کو چین نہ آئے۔

۵/ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ، مطابق ۳۰/اپریل ۱۹۷۱ء

آیتِ شریفہ میں ظَلُوۡمًا جَھُوۡلًا فرمانا دُشنامِ محبت ہے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَحَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ﴾

(سورۃ الاحزاب، آیت:۷۲)

ہم نے اپنی محبت کی امانت پیش کی آسمانوں اور زمین پر اور پہاڑوں پر تو انہوں نے مارے ڈر کے انکار کر دیا اور انسان نے اس بارِ امانت کو اٹھالیا۔

بارِ امانت یعنی احکام شریعت کو اٹھانے سے زمین و آسمان نے اپنے ضعف کی وجہ سے انکار کر دیا لیکن انسان نے اٹھالیا اس وجہ سے کہ اس کے اندر عشق کا مادّہ تھا محبت میں آدمی اپنی طاقت سے زیادہ کام کر جاتا ہے حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ انسان نے اس بارِ امانت کو اٹھالیا کہ میاں آپ حکم کریں اور میں نہ اٹھاؤں یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔

ترے جلووں کے آگے جان کو ہم کیا سمجھتے ہیں

میاں نے جو آگے فرمایا کہ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَھُوۡلًا یہ دشنامِ محبت ہے۔ جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے سے کوئی بوجھ اٹھانے کو کہے جو اس بچے کی طاقت سے زیادہ ہو

اور وہ بچہ اٹھالے تو باپ محبت سے کیا کہتا ہے ارے بدھو! یہ تو نے کیا اٹھالیا یہ محبت میں کہتا ہے۔ یہاں جومیاں نے ظالم کہا تو یہ بوجہ محبت ہے۔ یہاں میاں نے اپنے بندوں کی دلجوئی کے لئے اپنا پیمانۂ محبت چھلکا دیا کیونکہ وہ ہمارے مزاج سے واقف ہیں کہ یہ ظالم کہنا محبت کی بات ہے ہمارے بندے ہماری اس بات کو سمجھ لیں گے کہ ہم جو یہ ظالم کہہ رہے ہیں تو یہاں یہ معنیٰ نہیں کہ تم سچ مچ ظالم ہو بلکہ اس وقت ہم مارے محبت کے یہ کہہ رہے ہیں جیسے خواجہ صاحبؒ نے کہا ؎

مستی سے ترا ساقی کیا حال ہوا ہوگا
جب تو نے وہ مے ظالم شیشے میں بھری ہوگی

یہاں شیخ کو مرید ظالم کہہ رہا ہے۔ ایک خاص مقامِ محبت پر یہ کہہ رہا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ علماءِ عاشقین نے ہی سمجھا ہے۔ خشک مولوی اس کا ترجمہ سمجھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسی انسان کا نام قرآن میں جگہ جگہ کس عزت واکرام سے لیا گیا ہے، فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا ○﴾

(سورۃ النسآء، آیت:۱۲۵)

اور:

﴿اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ○﴾

(سورۂ ھود، آیت:۷۵)

اور اگر بندہ کو خلیل فرمانا، اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ فرمانا وغیر ذالک محبت ہے تو یہاں ظَلُوْمًا جَهُوْلًا فرمانا یہ جانِ محبت ہے۔ اس ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کا لطف ان جانوں سے پوچھو جو اللہ کی عاشق ہیں اس دشنام میں آج بھی ان کو کیا لذت مل رہی ہے ؎

جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکرخا را

۶ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ، مطابق ۲ مئی ۱۹۷۱ء

جنتی ہونے کی علامت

ارشاد فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں ہیں یعنی جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دے دی تھی کہ یہ جنتی ہیں پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پر جب کبھی غلبۂ خوف ہوتا تھا تو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صاحبُ السِّر تھے ان سے پوچھا کرتے تھے کہ ابو حذیفہ سچ بتلانا کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منافق تو نہیں بتایا تھا۔ اب یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت پر یقین نہیں تھا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی خبر دے دی تو کیا وجہ ہے کہ نبی کی اس بشارت کے باوجود وہ خود کو منافق سمجھ رہے ہیں، کیا بشارتِ نبی صلی اللہ وعلیہ وسلم پر ان کو یقین نہیں تھا تو اس کا جواب میرے شیخ نے دیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی اپنے نفس پر اس حد تک بدگمانی کہ اپنے ایمان تک پر شبہ کرنا یہ اس بشارت کا جز اور علامت ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ دیکھو یہ ہیں جنتی بندے جو اپنے نفس سے کس قدر بدگمان رہتے ہیں یہی علامت ان کے جنتی ہونے کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی اپنے نفس سے اس بدگمانی سے ان کا بشارت کا مصداق ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا تاکہ اہلِ دنیا سمجھ جائیں کہ وہ لوگ جو جنتی ہیں وہ اپنے نفس پر کس قدر بدگمانی رکھتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں انہیں اپنے ایمان پر بھی بھروسہ نہیں ہوتا کہ نہ معلوم دل کے اندر کیا ہے وہ ڈرتے رہتے ہیں اس کے برعکس کافر کے دل میں کبھی کوئی کھٹکا نہیں ہوتا اس کو اپنے نفس سے بدگمانی نہیں ہوتی وہ سمجھتا ہے کہ میں مقبول ہوں بخشا بخشایا ہوں یہ علامت ہے اس کے دوزخی ہونے کی۔

دین پر ثابت قدمی کا نسخہ

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَۃً فَاثۡبُتُوۡا فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا الخ﴾

(سورۃ الانفال، آیت:۴۵)

اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ جماعتِ کفار سے ہوگا اس وقت شیطان تمہارے پاس آئے گا اور کہے گا کہ تلوار سے لڑنے میں تمہیں بڑی تکلیف ہوگی بیوی بچے چھوٹ جائیں گے مال و دولت چھوٹ جائے گا عیش و آرام ختم ہو جائے گا کہاں جاتے ہو چلو گھر بیٹھو اے میرے بندو جب شیطان تمہارے دل میں ایسی کمزوری ڈالے تو تم ثابت قدم رہو اور ہرگز اس کے کہنے پر عمل نہ کرنا لیکن یہ ثابت قدمی جو تمہیں صراطِ مستقیم سے نہ ہٹا سکے کیسے حاصل ہوگی فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اس کثرتِ ذکر کی برکت سے تم میں ایسی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ کافر کی گردن کاٹنا کیا اپنی گردن کٹانا آسان ہو جائے گا۔ تمہیں اپنی جان دینا آسان ہو جائے گا کیونکہ جان کی جان تو ہم ہیں اس ذکر کی برکت سے جب ہم تمہاری جان میں آجائیں گے پھر تم اپنی جان کو ہمارے لئے سستا کر دو گے۔ پھر تمہیں اپنی جان حقیر و بے قیمت نظر آئے گی۔ بس کافروں کے مقابلے کے لئے ثابت قدمی کا نسخہ صرف ہمارا ذکر ہے اگر ہمارا ذکر چھوڑ دو گے تو پھر تمہاری ہمتیں پست ہو جائیں گی اور کافر تم پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔ اس دور میں کافروں سے جہاد کا تو ابھی وقت نہیں آیا اگرچہ جہاد اپنے وقت پر قیامت تک جاری رہے گا لیکن ایک دوسرا جہاد ہے جو اب بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا وہ نفس کے ساتھ جہاد ہے نفس میں خواہشات کے لاکھوں کافر پوشیدہ ہیں جو نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ جملہ طاعات میں مانع ہیں اور گناہوں اور اللہ کی نافرمانیوں پر ہر وقت آمادہ ہیں۔ کفر و اسلام کی جنگ قلب

میں ہر وقت جاری ہے۔ کافروں سے جنگ کرنا نفس کے ساتھ جنگ کرنے سے آسان ہے یعنی خواہشات کے کافروں سے جنگ مشکل ہے کیونکہ یہ دشمن ایسے ہیں جو پہلو میں چھپے ہوئے ہیں اِنَّ اَعۡدَا عَدُوِّكَ فِیۡ جَنۡبَیۡكَ۔ آستین کا سانپ جو ہوتا ہے وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے گھر کے اندر جو دشمن ہوتا ہے وہ زیادہ ضرر رساں ہوتا ہے اس لیے ان بڑے دشمنوں سے یعنی خواہشات سے مقابلہ میں ثابت قدمی کیسے نصیب ہوگی فَاذۡكُرُوۡا اللّٰهَ كَثِیۡرًا اسی ذکر کی برکت سے۔ ذکر کی کثرت سے اپنی ہر اس خواہش پر جو اللہ کے مقابلے پر آئے گی تمہیں اس خواہش پر تلوار مارنے کی ہمت پیدا ہوجائے گی۔ نماز کے وقت خواہش کہے گی کہ نیند اچھی آرہی ہے سوتا رہ، کہاں جاتا ہے تم اس ذکر کی برکت سے اس خواہش کو قتل کردو گے، اسی طرح نفس کہے گا کہ فلاں عورت خوبصورت ہے ذرا دیکھ لے اس ذکر اللہ کی برکت سے تمہاری تلوار خواہشات کے تمام کافروں کو قتل کردے گی یعنی ایسی ہمت پیدا ہوگی کہ خواہشات کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرو گے اور خواہش کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرنا ہی اس کو قتل کرنا ہے۔ دین پر ثابت قدمی کے لیے ذکر اللہ کا نسخہ اکسیر ہے اگر اس کو چھوڑ دو گے تو پھر خواہشات کے مقابلہ کی ہمت بھی پست ہوجائے گی اور یہ کافر تم پر غلبہ حاصل کرلیں گے۔ تمہارا دارالخلافۂ قلب جس پر اللہ کی حکومت کا جھنڈا لہرا رہا تھا اب اس پر خواہشات و نفس و شیطان کی حکومت ہوجائے گی۔ نفس کے ساتھ یہ جنگ صرف ذکر کے دوام سے جیتی جاسکتی ہے ورنہ خواہشات کا مقابلہ مشکل ہے۔ غرض یہ آیتِ شریفہ دونوں قسم کے جہاد یعنی کفار کے ساتھ جہاد اور خواہشاتِ نفس کے ساتھ جہاد دونوں پر حاوی ہے۔ کسی کا دل اللہ کی یاد میں نہ لگتا ہو دنیا کے پردیس میں دل بالکل لگ چکا ہو طاعتوں سے بے رغبتی ہوگئی ہو گناہوں کو چھوڑنے کی بالکل ہمت نہ رہی ہو۔ غرض خواہشات کے کافروں کا کیسا ہی غلبہ ہوچکا ہو کسی اللہ والے

کے مشورے سے ذکر شروع کردو، ذکر سے رفتہ رفتہ سب آسان ہوجائے گا۔ ذکر سے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے جب اللہ کی محبت پیدا ہوجائے گی تو نماز روزہ اور گناہوں سے بچنا کیا اللہ کو بغیر دیکھے ان پر جان دینا آسان ہوجائے گا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بساں کیں دولت از گفتار خیزد

مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ اس قضیہ کا عکس کرلو مَنْ اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ اَحَبَّ شَیْئًا جس چیز کا اکثر ذکر کیا جاتا ہے اس کی محبت دل میں پیدا ہوجاتی ہے۔ کسی نے مٹھائی نہ کھائی ہو کوئی اس کے سامنے بار بار مٹھائی کا ذکر کرے گا تو ایک دن اس کے دل میں مٹھائی کی محبت پیدا ہوجائے گی۔

برائی کا بدلہ نیکی سے دینے کی تلقین

ارشاد فرمایا کہ جس شخص سے تم کو تکلیف پہنچے اس سے تم مہربانی کرو۔ اللہ کے خاص مقرب اور ولی ہونا چاہتے ہو تو دل گردہ کو مضبوط کرلو۔ مہربانی کے بدلے مہربانی کرنا کیا کمال ہے۔ کافر بھی مہربانی کے بدلے مہربانی کرلیتا ہے۔ پرتاب گڑھ میں ایک شدید ضرورت میں میں نے ایک بنیے سے قرض مانگا، کہا کہ میاں جتنا جی چاہے لے لیجیے آپ کے باپ دادا کے مجھ پر بہت احسانات ہیں یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سب انہیں کی بدولت ہے۔ ظلم کے بدلہ مہربانی کرنا دل گردہ والوں کا کام ہے۔

جفا بینند و مہربانی کنند

مخلوق سے ظلم دیکھو اور اس کے ساتھ مہربانی کرو۔ پتھر کا کلیجہ چاہیے اس کے لیے، ظلم دیکھ رہے ہیں اور مہربانی کر رہے ہیں کیوں کہ ہمارا اللہ ہم سے راضی ہوجائے۔ نظر میاں پر لگی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ایمان والو کوئی

تمہارے ساتھ برائی سے پیش آئے تم اس کے ساتھ اچھائی کرو۔ جنگِ احد میں کافروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے کان، ناک اور کلیجہ کاٹ کر چبالیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لاش مبارک دیکھی تو قسم کھالی کہ جب تک ستر کافروں کے اسی طرح سے ناک اور کان نہ کاٹ لوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔ آیات نازل ہوگئیں:

﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۝﴾

(سورۃ النحل، آیت:۱۲۶)

اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو لے سکتے ہو جائز تو ہے لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک کے بدلہ میں ستر کو ماردو۔ ایک کے بدلے ایک کو مار سکتے ہو لیکن اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ صبر کرو اور لوگوں کو معاف کردو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بلا کر اعلان فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صبر اختیار کرتا ہے مجھے بھی وہی بات پسند ہے جو میرے اللہ کو پسند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم توڑ دی اور کفارہ ادا فرمایا۔ لیکن کسی سے تکلیف پہنچے اور پھر اس کے ساتھ مہربانی کرے یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں یہ وہی کر سکتے ہیں جن کو ایمان و یقین کا خاص درجہ حاصل ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مقامِ قرب پر فائز فرمایا ہے۔ ہر ایک کو یہ نعمت نہیں ملتی ؎

نہ ہر سینہ را رازدانی دہند
نہ ہر دیدہ را دیدہ بانی دہند

ہر سینہ کو اپنا راز داں نہیں بناتے اور ہر ایک کو ایسی نظرِ عنایت عطا نہیں فرماتے جو دوسروں کو صاحبِ نظر بنادے۔ اگر یہ نعمت ایسی عام ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتے:

﴿وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ۝﴾

(سورۂ فُصِّلت، آیت:۳۵)

نہیں دی جاتی یہ نعمت مگر ان لوگوں کو جو بڑے صبر کرنے والے ہیں اور نہیں دی

جاتی یہ نعمت مگر بڑے نصیب والوں کو۔ مراد اس سے اولیاء اللہ ہیں مخلوق کے ظلم کو دیکھ رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ یہ کون کرے گا جس کے دل کو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق ہوگا جو ان کی رضا کو ڈھونڈ تا رہتا ہے جو ہر وقت تلاش میں رہتا ہے کہ کون سی ایسی بات کرلوں کہ میاں راضی ہو جائیں:

﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾

(سورۃ الفتح، آیت:۲۹)

وہ یوں سوچتا ہے کہ حسنِ سلوک سے پیش آتا ہوں اگر چہ میرے نفس کو تکلیف ہوتی ہے لیکن میرا اللہ اس سے خوش ہوگا اگر میں اسے معاف کر دوں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک صحابی کا وظیفہ بند کر دیا تھا کیونکہ نادانی کی وجہ سے ان کی بیٹی کو تہمت لگانے والوں میں شریک ہو گئے تھے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا آیاتِ معافی نازل ہوئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا صدیق کو یہ پسند نہیں کہ وہ ہمارے ایک بندے کی خطا معاف کر دیں تا کہ اللہ ان کی خطائیں معاف کر دے۔ صدیق کو یہ زیبا نہیں کہ وہ برائی کرنے والوں کے ساتھ برائی سے پیش آئے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان صحابی کو معاف فرما دیا اور پہلے سے زیادہ احسان فرمانے لگے۔

ایک بزرگ کشتی پر جا رہے تھے اس پر کچھ بھانڈ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے ان بزرگ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ بہت سے لوگ اس تلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی ملے جس کا مذاق اڑایا جائے یہ نہیں دیکھتے کہ کس کے ساتھ مذاق کیا جائے اور کس سے نہیں۔ ان بزرگ نے دعا کی کہ اے اللہ ان لوگوں کو نظر عطا فرما دیجئے یہ مجھے پہچانتے نہیں میرے دل کو جو تعلق آپ کے ساتھ ہے یہ اسے جانتے نہیں۔ جب کسی نبی نے یا ولی نے مظلوم ہو کر ظالم کے لیے دعا کی ہے وہ تیر کی طرح پہنچی ہے۔ جس سے تکلیف پہنچے اس کے لیے دعا کیا کرو بہت

جلد قبول ہوتی ہے۔ان اللہ والے بزرگ کی دعا قبول ہوگئی اور جب ان بزرگ کا مقام منکشف ہوا تو قدموں میں آگئے اور معافی چاہی اور وہ لوگ اسی وقت صاحبِ نسبت ہو گئے۔میرے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانویؒ نے ایک برا بھلا کہنے والے کو اس سستی کے زمانے میں پانچ روپیہ کی امرتی بھیجی تھی اور فرمایا تھا کیونکہ آپ میرے محسن ہیں آپ نے میرے گناہ دھودیے اس لیے یہ نذرانہ پیش کرتا ہو۔ایک صاحب نے کہا کہ میں نے یہ ملفوظ پڑھا ہے۔ارشاد فرمایا کہ میں نے پڑھا پڑھایا نہیں میں نے تو اپنے شیخ سے سنا ہے۔شیخ سے سنی ہوئی بات کچھ اور اثر کرتی ہے پڑھنے میں وہ بات کہاں ملتی ہے۔

حضرت تھانویؒ خود کتنے بڑے عالم تھے اپنے وقت کے امام غزالی اور امام رازی تھے اور دین کا کتنا عظیم الشان کام اللہ نے ان سے لیا لیکن فرماتے تھے کہ سب حاجی صاحب کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔شیخ کا فیض نہ ہو تو علم سے بھی نفع نہیں ہوتا۔میرے شیخ فرماتے تھے کہ مولانا تھانوی ایک جگہ وعظ فرمارہے تھے کہ میں نے خود وہ منظر دیکھا ہے کہ لوگ تڑپ رہے تھے چیخ رہے تھے۔کسی پر گریہ طاری تھا کوئی آہیں بھر رہا تھا۔حکیم الامت تھانویؒ نے اچانک ایک نعرہ لگایا ''ہائے امداد اللہ'' اور منبر پر بیٹھ گئے بعد میں کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہوا تو فرمایا کہ حاجی صاحب کی برکت سے اتنے مضامین قلب میں آرہے تھے کہ مجھے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہورہا تھا کہ کون سا مضمون پہلے بیان کروں اس لئے تشکر میں میرے منہ سے بے اختیار یہ نعرہ نکل گیا۔

۸؍ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ مطابق ۴؍مئی ۱۹۷۱ء

آج حضرت والا دامت برکاتہم نے ازراہِ لطف و کرم کمالِ شفقت سے اس ناکارہ ارذل الخلائق کے لئے یہ شعر فرمایا۔

مرے پاس عشرت کے آنے سے اے دل
ترے عیش و عشرت کے دن آگئے ہیں

سائنس اور اہلِ سائنس کا بطلان

ارشاد فرمایا کہ اے سائنسدان مخلوق بن کر تو انکار کی جرأت کیسے کرتا ہے۔ یا تو خالق بن کر دکھا کہ مکھی کا ایک پر ہی پیدا کر دے تو ہم تیری بات مان لیں گے کہ کیونکہ اس نے مکھی کا پر پیدا کر دیا ہے اس لیے اس کا یہ کہنا کہ آسمان مخلوق نہیں ہے یعنی موجود نہیں ہے صحیح ہے۔ جب تو مکھی جیسی ادنیٰ مخلوق کا پر پیدا نہیں کر سکتا تو معلوم ہوا کہ تو خالق نہیں ہے بلکہ ہگنے موتنے والا ایک انسان ہے۔ جب تو خالق نہیں ہے تو تیرا یہ دعویٰ بھی باطل ہے کہ آسمان موجود نہیں ہے کیونکہ خالقِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ اور تیرا یہ کہنا کہ یہ جو آسمان نظر آتا ہے یہ آسمان نہیں ہے بلکہ ہماری حدِ نظر ہے یہ دعویٰ بھی باطل ہے کیونکہ جناب کی حدِ نظر کی حقیقت تو یہ ہے کہ تین میل کے فاصلے پر آسمان و زمین ملتے ہوئی نظر آرہے ہیں حالانکہ زمین و آسمان ملے ہوئے نہیں ہیں جناب کی ایسی ضعیف نظر بھروسہ کے قابل نہیں ہے۔ آپ کی حدِ نظر کا حال تو یہ ہے کہ تیری آنکھوں کی پتلی سے مل کر ہوا کا عبور اور مرور ہو رہا ہے، ہوا میں اور تیری آنکھوں کی پتلی میں ایک اعشاریہ کا بھی فصل نہیں ہے لیکن جناب کی حدِ نظر کا یہ حال ہے کہ ہوا کو دیکھ نہیں رہی۔ ایسی ضعیف حدِ نظر آسمانوں کو کیا دیکھے گی۔ اسی طرح اگر کوئی گلاب جامن کے اندر اگر انجکشن سے جمال گوٹے کے دو تین قطرے ملا دے اور تیرے سامنے پیش کرے آپ بڑے مزے لے کر کھا جائیں گے کیونکہ آپ کی حدِ نظر تو صرف گلاب جامن کے گلے تک ہے اس کے اندر کے دو تین قطروں تک بھی نہ دیکھ سکی۔ جب آنجناب کی نظریں اتنی دروغ بیں ثابت ہو چکی ہیں کہ آپ کی نظر کتنا غلط دیکھتی ہے تو وہی

دروغ بیں نظر، یہ دروغ گوئی کررہی ہے کہ آسمان نہیں ہے صرف خلا ہے۔ ہم اس کو جو خالقِ اکبر ہے جو اعلان کررہا ہے کہ ہم نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے ہم اس کو چھوڑ کر تجھ جیسے جھوٹے کی بات کیسے مان لیں۔ کیونکہ پہلے آنکھ دروغ بینی کرتی ہے کیونکہ نظر غلطی کرتی ہے پھر اس غلط بینی کو جب یہ سائنس داں اور ان کے متبعین زبان پر لے آتے ہیں تو دروغ گوئی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں اس لیے مذکورہ بالا دو جرموں کے مرتکب ہیں ایک دروغ بینی دوسری دروغ گوئی۔

قلب پر رحمانی حکومت اور شیطانی حکومت کی پہچان

ارشاد فرمایا کہ آسمان پر جھولو لیکن خدا کو نہ بھولو۔ اگر خدا کو بھول گئے تو تحت الثریٰ میں گر جاؤ گے۔ جو خدا کو بھول گئے موت کے وقت جب ان کے جسم کا لباس اترتا ہے تو اس وقت انہیں اپنی مفلسی اور بے چینی کا احساس ہوتا ہے۔ مومن ہو یا کافر جسم کا لباس بھی اتر جاتا ہے لیکن اللہ والوں کی روح کو جو چین وسکون اور سلطانیت نصیب ہوتی ہے اسے موت بھی نہیں چھین سکتی۔ اس لئے قلب کے دار الخلافہ پر اللہ کی حکومت کا جھنڈا لہرا دو۔ کافر کا دل بھی ایک مملکت ہے اور مومن کا دل بھی ایک مملکت ہے لیکن ایک شیطانی مملکت ہے، ایک رحمانی مملکت ہے۔ پتا کیسے چلے گا؟ جھنڈے سے۔ جس مملکت پر جو جھنڈا ہے وہ مملکت اسی کی ہے۔ اگر دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت اور احکامِ شریعت کی حکومت ہے تو دل کے دار الخلافہ پر اللہ کی حکومت کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ اس کے برعکس اگر دل پر کفر وطغیان اور نافرمانی کی حکومت ہے تو سمجھ لو کہ دل پر شیطانی حکومت کا جھنڈا لہرا رہا ہے جس کا انجام دوزخ ہے۔

دین محبت ہی محبت ہے

ارشاد فرمایا کہ نفس تو تجارت کرتا ہے کہ ڈھائی سو روپیہ زکوٰۃ دینے میں

تو بڑا نقصان ہے۔نفس کی اس پرفریب تجارت سے بچنے کے لئے کسی اہلِ محبت کی صحبت کی ضرورت ہے۔اس کی صحبت جانِ تاجر کو جانِ عاشق بنائے گی وہ اس سے کہے گا کہ نالائق محبت میں کہیں حساب لگایا جاتا ہے۔محبت میں تو آدمی محبوب پر آنکھیں بند کرکے خرچ کرتا ہے۔تو کیا حساب لگاتا ہے۔دین پورا عشق ہے۔کبھی عاشق چاہتا ہے کہ محبوب پر مال خرچ کرے۔ہم پر خرچ کرو زکوٰۃ دو صدقات دو۔کبھی عاشق چاہتا ہے کہ محبوب سے باتیں کرے۔نماز میں بندہ اللہ سے باتیں کرتا ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔بھی عاشق چاہتا ہے کہ محبوب کے گھر کے چکر لگائے۔تمہاری فطرت میں ہم نے عشق رکھ دیا آؤ ہمارے گھر کا طواف کرو۔کسی کی جب اپنے محبوب دوست سے ملاقات ہوتی ہے تو عاشق کہتا ہے کہ آپ کو دیکھ کے میں کھانا پینا بھی بھول گیا۔اللہ نے روزے کا حکم دے دیا کہ ہماری یاد میں کھانا پینا بھی بھول جاؤ۔

ظرف کی قیمت مظروف سے ہوتی ہے

ارشاد فرمایا کہ ظرف کی قیمت مظروف سے ہوتی ہے۔شیشی کی کیا قیمت ہے؟ بے قیمت ہے۔ایسی شیشی میں ایک لاکھ کا عطر رکھ دیجئے وہی شیشی اب ایک لاکھ میں بک جائے گی۔

اس لئے نبی کا جسم قیمتی ہوتا ہے تعلق مع اللہ سے کیونکہ اس کے قلب میں اللہ ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر مدفون ہے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ حصہ کعبہ سے بھی افضل ہے،عرش وکرسی سے بھی افضل ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم قیمتی ہے تعلق مع اللہ سے اور زمین کا وہ ٹکڑا قیمتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے۔

سچا مسلمان بننے کی چار تدابیر

ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانوی نے خواجہ صاحب سے فرمایا تھا کہ جس میں یہ چار باتیں نہ ہونگی وہ گھٹیا قسم کا آدمی ہوگا یعنی بغیر ان چار باتوں کی پابندی کے کوئی اللہ کا مقرب اور ولی نہیں ہوسکتا:

(۱)...... ذکر اللہ کا اہتمام

ان میں سب سے پہلے تو ہے ذکر۔ ذکر پابندی کے ساتھ کرتے رہو، ناغہ نہ کرو۔ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ اگر اتفاق سے کسی دن کوئی خاص مشغولی ہو جائے تو بھی ناغہ نہ کرنا چاہیے۔ تعداد چاہے ۱/۴ کردو یا ۱/۱۰ کردو لیکن کروضرور۔ ناغہ کرنے سے بے برکتی ہوجاتی ہے۔ میرے شیخِ اوّل حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دفعہ پھوڑا نکلا تھا، چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئے تھے لیکن لیٹ کر سارے معمولات پورے کر لیتے تھے۔ ذکر ایسی چیز ہے کہ جب مومن ایک بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے تو ساتوں زمین اور ساتوں آسمان پر اس کی بادشاہت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ساتوں زمین اور ساتوں آسمان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے مقابلے میں ہلکے ہیں۔ اگر کوئی کہے نماز فرض ہے فرض ادا کرتے رہتے ہیں پھر ذکر کی کیا ضرورت ہے ذکر کوئی فرض تھوڑی ہے۔ فرض نہیں ہے لیکن فرض ڈیوٹی سے کوئی غلام آقا کا پیارا ہوا ہے؟ ایک نوکر ہے اس کی اصل ڈیوٹی تو صرف کھانا پکانا ہے لیکن وہ آقا کو کھانا کھلاتا ہے، پنکھا بھی جھلتا ہے، ہاتھ پیر بھی دباتا ہے پھر جاتا ہے۔ یہ نوکر آقا کا پیارا ہوگا یا وہ جو صرف فرض ڈیوٹی کر کے رخصت ہوجاتا ہے۔ یہ بیمار ہوگا تو آقا اس کو دیکھنے بھی آئے گا دوسرا بیمار ہوگا تو اور لات مار دے گا کہ بھاگ تجھ جیسے نوکر ہزاروں ہیں۔ اللہ کا پیارا ہونا چاہتے ہو تو نفل

ڈیوٹی بھی کرو۔نفل نماز اور ذکر وغیرہ کا اہتمام کرو۔لیکن آج کل لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنا وقت کہاں ہے،فرض ہی ادا ہو جائے تو بہت ہے،امتحان دینا ہے۔لیکن یہ سب ایمان کی کمزوری اور اللہ پر بھروسہ نہ ہونے کی باتیں ہیں۔دنیا کی زندگی پر تو عاشق ہو،امتحان دینا ہے تو رات رات بھر جاگو گے کہ کسی طرح رزلٹ میں فرسٹ ڈویژن آجائے۔اور فرض کرلو کہ اتنی جاں فشانی کے بعد جان و مال کو کھپانے کے بعد فرسٹ ڈویژن آگئی،ادھر ڈاکیا تمہاری ڈگری لا رہا ہے،ادھر وقت آگیا کہ چلو! معلوم ہوا کہ وہ تو مر بھی گئے۔اب ڈگری کو قبر پر رکھ دو،کیا کرو گے؟ کچھ کام آئے گی وہ ڈگری جس کے لئے اتنی محنت کی تھی کہ اللہ کی دوستی کو ٹھکرا دیا تھا؟اس ڈگری کی قیمت دیکھ لو کہ آج کیا ہے،کیا اللہ کے نزدیک تمہاری اس ڈگری کی کوئی وقعت ہوگی؟وہ ڈگری تمہاری مغفرت کرا دے گی؟ آدھ گھنٹہ اللہ کا نام لینے کا تو وقت نہیں اور کھانے پینے کا ہنسنے بولنے کا وقت ہے۔کیا اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کام ہوا ہے۔اگر کچھ دیر تم اللہ کو یاد کر لیتے تو کیا اللہ تمہارا کام نہ کرتا؟تمہیں فیل کر دیتا؟ جبکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو بندہ ہمارے کام میں لگ جاتا ہے ہم اس کے کام میں لگ جاتے ہیں۔دنیا کی زندگی کی کامیابی اور اس زندگی کا سکون بھی اللہ کی یاد پر موقوف ہے۔

دین صرف آخرت کا نہیں دُنیا کی راحت کا بھی ضامن ہے

مسلمانوں میں کچھ بے وقوف قسم کے لوگوں نے دین کو ادھار سمجھ رکھا ہے کہ جو کچھ ملے گا آخرت میں ملے گا۔سب سے بڑا ظلم ہم نے اپنے اوپر اسی عقیدہ کی وجہ سے کیا ہے۔اس لئے ہم دین کے کاموں میں اور سست ہو گئے کہ دین میں لگنے سے دنیا میں تو کچھ ملے گا نہیں آخرت میں ملے،گا حالانکہ یہ عقیدہ بالکل غلط ہے،کچھ ادھار نہیں ہے،سب نقد ہے۔یہ عقیدہ اتنا غلط ہے کہ اس

نے بندہ اور اللہ کی محبت کے راستے میں گھن لگا دیا حالانکہ یہ عقیدہ نصوص کے خلاف ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾

(سورۃ النحل، آیت:۹۷)

کیوں صاحب کہاں ادھار ہے؟ نقد دے رہے ہیں، دنیا ہی میں بدلا دے رہے ہیں کہ دنیا میں ہم انہیں حیاتِ طیبہ عطا فرمائیں گے۔ پھر فرماتے ہیں:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۝﴾

(سورۃ الرعد، آیت:۲۸)

خوب سمجھ لو کہ دلوں کا سکون ہماری یاد ہی میں ہے۔ اے ایمان والو! ہمیں چھوڑ کر کہاں سکون تلاش کرتے پھرتے ہو؟ ہرگز سکون نہ پاؤ گے۔ اس آیت میں بھی نقد نفع کا وعدہ فرمایا ہے کہ جو ہماری اطاعت کرے گا ہم اس کے دل کو سکون عطا فرمادیں گے۔ اور فرماتے ہیں:

﴿نَحْنُ اَوْلِيٰٓـؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾

(سورۂ فصلت، آیت:۳۱)

ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں بھی، تم ہمارے ہو کر تو دیکھو پھر دیکھنا ہم تمہاری کیسی مدد کرتے ہیں۔ جب تمہارا کوئی گاڑھا وقت آئے گا ہم اس وقت اپنی دوستی کا حق ادا کریں گے ہم ہر موڑ پر تمہارے کام آئیں گے۔ تم ہمیں چھوڑ کر کہاں جارہے ہو؟ ہمیں چھوڑ کر تم دنیا کی زندگی میں بھی سکون نہ پاسکو گے۔ اللہ کا راستہ ایسا ہے کہ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی دنیا اور آخرت دونوں جگہ کا نفع اس میں ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک راستہ ہو جو باغ کی طرف جارہا ہو، جہاں رنگ برنگے پھول کھلے ہوں، دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہوں تو اب جو اس راستہ کی طرف قدم رکھے گا اگرچہ ابھی باغ سے پانچ میل دور ہے لیکن کیونکہ یہ باغ کی سمت میں جارہا ہے، اس لئے ادھر سے جو ہوا

آئے گی خوشبو اپنے ساتھ لائے گی۔ اس راستہ میں قدم رکھتے ہی سکون محسوس ہوگا۔ پھر جوں جوں آگے بڑھتا رہے گا، سکون میں بھی ترقی ہوتی رہے گی، ہوائیں خوشبوئے قربِ یار لائیں گی۔ دنیا ہی میں جنت کا مزہ آجائے گا اور اللہ کی نافرمانیوں کا راستہ ایسا ہے جیسے ہزاروں مربع میل میں آگ لگی ہوئی ہو۔ اب جو اس راستہ کی طرف قدم اٹھائے گا ادھر کی مسموم ہوا ناک میں گھسے گی اور دل میں اس کا اثر محسوس ہوگا۔ اگرچہ یہ ابھی آگ سے پانچ میل دور ہے لیکن ہر قدم پر دُھویں اور آگ سے بھری ہوئی گرم ہوائیں دل کو مکدر کردیں گی، ہر قدم پر سکون کم ہوتا جائے گا۔ جیسے جیسے یہ آگے بڑھتا رہے گا بے چینی بڑھتی جائے گی۔ اسی وجہ سے دنیاداروں کے دل بے چین ہیں۔ کبھی کسی اللہ والے کو بھی دنیا کا رونا روتے ہوئے دیکھا ہے کہ آج ٹیکس دینا ہے، آج بجلی کا کرایہ دینا ہے کہاں سے آئے گا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ والوں کے دل فارغ ہیں۔ دنیا داروں کے دل دنیا میں مشغول ہیں حالانکہ دل اللہ نے خالص اپنے لئے بنایا تھا۔ دل کی غذا صرف اللہ کی یاد ہے۔ اس لئے جب دل کو یہ غذا نہ ملے گی اور اس کے سوا کوئی اور چیز دل میں آئے گی یہ بے چین ہو جائے گا۔ اللہ والے بھی دنیا کے کام ہاتھ پیروں سے کرتے ہیں، دنیا کو ہاتھ پیر دیتے ہیں اور دل کو اللہ کے لئے فارغ رکھتے ہیں۔ اللہ والا اگر دفتر میں بھی بیٹھا ہوا ہے تو بھی دل سے اللہ کے ساتھ ہے۔ اگرچہ ہاتھ پاؤں سے وہ تم سے زیادہ محنت کرتا ہے اپنی روزی حلال کرنے کے لئے لیکن دل کو اللہ کی یاد کے لئے خالی رکھتا ہے۔ دنیا دار ہاتھ پاؤں سے اتنی محنت نہیں کرتے۔ وہ دنیا کے کاموں کو دل سے کرتے ہیں۔ اگر گھر میں اکیلے خاموش بھی بیٹھے ہوئے ہیں تو بھی دنیا دل میں گھسی ہوئی ہے۔ اپنے منصوبوں کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں کہ اب پلاٹ خریدوں گا۔ اب مکان بنواؤں گا۔ اب بچوں کی شادی کرنی ہے۔ ہر وقت دنیا کی فکر

ہے۔ دل اللہ سے غافل ہے۔ اس لئے اگر چہ کوئی گناہ کا کام بظاہر نہیں کر رہے لیکن غفلت خود ایک معصیت ہے۔ اللہ والا اگر دفتر میں کام میں مشغول ہے لیکن جب دفتر سے اٹھتا ہے تو دفتر کو دل سے وہیں جھاڑ آتا ہے اور پھر اپنے اللہ کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ والے کا روزی کمانا بھی دین ہے، دنیا نہیں۔ وہ بھی اس کے لئے عبادت ہے۔ دنیا نام ہے اس چیز کا جو اللہ سے دور کر دے۔ اس لئے اگر کوئی امیر ہے لیکن خوب اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، زکوۃ وصدقہ دیتا ہے، یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کرتا ہے، مدرسوں کو اور علما کو ہدیہ کرتا ہے کہ دین کی نصرت ہو اس کی یہ امیری دنیا کب ہے یہ تو دین ہے۔ کیونکہ اس کی دولت نے اس کو اللہ سے دور نہیں کیا بلکہ قرب اور بڑھ رہا ہے۔ یہ ہر روز اور مقرب ہوتا جا رہا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی تنگدستی اس کو اللہ سے دور کر دے تو یہ تنگدستی ہی دنیا ہے۔ اگر کوئی تنگدستی میں بھی اپنے اللہ کو یاد کرتا ہے اور راضی برضا رہتا ہے تو یہ عین دین ہے۔ بلکہ ایسے غریب امیروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ ولایت کے لئے غریب ہونا ضروری نہیں۔ اس زمانے میں بھی کتنے لوگ ڈپٹی کلکٹروں کی حالت میں اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ جیسے خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ ڈپٹی کلکٹری کی حالت میں حضرت تھانوی سے بیعت ہو کر ولی اللہ ہوئے۔ لیکن اللہ والے دنیا میں چاہے کتنے ہی تنگ دست ہوں اور بظاہر کتنے ہی پریشان نظر آتے ہوں لیکن ان کے دل سے کوئی پوچھے کہ کیا مزہ مل رہا ہے، کیسا سکون حاصل ہے۔ واللہ اگر سوکھا ٹکڑا بھی کھا رہا ہوگا تو عیش سے ہوگا اور دنیا دار اگر بریانی اور گلاب جامن بھی کھا رہا ہوگا تو دل بے چین ہوگا۔ اللہ والے کے جسم کو تکلیف بھی ہوتی ہے مگر روح کو سکون ہوتا ہے۔ اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خاص قرب محسوس ہوتا رہتا ہے۔ اس کے بدلے میں اگر سلطنتِ ہفت اقلیم بھی دی جائے تو اللہ والا

ٹھکرا دے گا۔ حضرت بڑے پیر صاحب کو بادشاہِ سنجر نے اپنا ملک نیمروز دینا چاہا تھا انہوں نے ایک شعر لکھ کر بادشاہ کو بھیج دیا۔

زاں گہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب

من ملکِ نیمروز بہ یک جو نمی خرم

جب سے مجھے اس ملکِ نیم شب کی خبر ملی ہے میں تیرے ملکِ نیمروز کو ایک جو کے بدلے میں بھی نہ خریدوں گا۔ اللہ کا قرب اور ہی چیز ہے۔ زمین و آسمان کی بادشاہت اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اب خود سوچ لو کہ وہ کیسا سکون ہے جو اللہ دنیا ہی کی زندگی میں اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتے ہیں، نقد دیتے ہیں، کون کہتا ہے کہ اللہ کا سودا ادھار ہے اور نافرمانوں کی دنیا کی زندگی بھی تلخ کر دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾

(سورۂ طٰہٰ، آیت: ۱۲۴)

اے لوگو! اگر تم نے مجھ سے منہ پھیرا تو تمہاری زندگی تلخ کر دی جائے گی۔ یعنی آفات و بلائیں تمہیں گھیر لیں گی، گردے میں پتھری ہو جائے گی، پیشاب بند ہو جائے گا، بیماری آ جائے گی، اولاد سے محرومی ہو جائے گی، دنیا ہی میں دوزخ کی تکلیف محسوس ہونے لگے گی:

﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ○﴾

(سورۃ الاعلیٰ، آیت: ۱۳)

دوزخی نہ مرے گا نہ جئے گا۔ دوزخ میں تو یہ حشر ہو گا ہی۔ دنیا ہی میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ نہ مرو گے، نہ جئو گے، زندگی تلخ ہو جائے گی۔ کوئی ایسا مائی کا لال ہے کہ جس کی زندگی وہ تلخ کریں یہ تلخ نہ ہو۔ آج فرمانبرداری میں نقصان نظر آتا ہے کہ اگر اللہ کو یاد کریں گے تو کیسے پڑھیں گے؟ روزی کیسے کمائیں گے؟ تو اب خود فیصلہ کر لو کہ جس پانی کو وہ میٹھا بنانا چاہیں کوئی ہے جو اس

کو تلخ کردے اور جس پانی کو وہ تلخ کریں کوئی ہے جو اس کو میٹھا کردے۔ ان کے فیصلے کو کون بدل سکتا ہے۔ اطاعت کرنے والوں کے لئے راحت وسکون اور نافرمانوں کے لئے عذاب کا وہ فیصلہ فرما چکے ہیں۔ ایک شخص گھوڑا خریدنے جارہا تھا۔ کسی اللہ والے نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ کہا کہ گھوڑا خریدوں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ بھائی انشاءاللہ تو کہہ لیا ہوتا۔ کہنے لگا کہ یہ مولویوں کی باتیں ہیں، انشاءاللہ کہنے سے کیا ہوتا ہے، روپیہ میری جیب میں ہے، میں ارادہ کرچکا ہوں کہ گھوڑا خریدوں گا اب کون مجھے روک سکتا ہے، کیا انشاءاللہ کہنے سے روپیہ میں خریدنے کی طاقت آئے گی؟ خیر چل دیئے گھوڑے کی قیمت طے ہوگئی، اب جو جیب میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوا کہ راستے میں کسی نے جیب کاٹ لی۔ سخت ندامت ہوئی بیچنے والے کی گالیاں اور برا بھلا سنا اور منہ لٹکائے واپس ہورہے تھے کہ وہ بزرگ پھر مل گئے۔ پوچھا کہ بھائی خریدلیا گھوڑا۔ کہنے لگے کہ بھائی انشاءاللہ میں جارہا تھا، انشاءاللہ گھوڑے کی قیمت بھی طے ہوگئی تھی، انشاءاللہ خرید بھی لیتا لیکن انشاءاللہ جیب کٹ گئی۔ اتنے ڈر گئے کہ اب بے موقع انشاءاللہ استعمال کرنے لگے۔ پٹائی کے بعد اگر ہوش آیا تو کیا آیا۔ نافرمانیاں کروگے تو دنیا میں بھی پٹائی لگے گی اور پھر آخرت میں بھی۔ دوزخ میں زنگ کو صاف کیا جائے گا تب جنت میں داخل کریں گے۔ جس سونے پر زنگ لگ جاتا ہے اس کو بھٹی میں تپایا جاتا ہے۔ لہٰذا یہیں خود کو پاک کرلو اس کی نوبت خدانخواستہ کیوں آئے۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہیں آزماتے ہیں۔ ہر دوست اپنے دوست کو آزماتا ہے۔ صحابہ نے اللہ تعالیٰ کی قدر پہچانی تھی۔ گرمی سخت تھی حکم آگیا جہاد کا۔ جن کے دلوں میں بیماریاں تھیں انہوں نے کہا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ آج بھی جب کوئی اللہ کے راستے میں نکلتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ کہاں جارہے ہو؟ کیا ملا بن رہے ہو؟ صحابہ کو بھی بہکایا گیا لیکن ان کا ایمان ایسا نہیں تھا جو خریدا

جا سکتا۔ وہ صرف گوشت کھا کر مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے تو خون پسینے سے اپنے ایمان کو سینچا تھا، تلواریں چلائی تھیں، چوٹیں کھائی تھیں، خون بہایا تھا، طعن سنے تھے۔ وہ اپنے ایمان کو نہیں بیچ سکتے تھے۔ جب منافقوں نے یہ کہا توحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے مطلع کر دیا گیا:

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا﴾

(سورۃ التوبۃ، آیت:۸۱)

کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔ نماز پڑھنے کو جی نہ چاہے، ذکر کو نہ چاہے، جماعت کی پابندی سے گریز کرے، گناہ کا تقاضا پیدا ہو جائے تو اس آیت کا خیال کر لو، یہ سوچ لو کہ ابھی یہ آواز وہاں سے آرہی ہے کہ جہنم کی آگ سخت گرم ہے۔

تو سوچ لو کہ جب آگ میں تپایا جائے گا اس وقت اگر ہوش آیا تو کیا آیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم ہمارے دوست بن کے آؤ، مجرم بن کے نہ آؤ۔ گناہ کرتے ہو؟ کب تک گناہ کرو گے؟ یا تو صحت خراب ہو جائے گی یا کوئی اور مصیبت آجائے گی پھر بھی تو چھوڑو گے۔ اور فرض کر لو کہ زندگی میں گناہ نہ بھی چھوڑے تو مرتے وقت چھوڑو گے۔ موت ساری لذتوں کو توڑ دیتی ہے۔ اس وقت اگر کوئی معشوق گلے میں بانہیں بھی ڈال دے تو کیا اس وقت کوئی رغبت ہو گی؟ اس وقت سے پہلے ہی گناہوں کو چھوڑ دو۔ شیطان دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی تو گناہ کئے جاؤ پھر توبہ کر لینا لیکن یاد رکھو کہ توبہ کے بھروسہ پر کوئی گناہ نہ کرنا۔ کیونکہ توبہ اپنے اختیار میں نہیں۔ ناظم آباد کا ہی قصہ ہے کہ ایک شخص تھا، زانی تھا کوئی گناہ نہ چھوڑا تھا۔ مرنے لگا تو باتیں کر رہا تھا کہ مجھے فلاں ڈاکٹر کو دکھا دو، فلاں کھانا کھلا دو۔ زبان سب باتوں کے لئے کھلی ہوئی تھی۔ اس سے کہا گیا کہ اب توبہ کر لے تو نے بہت گناہ کئے ہیں کہنے لگا کہ بس یہی

لفظ منہ سے نہیں نکلتا۔ کیوں صاحب یہ ت، و، ب، ہ پر کس نے پہرہ ڈال دیا؟ تمام الفاظ کے لئے زبان کھلی ہوئی ہے اوران چار لفظوں کے ادا کرنے سے قاصر ہے۔

اسلام کی حقانیت اور سائنس کا بودہ پن

سائنس جواب دے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہاں ساری سائنس سائیں سائیں کرنے لگتی ہے۔ سائنس کیا ہے؟ بے چاری مخلوق ہے۔ اگر خالق ہے تو ایک بھُنگا ہی بنا کر دکھا دے۔ سارے سائنس دان لگ جائیں قیامت تک ایک بھُنگا نہ بنا سکیں گے۔ آج کل ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے سائنس کو معبود بنا لیا ہے۔ جو بات سائنس کی حدود میں نہیں آتی اس کا انکار کر دیتے ہیں حالانکہ انہیں سوچنا چاہئے کہ سائنس تو خود ایک فن ہے، عقل کی پیداوار ہے، مخلوق ہے۔ کیا سائنس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں؟ اللہ کی پیدا کی ہوئی اشیاء میں کچھ تصرف کر کے ان سے کام لے لیتی ہے۔ ہاں اگر زمین، آسمان یا کوئی جاندار پیدا کر دیتی تو اس کا کمال تھا۔ لیکن ہم نے اس کو قرآن و حدیث سے بھی زیادہ سمجھ لیا ہے۔ جنھوں نے زمین و آسمان پیدا کئے، چاند سورج پیدا کئے ان کے علم سے بھی زیادہ سمجھ لیا ہے۔ اسی لئے جو بات سائنس کی سمجھ میں نہیں آئی وہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ کہتے ہیں کہ یہ بات اَن سائنٹفک (Unscientific) ہے۔ حالانکہ چاہئے تھا کہ سائنس کو دین کے مطابق کرتے نہ کہ دین کو سائنس کے مطابق۔ کیونکہ دین کے احکام میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک ہوگی اور سائنس کے نظریات روزانہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے نیوٹن کے صدیوں پرانے نظریے کو اس دور کے ایک سائنس دان آئن اسٹائن نے غلط ثابت کر دیا۔ اگر سائنس کے زور پر چاند پر پہنچ گئے تو چاند کا پیدا کرنا مشکل ہے یا چاند پر پہنچ جانا مشکل ہے؟ اس لئے اگر کہیں سائنس کا اور دین کا ٹکراؤ ہوتا معلوم ہو تو سائنس کو چھوڑ دو اور دین کو

تھامے رہو کہ وہ اللہ کا علم ہے حالانکہ اگر عقلِ سلیم ہو تو سائنس کی ایجادات سے اسلام کی حقانیت اور ظاہر ہوتی چلی جاتی ہے۔ آدمی اپنی عقل سے تو ایسے کرشمے کرسکتا ہے کہ چاند پر پہنچ جائے اور نبی کو اللہ یہ معجزہ نہیں دے سکتا کہ وہ چاند کے ٹکڑے کردے؟ اب نبی کے معجزوں کا انکار کرنے والے آئیں اور جواب دیں کہ تمہیں تو اتنی قدرت ہوسکتی ہے، کیا اللہ کو اتنی قدرت بھی نہیں کہ رسول کے ہاتھ پر معجزے دکھلا دے؟ بس جہاں سائنس فیل ہوتی ہے وہاں قرآن و وحی فیل نہیں ہوتے۔ ہم وہی دیکھیں جو وحی دیکھتی ہے۔ سائنس چاہے خاموش ہو یا انکار کرے تب تو ایمان ہے ورنہ ایمان سے ہاتھ دھولو۔ جب آدمی کسی چیز سے حد سے زیادہ مرعوب ہوجاتا ہے تو کہتا ہے کہ علما کو چاہئے کہ سائنس کے مطابق دین کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ حالانکہ دین اگر ایسا سستا ہوتا تو اب تک پرخچے اڑ چکے ہوتے۔ جیسے سائنس دانوں نے اندازہ لگایا تھا کہ ڈھاکہ میں اکثر ۲۰۰ رمیل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان آتا ہے۔ لہٰذا اگر ۳۰۰ رمیل فی گھنٹہ کی رفتار کو سہ جانے والا بند باندھ دیا جائے تو نہ ٹوٹے گا۔ اگلے سال ۴۰۰ رمیل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان آیا اور سارے بندوں کے پرخچے اڑا دیئے۔ ہے کوئی سائنس والا جو ہواؤں کی رفتار پر پابندی لگا دے؟ شرقی ہوا کو غربی کردے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ۝﴾

(سورۃ الجاثیۃ، آیت:۵)

عقلمندوں کے لئے ہواؤں کی رفتار میں نشانیاں ہیں کہ ابھی شرقی ہوا چل رہی ہے، ایک منٹ نہیں لگا کہ غربی ہوگئی۔ پورے کرۂ ہوا کو ایک منٹ میں تبدیل کردیتے ہیں، یہ پورے کرۂ ہوا کو ایک لمحے میں کس نے تبدیل کردیا؟ ہے کوئی سائنس داں جو ہواؤں میں تصرف کرسکے؟ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں سائنس پڑھنے کو حرام بتلا رہا ہوں۔ سائنس پڑھنا حرام نہیں ہے۔ ذہن کو کافر بنا لینا حرام ہے۔ انگریزی پڑھنا حرام نہیں ہے انگریز بننا حرام ہے۔ ہم

انگریزی پڑھنے کو منع نہیں کرتے انگریز بننے کو منع کرتے ہیں۔ انگریزی خوب پڑھو لیکن اپنے کلچر کو فنا مت کرو۔ گاندھی کو دیکھ لو کہ لندن کی سڑکوں پر لنگوٹی باندھ کر چلتا تھا۔ کہتا تھا کہ اگر میں انگریزوں کا کلچر اپناؤں گا تو میرا کلچر فنا ہو جائے گا۔ افسوس ایک کافر کو اتنی عقل آ گئی۔ ایک باطل مذہب کے پیرو کو ایسی سمجھ آ جائے اور ہمیں اپنے سچے مذہب پر ایمان نہ آئے۔ گاندھی تو جہنم میں جلے گا۔ ہم اگر مذہب پر چلیں گے تو جنت ملے گی لیکن اس کے باوجود ہم انگریزوں کے کلچر میں فنا ہو رہے ہیں۔ ہمیں تو اپنی اسلامی تہذیب کو اپنانا چاہیے تھا لیکن ہم نے انگریزوں کی تہذیب کو اپنی تہذیب پر فوقیت دے دی۔ ہم بس اسی ذہنیت کو حرام بتاتے ہیں ورنہ اگر صرف انگریزی پڑھتے تو کیا بات تھی۔

انگریزی دور کے گورنر اور علی گڑھ یونیورسٹی کے سابق چانسلر نواب چھتاری کا پوتا تھا۔ اللہ نے جب توفیق دی تو داڑھی بھی رکھ لی، لباس بھی بالکل شرعی، کوئی دیکھ کر نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ انگریزی پڑھا ہوا ہے۔ ایک بار میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علی گڑھ سے سفر کر رہا تھا ڈی لکس ٹرین میں۔ دوسرے ڈبوں میں جا کر حضرت کے ملفوظات کا انگریزی میں ترجمہ کر کے لوگوں کو سنایا۔ پھر آ کر حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے ملفوظات کو میں نے لوگوں کو انگریزی میں سنایا۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ انگریزی پڑھ رہے ہو تو بجائے اس نیت کے کہ انگریز بنوں گا نیت بدل لو کہ انگریزوں کو اسلام پیش کروں گا۔ اس نیت کے ساتھ انگریزی پڑھنا عبادت ہے۔ انگریزی پڑھنا ثواب لکھا جا رہا ہے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب ڈپٹی کلکٹری میں حضرت تھانوی سے بیعت ہو کر ولی اللہ ہوئے۔ حالانکہ ڈپٹی کلکٹر تھے لیکن وضع قطع اسلامی تھی۔ خوبصورت بھی بہت تھے۔ غوری خاندان کے تھے۔ گورے چٹے، گول ٹوپی، شیروانی اور پائجامہ پہنتے تھے۔ ایک بار سب افسران کو کمشنر نے

بلایا تھا۔ انگریز تھا اور سب کوٹ پتلون میں تھے۔ خواجہ صاحب پہنچتے ہیں تو کمشنر کھڑا ہوتا ہے، ہاتھ ملاتا ہے، ان کے لئے کرسی منگواتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کا لباس تو شاہانہ لباس ہے، عالم گیر اور شاہ جہاں کا لباس ہے۔ دوسروں کے متعلق کہا کہ یہ سب تو میرے نقال ہیں۔ جو قوم اپنی تہذیب اور کلچر کو فنا کرتی ہے وہ دوسری قوموں کی نظر میں ذلیل ہوجاتی ہے کہ اس نے اپنی تہذیب کو حقیر سمجھا۔ جب اسنے اپنی تہذیب کو حقیر سمجھا دوسری قوم اس کو حقیر سمجھنے لگتی ہے۔ اور جو قوم اپنی تہذیب کو برقرار رکھتی ہے دوسری قوم کی نظر میں اس کی عزت ہوتی ہے۔ اپنے کلچر کو فنا کرنا کوئی معمولی گناہ نہیں ہے۔ مدینہ میں ایک عالم نے یوں کہہ دیا کہ انگریزوں کے یہاں یہ بات اچھی ہے کہ دوسری دفعہ صحبت کرنے میں غسلِ جنابت نہیں کرنا پڑتا۔ بس اللہ کو یہ بات ناپسند آئی کہ کافروں کے طریقہ کو ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ پر ترجیح دے رہا ہے۔ جب اس شخص کا انتقال ہوا تو مدینہ میں اس کو دفن کردیا گیا مگر مدینہ سے لاش اسپین منتقل ہوگئی اور اسپین میں ایک لڑکی مسلمان ہوگئی تھی اور وہیں دفن ہوئی تھی اس کی لاش مدینہ میں اس عالم کی قبر میں پہنچ گئی:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ))

(صحیحُ البخاری، کتابُ الادب، باب علامۃ حب اللہ عزَّوجلَّ، ج:۲، ص:۹۱۱)

جو شخص جس کو پسند کرے گا اسی کے ساتھ ہوگا۔ آخرت بھی تباہ ہوجاتی ہے اس شخص کی جس کے دل میں اللہ و رسول کی عظمت نہیں ہوتی اور فرماں برداروں کو دنیا میں بھی نقد نفع دیتے ہیں اور سکون اور اطمینان کی زندگی کا ان کے لئے وعدہ فرمایا ہے۔ اسلام دنیا کی ترقی سے منع نہیں کرتا۔ خوب کماؤ لیکن اللہ کو نہ بھولو۔ نوکری کرو البتہ تجارت کو افضل سمجھو۔ صحابہ نے تجارت کی تھی۔ ایک شخص نے شیخ الہند سے سرسید کی تعریف کی کہ مسلمانوں کو ان کی وجہ سے بڑی بڑی

ملازمتیں ملیں۔فرمایا کہ ہاں لعنت کی کرسیوں پر بٹھا دیا ورنہ قوم تاجر ہوتی۔ بڑے بڑے ڈپٹی کلکٹروں کی جائدادیں رہن میں ہوتیں۔حکومت کو بھی تاجروں سے دبنا پڑتا ہے۔حکومت ان سے قرضہ لیتی ہے۔ملازمت سے غلامانہ ذہنیت پیدا ہوجاتی ہے۔ہمارا تجارت کا مزاج ہمارے غلط قسم کے لیڈروں نے فنا کیا ہے۔بہرحال ملازمت جائز ہے ناجائز نہیں۔افضل اور غیر افضل کی بات کررہا ہوں۔ملازمت کرو یا تجارت ہاتھ پیروں سے کرو۔دل اللہ کے ساتھ رہے پھر یہ ملازمت اور تجارت بھی عبادت ہے۔

آج اگر دین پر عمل کرنے کی ہمت نہیں ہورہی رفتہ رفتہ شروع کرو۔یہ مطلب نہیں کہ آج ہی انگریزی لباس چھوڑ دو، آج ہی داڑھی رکھ لو۔لیکن ان باتوں کو دل سے برا جانو اور رفتہ رفتہ چھوڑنے کی کوشش کرو کسی اللہ والے سے تعلق کرلو پھر جس طرح وہ کہے اس پر عمل کرتے رہو، انشاء اللہ ایک دن ہمت پیدا ہوجائے گی۔

(۲)...... مخلوقاتِ الٰہیہ میں تفکر، انعاماتِ الٰہیہ کا مراقبہ

دوسری بات ہے فکر یعنی اللہ کی نعمتوں کو، موت کے وقت کو اور مرنے کے بعد حشر ونشر کے حالات کو سوچا کرو۔یہ بذاتِ خود اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ لیکن جو ذکر نہیں کرتا اسے فکر بھی نصیب نہیں ہوتی۔ذکر کی پابندی کے بعد فکر کی توفیق ہوتی ہے۔پہلے ذکر کی عادت ڈالو پھر فکر بھی کرنے لگو گے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی ذکر کو مقدم کیا فرماتے ہیں:

﴿یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوۡدًا﴾

(سورۂ اٰلِ عمران، آیت:۱۹۱)

وہ یاد کرتے ہیں اللہ کو۔کیسے؟ کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے۔اس کے بعد فرماتے ہیں وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ فکر کرتے رہتے ہیں زمین و آسمان کی خلق کے بارے میں۔فکر کا طریقہ کیا ہے؟ وضو کرکے تنہائی میں

قبلہ رو بیٹھو پھر اپنے اللہ کو یاد کیا کرو کہ زمین و آسمان کے خالق ہیں اور ہمارے بھی خالق ہیں اور اپنے اللہ سے باتیں کیا کرو کہ اے اللہ آپ نے ہمیں وجود بخشا، ازل میں ہم نے اپنے آپ کو آپ سے مانگا نہیں تھا، بغیر سوال کے آپ نے ہمیں انسان بنا دیا، تمام مخلوقات سے افضل کر دیا۔ کتا اور سور کے قالب میں نہیں ڈالا۔ اگر آپ چاہتے تو کتا اور سور بنا سکتے تھے۔ پھر لولا لنگڑا اور اپاہج نہیں بنایا، صحت و تندرستی عطا فرمائی۔ بغیر سوال کئے ہوئے یہ نعمتیں عطا فرما دیں۔ ایک آنکھ اگر ضائع ہو جائے تو پانچ لاکھ روپیہ دینے پر بھی نہیں مل سکتی آنکھ کان ناک غرض تمام اعضا میں ایسی قوتیں دے دیں جن کو کسی قیمت پر خریدا نہیں جا سکتا۔ ہر مشین کا ڈھانچہ اور اس میں ایک قوت دے دی۔ بغیر مانگے ہوئے اللہ نے ہم کو مسلمان کے گھر پیدا کر دیا۔ یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ ساتوں زمین اور ساتوں آسمان کے خزانے ایک طرف اور ہمارا ایمان ایک طرف۔ کوئی اگر دنیا بھر کا صدر ہے، اس کے نام کا سکہ چل رہا ہے، دنیا بھر قدموں میں جھکی ہوئی ہے لیکن کافر ہے تو بے کار ہے۔ اس سے بڑا مفلس کوئی نہیں۔ ایک دن مرنے کے بعد عذاب میں مبتلا ہوگا۔ چند دن کی بہار ہے۔ اور آپ اگر غریب بھی ہیں، کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے ہیں، ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھ کر جب ایک بار لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں تو ساتوں زمین اور ساتوں آسمان کی بادشاہت مل جاتی ہے۔ اس دولت پر اللہ کا شکر کرو اس پر تو جتنا شکر کیا جائے کم ہے۔ شکر سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے۔ پھر کسی یہودی اسرائیلی چمار پاسی کے پاس پیدا نہیں کر دیا۔ اگر کافر کے گھر پیدا کر دیتے تو کون روک سکتا تھا۔ وہاں ہدایت کی کیا امید تھی جب اللہ اور رسول سے ہی بے خبر ہوتے۔ اگر چمار پاسی بنا دیتے تو صبح و شام زمین دار کے دو دو جوتے اور گالیاں ملتیں۔ دنیا میں بھی ذلیل رہتے اور آخرت میں بھی ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے۔ پھر مسلمانوں میں ان فرقوں میں نہیں پیدا کیا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن نام کے مسلمان ہیں اور حقیقتاً اہلِ باطل

اور گمراہ ہیں۔ کسی مسٹر کے گھر پیدا نہیں کیا ورنہ تو شراب و کباب سے بھی نہ بچ سکتے۔ بچپن میں کن کن حالات میں رکھا، ہر شخص اپنے حالات کو خود سوچ لے کہ کس کس طرح پرورش فرمائی اور کن کن انعامات سے نوازا۔ اس پر بھی شکر کرو کہ اللہ نے اپنے خاص بندے کے ساتھ تعلق کی توفیق عطا فرمائی۔ کوئی گمراہ پیر مل جاتا تو دین تباہ ہو جاتا۔ کسی ایسے کے چکر میں پڑ جاتے تو بجائے قرب کے دوری ہوتی چلی جاتی۔ پھر دنیا میں بھی سینکڑوں نعمتیں عطا فرمائیں۔ بجلی کا پنکھا عزت و دولت عطا فرمائی۔ تو جس کو جو نعمتیں حاصل ہیں اس کو سوچا کرے اور شکر کرتا رہے۔ لیکن ان نعمتوں کو اپنا حق سمجھنا سخت بے ادبی ہے۔ ایک شخص تھا، برسوں سے عبادت کر رہا تھا۔ جنت سے اس کے لئے دال روٹی آتی تھی۔ حضرت ابراہیم ادھم نے جب درویشی اختیار کی اور جنگل میں آ گئے ان کے لئے جنت سے خوان آتا تھا اس شخص کے دل میں اللہ کے انصاف کے متعلق اعتراض پیدا ہوا کہ میں تو دس سال سے عبادت کر رہا ہوں میرے لئے صرف دال روٹی آتی ہے اور یہ ابھی آیا ہے اور خوان آنے لگا۔ اللہ کو یہ بات سخت ناپسند ہوئی۔ الہام ہوا کہ تو نے ہمارے لئے صرف کھرپی اور کھانچی چھوڑی تھی اور اس نے ہمارے لئے بادشاہت چھوڑی ہے، تیری وہ کھرپی اور کھانچی رکھی ہوئی ہے، جا گھاس کھود، اور کما، گستاخوں کے لئے ہمارے یہاں کوئی راستہ نہیں۔

اندریں رہ بے ادب را بار نیست

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا﴾

(سورۂ ھود، آیت:۶)

ہر جاندار کا رزق اللہ نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ذمہ کی دو قسمیں ہیں: نمبر ۱: وجوبِ استحقاقی، نمبر ۲: وجوبِ تفضّلی۔

اللہ نے جو یہ ذمہ لیا ہے یہ وجوبِ تفضلی ہے جو محض احسان کے طور پر

ہے۔ جیسے یہ بابا جو میرے یہاں پانی بھرنے آتا ہے، میں اس سے کہہ دوں کہ صبح وشام ہم تمہیں دو روٹی دیا کریں گے۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کا حق میرے اوپر واجب ہو گیا اور میں پابند ہو گیا کہ روٹی دیئے جاؤں۔ بلکہ یہ صرف کرم ہے۔ جب تک جی چاہے گا دیتا رہوں گا کوئی اس کا استحقاق نہیں۔ ایسا ہی جو ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے تو بندے کا استحقاق نہیں ہو گیا اور نہ اللہ تعالیٰ پابند ہو گئے کہ رزق اب ان کے ذمہ واجب ہو گیا بلکہ ذمہ داری صرف ان کا فضل و کرم ہے ورنہ بندہ کا حق نہیں۔ امیر ہو یا غریب کوئی اپنا حق نہ سمجھے اور شکر کرتا رہے۔ کوئی کہے کہ جھونپڑی والا کیسے شکر ادا کرے۔ تو سوچنا چاہئے کہ بڑے بڑے امیر دوزخ میں چلے جائیں گے اور بہت سے غریب جنت میں چلے جائیں گے۔ ان کی جوتیوں کی خاک کی برابر بھی امیر نہ ہوں گے۔ امرا سے پانچ سو برس پہلے غریب جنت میں داخل ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیاوی معاملہ میں اپنے سے غریب کو دیکھو تو تم کو نعمت پر شکر کی توفیق ہو گی ورنہ اپنے سے بڑے کو دیکھو گے تو اللہ کی ناشکری میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ مساکین کے پاس بیٹھا کرو۔ مسکینی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھی کہ دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکین مار اور مسکینوں میں میرا حشر فرما۔ مسکین کے معنی ہیں جس کے دل میں مسکینی یعنی کمال درجے کی تواضع ہو۔ بہت سے غریب مسکین نہیں ہوتے، دل میں تکبر بھرا ہوتا ہے، ذرا سی بات پر چھرا چاقو نکال لیتے ہیں اور بہت سے امیر بھی مسکین ہوتے ہیں۔ مسکین وہ ہے جس کا دل اللہ کی یاد میں ٹوٹا ہوا ہو۔ تو دنیوی معاملات میں اپنے سے چھوٹے کو اور دین کے معاملہ میں اپنے سے بڑے کو دیکھو۔ تم دو رکعات پڑھتے ہو تو بارہ رکعات پڑھنے والے کو دیکھو۔ اس سے دل میں تقاضا اور شوق پیدا ہو گا کہ بارہ رکعات

پڑھوں۔ اور اپنی حالت پر افسوس بھی ہوگا۔ دین کی ترقی کی فکر پیدا ہوگی۔ اس لئے جس کو جو نعمتیں حاصل ہیں اس پر شکر ادا کیا کرو۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بے ادبوں اور گستاخوں کے لئے اللہ کے یہاں کوئی پوچھ نہیں۔ پھر تندرستی کو سوچو کہ صحت عطا فرمائی اگر آج بیماری آجائے تو تندرستی کی قدر معلوم ہو۔ تندرستی عطا فرمائی بیمار نہ بنایا ورنہ عبادت بھی صحیح طرح نہ کر سکتے۔ پھر سوچو کہ مسجد کا قرب دیا کہ پنج وقتہ با جماعت نماز ادا ہو جاتی ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ اپنے ایمان پر روزانہ شکر بھیجا کرو۔ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کا ایمان پر خاتمہ ہو تو ایمان کی نعمت پر روزانہ شکر ادا کرے۔ یہ فکر کی عبادت جسم کی عبادت سے بھی افضل ہے اور اللہ کے خاص بندوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

(سورۂ آلِ عمران، آیت:۱۹۱)

ہمارے خاص بندے زمین و آسمان کی خلق کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ آپ گیہوں کے کھیت میں سمجھتے ہیں کہ یہ دانے ہیں اللہ والے سمجھتے ہیں کہ یہ علما ہیں، بڑے بڑے انجینئر، ہیں ڈاکٹر ہیں۔ ان دانوں میں انسانوں کی پیدائش کے اجزا موجود ہیں، یہ دانے کھیت سے نکل کر ان شخصوں کے پیٹ میں جائیں گے جن سے وہ علما اور ڈاکٹر اور انجینئر پیدا ہوں گے۔ ان دانوں کے اندر انسان چھپے ہوئے ہیں۔ یہ فکر کیا کرو کہ کیسی قدرت والی ذات ہے کہ جو کروڑوں انسانوں کے منتشر اجزا کو نطفوں میں مجتمع کر دیتی ہے یہ اجزا گیہوں کے دانوں میں ہیں، پانی میں ہیں، ہواؤں میں ہیں، مختلف براعظموں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آسٹریلیا سے گیہوں کے دانے آتے ہیں اور ان سے یہاں جو بچے پیدا ہونے ہوتے ہیں ان کے باپوں کے پیٹوں میں وہ دانے پہنچتے ہیں جن سے

نطفہ بنتا ہے اور آدمی وجود میں آتا ہے۔ اسی طرح ہوائیں اور پانی کے وہی قطرے اور وہی غذائیں پیٹ میں جاتے ہیں جن میں ان انسانوں کے اجزا پہلے سے موجود تھے۔ یہ پھیلے ہوئے اور منتشر اجزا باپ کی پشت میں کون مجتمع کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ﴾

(سورۃ النجم، آیت:۳۲)

ہم تمہیں اس وقت سے جانتے ہیں جب تم ماؤں کے پیٹ میں تھے۔ آج اپنے کو بڑا سمجھتے ہو، وہ وقت بھول گئے جب ماؤں کے پیٹ میں پانی تھے اور پانی بھی ناپاک کہ اگر بدن سے نکل جائے تو غسل فرض ہو جائے اور جس کپڑے پر یا جسم کے جس حصے پر لگ جائے وہ حصہ ناپاک ہو جائے، کوئی چھونا پسند نہ کرے اس گندے اور ناپاک پانی پر ہم نے ہی تو تمہاری تصویر کھینچی تھی:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ﴾

(سورۂ اٰلِ عمران، آیت:٦)

عقلمند اور فرماں بردار وہی ہے جو اپنی اصلیت کو نہ بھولے۔ جیسے ایاز تھا کہ بادشاہ کا مقرب تھا۔ اپنے ایک کمرے میں ایک بہت بڑا تالا ڈال رکھا تھا۔ روزانہ تالا کھولتا تھا اور تھوڑی دیر اندر رہتا تھا۔ جو لوگ بادشاہ کا مقرب ہونے کی وجہ سے اس سے حسد کرتے تھے انہوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ایاز نے خزانۂ شاہی سے بہت سا مال چرالیا ہے، تالا بھی اس کے ایک کمرے میں پڑا ہوا ہے اور وہ روزانہ اس کو کھول کر اس خزانے کو دیکھتا ہے کہ کہیں چوری نہ ہو گیا ہو۔ بادشاہ نے کہا کہ ایاز ایسا نہیں کرسکتا لیکن وزرا کے کہنے سے ایاز کے گھر پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا۔ فوج وہاں گئی تو دیکھا کہ اس تالے کے اندر ایک گدڑی رکھی ہوئی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ایاز یہ کیا؟ تم نے یہ گدڑی اتنی حفاظت سے تالے میں کیوں بند کر رکھی ہے؟ عرض کیا کہ ؎

چارقت نطفہ ست و خونت پوستیں
باقی اے خواجہ عطائے اوس بیں

بادشاہ کی نظرِ عنایت اور انعامات سے اپنے کو کچھ بڑا مت سمجھ بیٹھنا۔ تیری اصل تو یہ گدڑی ہے جو تو ایک دن پہن کر آیا تھا، باقی تو بادشاہ کی عطا ہے، تیرا کمال نہیں ہے، اس لئے اے ایاز! اپنی گدڑی اور پوستین کو مت بھول جانا۔

اسی طرح تم بھی اپنی گدڑی کو نہ بھولو تمہاری گدڑی کیا ہے منی کے چار قطرے۔ اس گدڑی کو خلعت سے کس نے تبدیل کیا؟ اس ناپاک پانی پر کس نے خوبصورت نقش و نگار بنائے؟ اگر بادشاہ کے انعامات کو بھول گئے اور اپنے کو بڑا سمجھ بیٹھے تو دربارِ شاہی سے نکال دیئے جاؤ گے۔ تمہیں انہوں نے ناپاک سے پاک کر دیا۔ خوبصورت جسم، آنکھیں، ہاتھ، پاؤں، دل و دماغ عطا فرمائے۔ عدم سے وجود میں لے آئے اور مفت میں یہ نعمتیں دے دیں۔ جب اللہ نے تمہیں یہ نعمتیں دے دیں ہیں یہ نعمتیں تمہاری نہیں ہیں اللہ کی ہیں اور تمہیں اس لئے دی گئی ہیں کہ انہیں اللہ کے راستہ میں لگاؤ۔ ان نعمتوں کا مراقبہ کیا کرو کہ ایک دن ہم بے جان گندے اور ناپاک پانی تھے، اللہ تعالیٰ نے خود اس پر ہماری تصویر کھینچی اور ماں کے پیٹ میں کس طرح پرورش فرمائی اور کیسا خوبصورت جسم عطا کیا، آنکھیں، کان، ناک، دل و دماغ عطا فرمائے اور ہر مشین میں ایک قوت ایسی انمول ہے کہ اگر ضائع ہو جائے تو کروڑوں روپیہ دینے پر بھی نہیں مل سکتی۔

اور کبھی تنہائی میں اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھا کرو کہ یہ ان کے ہاتھوں کی کھینچی ہوئی ہیں۔ ان کا ہاتھ نظر نہیں آرہا لیکن ان کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی لکیریں تو نظر آرہی ہیں۔ بہت سے اللہ والوں نے تو اپنے ہاتھ کی لکیروں کو چوم لیا کہ یہ ان کے ہاتھوں کی کھینچی ہوئی ہیں۔ ان کا ہاتھ تو ہم نہیں دیکھ سکتے، ان لکیروں کو تو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ محبت کی باتیں ہیں۔ ان سے اللہ کی محبت دل میں

پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ○﴾

(سورۃ الذّٰریٰت، آیت:۲۱)

تم اپنے اندر ہمیں دیکھ لیا کرو۔ جب عاشق اپنے محبوب سے جدا ہوتا ہے تو نشانی مانگتا ہے کہ کوئی نشانی دے دیجئے جس کو دیکھ کر آپ کو یاد کرلیا کروں۔ اس نشانی سے محبوب کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ روح نے عالمِ ارواح میں بزبانِ حال یہ سوال کیا کہ دنیا میں بھیج تو رہے ہیں کوئی نشانی عطا فرما دیجئے کہ اسے دیکھ کر آپ کو یاد کرلیا کروں تاکہ صبر آجائے۔ فرمایا کہ ہماری نشانی تو تمہارے اندر ہی موجود ہے، تم اپنے اندر ہمیں دیکھ لیا کرو وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ہم ہی نے تو تمہیں بنایا ہے، تم اپنے آپ کو دیکھو گے اپنے بارے میں سوچو گے تو ہم یاد آجائیں گے۔ غرض تمام نعمتوں کا مراقبہ کیا کرو یہ فکر کی عبادت ہے۔

تفسیرِ کبیر، جلد اوّل، صفحہ: ۲۸۰ پر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً ایک ساعت کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس کی دو وجہ بیان فرمائی ہیں:

(۱)...... طاعت تفکر کا صدور قلب سے ہوتا ہے اور جملہ عبادات کا صدور جوارح سے ہوتا ہے اور قلب جوارح سے افضل ہے اس لئے طاعتِ قلب طاعتِ جوارح سے افضل ہے۔

(۲)......اِنَّ التَّفَكُّرَ يُوْصِلُكَ اِلَى اللهِ تَعَالٰى وَالْعِبَادَةَ تُوْصِلُكَ اِلٰى ثَوَابِ اللهِ تَعَالٰى یعنی تفکر مُوصل الیٰ اللہ ہے اور عبادت مُوصل الیٰ ثوابِ اللہ ہے۔ عبادت ثواب تک پہنچاتی ہے اور تفکر تم کو اللہ تک پہنچاتا ہے۔ اس لئے تھوڑی دیر روزانہ سوچنے کی عبادت بھی کیا کرو۔

اور موت کو یاد کیا کرو۔ جو آج کل غنڈہ ہے موت کا سوچنا اور موت کی یاد اسے مسلمان بنائے گی۔ موت کی یاد ایسی چیز ہے جو گناہ گار مسلمان سے گناہ

کی عادت چھڑا دیتی ہے اور اس راہ میں اکسیر ہے۔ اگر وہ گاڑھا وقت سامنے رہے تو آدمی گناہ کے قریب نہ جائے۔ موت کا دھیان رہے کہ ایک دن اللہ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ہر نماز کو یہ سمجھو کہ شاید یہ میری آخری نماز ہے۔ فجر میں یہ سمجھو کہ شاید ظہر نہ ملے اور ظہر کو یہ سمجھو کہ شاید عصر نہ ملے۔ کیا معلوم ہے کس وقت ویزا ختم ہو جائے۔ نماز نماز اسی وقت ہوتی ہے جب آدمی یہ سمجھتا ہے کہ یہ میری آخری نماز ہے۔ اس سے موت کا خیال رہنے لگے گا اور آخرت کی فکر بڑھتی جائے گی۔ اگر کسی کو پانچ سال کے بعد ہمیشہ کے لئے سعودی عرب جانا ہو تو آج ہی سے تیاری شروع کر دیتا ہے اور یہاں مسافرانہ زندگی گزارتا ہے۔ فکر رہتی ہے کہ وہاں بسنے کے لئے کن کن باتوں سے آسانی ہوگی اس وقت کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ وہاں کے لوگوں کو خطوط لکھتا ہے کہ آپ مجھے مطلع کریں کہ وہاں کے لئے کیا کیا تیاری کروں۔ ان کے لئے تحفہ بھیجتا ہے کہ جب وہاں جا کر رہوں تو وہ اچھی طرح پیش آئیں لیکن اللہ کے ساتھ انسان کیا معاملہ کرتا ہے؟ جن کے ساتھ ہمیشہ رہنا ہے وہاں کی تیاری میں مصروف نہ ہونا سخت نادانی کی بات ہے۔ وہ گاڑھا وقت جب وہ ساری کائنات سے الگ ہو جائے گا، بیوی بچے اعزا و اقربا کچھ کام نہ آئیں گے اس کی فکر نہ ہونا بے وقوفی ہے۔ مکان بھی یہیں رہ جائے گا، بچے بھی کہیں گے ابا نے مکان بنایا تھا لیکن اب تو لاش سڑ جائے گی جلدی نکالو۔ مجبور ہے اولاد بھی۔ ان مکانوں سے ابھی سے دل توڑ لو۔ بعض صوفیا کا ارشاد ہے کہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ اس وقت کے آنے سے پہلے اللہ کو یاد کر لو۔ سبحان اللہ کہہ رہے ہو تو اپنے اوپر احسان کر رہے ہو، تمہارے سبحان اللہ کہنے سے اللہ تعالیٰ پاک نہیں ہو جاتے۔ وہ تو پہلے ہی سے پاک ہیں۔ سبحان اللہ کہنے سے تم پاک ہوتے ہو۔ پاک ہو کر جاؤ گے تو حضور صلی اللہ علیہ

وسلم سے ملاقات ہوگی، صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ملاقات ہوگی، تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوگی، خود اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی تمہیں دیکھ کر کہ میرا امتی آیا ہے، اپنے کو سنوار کر آیا ہے۔ آج جن آنکھوں سے بدنظری کر رہے ہیں اور جسے اپنا سمجھ رہے ہیں کل یہ آنکھیں گواہی دیں گی کہ اے اللہ اس نے ہمارے اوپر ظلم کیا۔ آپ نے تو ہمیں اپنی یاد میں رونے کے لئے بنایا تھا اور اس نے آپ کی دی ہوئی قوت کو لڑکیوں کے دیکھنے میں صرف کیا۔ زبان گواہی دے گی کہ اے اللہ اس نے میرے اوپر ظلم کیا، آپ نے مجھے اپنے ذکر کے لئے بنایا تھا اور اس نے مجھے غیبت اور لغو گوئی اور نافرمانی میں خرچ کیا۔ یاد رکھو کہ ایک دن تم کو بے زبان ہونا ہے۔ اس لئے اپنی زبان سے کام لے لو۔ اس دن سے پہلے اللہ اللہ کر لو جس دن زبان بے زبان ہو جائے گی۔ منہ میں زبان ہوگی لیکن بے زبان ہوگی نہ سبحان اللہ کہہ سکتی ہے نہ اللہ کہہ سکتی ہے نہ ذکر کر سکتی ہے نہ تلاوت کر سکتی ہے۔ جب آدمی مر جاتا ہے زبان منہ میں ہوتی ہے لیکن اس وقت کیا کچھ کہہ سکتی ہے؟ وہ وقت آنے سے پہلے اس زبان سے خوب اپنے اللہ کو یاد کر لو، اللہ اللہ کر لو، تلاوت کر لو۔ آج تو ناپاک پانی سے سبحان للہ کی آواز آسکتی ہے۔ آج یہ سبحان اللہ تمہیں پاک کر دے گا ورنہ کل جب جسم بے جان پڑا ہوگا، لوگ نہلا رہے ہوں گے، روح قریب سے اپنے جسم کو دیکھ رہی ہوگی تو ہاتھ مل رہی ہوگی کہ کاش زندگی میں اللہ کو یاد کر لیا ہوتا۔ آج بازار گرم ہے اللہ کا سودا خرید لو۔ جب بازار ٹھنڈا ہو جائے گا اس وقت کیا کوئی خرید سکتا ہے۔ دنیوی معاملات میں خوب عقل آجاتی ہے کہ ماں باپ اور بہن بھائی کہہ کر بھیجتے ہیں کہ جاؤ اس وقت بازار گرم ہے یعنی سودا افراط سے بک رہا ہے، خرید لو! ورنہ پھر بازار ٹھنڈا ہو جائے گا، پھر کچھ ہاتھ نہ آئے گا لیکن اللہ کے معاملہ میں عقل گم ہو جاتی ہے کہ جب تک

زندگی کا بازار گرم ہے اس وقت تک ہی اللہ کو خریدا جا سکتا ہے۔ یہ بازار ٹھنڈا ہوا تو پھر نہ ملیں گے لہٰذا آج ہی وہ تدبیر کر لو جن سے وہ مل جائیں ورنہ جب پیٹھ اکھڑ جائے گی اس وقت انہیں نہ خرید سکو گے اپنی آنکھوں اور کانوں اور ہاتھوں سے اپنے اللہ کو خرید لو کیسے؟ اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے آنکھوں میں جو روشنی پیدا ہوئی ان آنکھوں سے لڑکیوں اور امردوں کو نہ دیکھو، اللہ والے کو دیکھو، لاشوں کی یاد میں نہ روؤ، اللہ کی یاد میں روؤ، یوں کیا تو گویا تم نے اپنی آنکھیں اللہ کے راستے میں دے دیں اللہ تعالیٰ سے سودا کر لیا کہ میں نے آنکھیں آپ کو دے دیں آپ اس کے بدلے میں مجھے مل جایئے۔ اسی طرح کانوں سے اللہ کی باتیں سنو، کسی کی غیبت اور برائی نہ سنو، ان کانوں سے تم نے اللہ کا سودا کر لیا، کان انہیں دے دیئے اس کے بدلے میں انھیں خود لے لیا۔ ہاتھوں سے حرام مال نہ کھاؤ، ان ہاتھوں سے صدقہ کرو، یہ ہاتھ تم نے اللہ کے راستے میں دے دئے، گویا ان ہاتھوں سے انہیں خرید لیا۔ اسی طرح آج یہ جسم کا بازار گرم ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ کا سودا مل رہا ہے۔ عقلمند ہے وہ شخص جس نے اس گرم بازاری سے فائدہ اٹھالیا اور سودا خرید لیا اور بے وقوف ہے وہ شخص جو اس وقت سوتا رہا۔ کل جب بازار ٹھنڈا پڑ جائے گا تو یہ ہاتھ ملے گا۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہو جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اس زندگی کا چراغ تو ابتر ہے۔ اس چراغ سے ایسا چراغ جلالو جو کبھی نہ بجھے ؎

باد تند است و چراغِ ابترے
زو بگیرانم چراغِ دیگرے

موت کی ہوا تو تیز چل رہی ہے اور تمہاری زندگی کا چراغ ضعیف ہے۔ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے۔ کیسے جلے گا؟ عبادت سے، تلاوت سے، ذکر سے، نماز سے۔ زندگی کے چراغ کی لو سے اپنی روح میں چراغ جلالو وہ کبھی

نہیں بجھے گا، نہ قبر میں، نہ برزخ میں بجھے گا، نہ پل صراط پر بجھے گا، نہ جنت میں بجھے گا۔ یہ جسم کا چراغ تو فانی ہے۔ اس چراغ سے روح میں ایسا چراغ جلالو جو ہمیشہ باقی رہے گا لیکن وہ چراغ جلے گا اسی چراغ سے۔

تو موت کی یاد فاسق کو مومن بناتی ہے اور مومن کو ولی کامل بناتی ہے۔ مراقبہ کیا کرو اس طرح کہ میری جان نکل رہی ہے اور موت کے وقت میری آنکھوں کی پتلی اوپر نیچے آ جا رہی ہے۔ ماں، باپ، بیوی، بچے، دوست، اعزاء سب چھوٹ رہے ہیں۔ کار اور بنگلہ چھوٹ رہے ہیں۔ تمام سینما اور دفاتر چھوٹ رہے ہیں۔ سب مزے چھوٹ رہے ہیں۔ اب جان نکل گئی، آنکھیں پتھرا گئیں، سانس رک گیا، نہلایا جا رہا ہوں، اب کفن پہنا دیا گیا، کافور لگا دیا گیا، کندھوں پر جا رہا ہوں۔ بیوی بچے رو رہے ہیں لیکن کوئی ساتھ جانے کو تیار نہیں۔ جن کی خاطر اللہ کے قانون کو توڑا تھا وہ آج ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ اب قبر میں لٹا دیا گیا اوپر سے تختے رکھ کر مٹی ڈال دی گئی، ہزاروں من مٹی کے نیچے تنہا پڑا ہوں۔ جو لوگ قبرستان ساتھ آئے تھے وہ بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ اللہ کے سامنے پیشی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ پوچھ رہے ہیں کہ تم نے رسول اللہ کی تہذیب پر انگریز کی تہذیب کو ترجیح کیوں دی۔ تم نے ہمارے دشمنوں کی وضع قطع کو کیوں اپنایا تھا؟ اور ہمارے رسول کی وضع قطع کو کیوں چھوڑا تھا؟ نالائق! کیا ہمارے رسول کی تہذیب میں نقص تھا؟ اور ہمارے دشمنوں کی تہذیب اچھی تھی؟ ہم نے تمہیں دنیا میں ویزے پر بھیجا تھا تم نے اپنے کو نیشنل کیوں سمجھ لیا تھا؟ تم کیوں بھول گئے تھے کہ تمہیں ایک دن ہمارے پاس واپس آنا ہے؟

سوچو کہ کسٹم ہو گیا۔ تمام کانوں، آنکھوں کو اتار کر پھینک دیا گیا۔ اب دوسرا جسم عطا کیا جائے گا۔ یہ جسم خاک ہو جائے گا۔ پھر دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ ایک کافر عاص بن وائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بوسیدہ ہڈی کو مل

کر اڑا دیا تھا اور گستاخانہ لہجے میں کہا تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ کر دے گا؟ جبکہ یہ ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں بکھر گئی۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ○ وَّضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلۡقَہٗ ؕ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَہِیَ رَمِیۡمٌ ○ قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ وَہُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمُ ○﴾

(سورۂ یٰسین، آیات: ۷۷-۷۸-۷۹)

ترجمہ: کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا۔ اور اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا اور اپنی اصل کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کر دے گا۔ آپ جواب دے دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے اوّل بار میں ان کو پیدا کیا ہے اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ (ترجمہ از بیان القرآن)

ذکر اور فکر کے بعد تیسری چیز ہے دھن اور چوتھی چیز ہے دھیان۔ دھن کے معنی ہیں کہ دل میں ہر وقت یہ فکر لگی ہو اور یہ تڑپ ہو کہ اللہ کو کس طرح راضی کروں۔ اور دھیان کے معنی یہ ہیں کہ ہر وقت یہ فکر لگی ہو کہ مجھ سے کوئی عمل ایسا تو سرزد نہیں ہو رہا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں۔ یہ چار باتیں جس میں ہوں گی وہ اللہ والا ہو جائے گا۔

۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ مطابق ۹ مئی ۱۹۷۱ء،

بوقت طعام، بارہ بجے دوپہر

لذاتِ دنیویہ کے قلیل المیعاد اور لذاتِ روحانیہ کے طویل المیعاد ہونے کی حکمت

ارشاد فرمایا کہ اللہ نے حلق کی گذرگاہ پر تاروں کا جال بچھا دیا ہے جو اس راہ گذر پر گذرنے والے یعنی لقمہ کی ساری لذت کو چوس ڈالتا ہے لیکن یہ لذت

کشی کی قوت صرف زبان سے حلق کے آخر تک ہے۔ غذا جب معدہ میں پہنچ گئی تو لذت کا احساس بھی فنا ہو جاتا ہے ورنہ وہ اللہ جس نے زبان و حلق میں لذت کے یہ تار بچھا دئے وہ اس بات پر بھی قادر تھا کہ معدہ میں بھی اعصاب کی رگوں کے تار بچھا دیتا جس سے سارے دن کھانے کی لذت کا احساس ہوتا رہتا لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا؟ کیوں؟ کیونکہ یہ لذتیں مقصود نہیں ہیں، اس لیے دنیا کی ہر لذت قلیل المیعاد ہے۔ جو لذت جتنی الذ ہے اتنی ہی زیادہ قلیل المیعاد ہے۔ یہ اللہ کی حکمت ہے ورنہ اگر اللہ تعالیٰ لذات دنیویہ کی میعاد کو طویل کر دیتا تو بندے ان ہی میں ہمہ وقت منہمک رہتے اور اللہ کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ غرض دنیا کی تمام لذتوں کو قلیل المیعاد اور مختصر کر دیا اور اپنی لذت کو طویل المیعاد بلکہ دائمی کر دیا جس پر کبھی زوال نہیں آتا۔ جب بندہ ذکر کرتا ہے نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہے تو کیا اللہ کے نام کی لذت ان اعمال کے دوران ہی رہتی ہے؟ ذکر و نماز و روزہ کے بعد بھی کیف و سرور میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ روح میں ہر روز کیف بڑھتا جاتا ہے۔ ذکر و نماز وغیرہ کے درمیان جو لذت ملتی ہے وہ تو الگ ہے ہی لیکن ان اعمال کے ختم ہونے کے بعد بھی چوبیس گھنٹہ روح سرور کا ادراک کرتی ہے اور ہر روز اس سرور میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ان طاعتوں کے انوار و لذات کو ساتھ لے کر روح اپنے رب کے پاس جاتی ہے اور صرف یہی لذت ایسی دائمی ہے جو قبر میں برزخ میں حشر میں جنت میں ہر جگہ باقی رہتی ہے اور جس میں کبھی اور کہیں زوال نہیں آتا۔

۲۱ رشعبان ۱۳۹۴ھ مطابق ۹ ستمبر ۱۹۷۴ء بروز دوشنبہ (پیر) بعد فجر

برمکان حاجی گلو صاحب، حیدرآباد

مخالفت ایمان کی پختگی کا ذریعہ ہے

ایک صاحب حضرت والا سے بیعت ہوئے تو حافظ یٰسین صاحب

نے عرض کیا کہ ان کے خاندان میں سب بے دین ہیں ان کی بہت مخالفت ہوگی، ارشاد فرمایا کہ ایمان جتنا امتحان سے گذرتا ہے اتنا ہی اور چمکتا ہے، یہ وہ سونا ہے جو آگ میں جل کر اور زیادہ چمکتا ہے۔ دوست احباب جب طعن کرتے ہیں کہ دیکھو یہ ملا ہو گئے ان طعنوں سے ایمان پختہ ہوجاتا ہے جیسے گیند کو جتنے زور سے پٹکو اتنی ہی اوپر جاتی ہے ایسے ہی جب مخلوق ستاتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے تعلق اور قوی ہوتا ہے۔ یہ بندہ اللہ سے روتا ہے کہ اے اللہ! آپ کی راہ میں ستایا جارہا ہوں مخلوق کے ستانے سے دل ٹوٹا جاتا ہے اور وہ دل میں آتے جاتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے:

((اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ لِاَجْلِيْ))

(المرقاۃ، کتابُ الجنائز، باب عیادۃ المریض)

میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں۔

رُوحانی تربیت کا ایک راز

ارشاد فرمایا کہ یہ جو ایک ایک دو دو آدمی بیعت ہوتے ہیں اس میں تربیت کا راز ہے۔ کبھی مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ جو ایک ایک دو دو آدمی وقفہ وقفہ سے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ کثیر تعداد کو بیک وقت دین کی طرف متوجہ کردیں ور کثیر تعداد اللہ اللہ کرنے والی پیدا ہوجائے تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ ڈالا کہ ایک ایک دو دو آدمی جو رفتہ رفتہ داخلِ سلسلہ ہوتے ہیں اس میں ان کی روحانی تربیت کا بڑا راز ہے۔ جب ایک آدمی اللہ تعالیٰ کے راستے میں داخل ہوتا ہے اور اس پر محنت کی جاتی ہے کچھ عرصے بعد اس میں پختگی پیدا ہوجاتی ہے تو دوسرا داخل ہوتا ہے پھر اس پر وقت اور محنت صرف کرنے سے وہ بن جاتا ہے اس طرح تھوڑے تھوڑے آدمیوں پر محنت کرنا اور وقت دینا آسان ہوتا ہے اور اس طرح تربیت

آسان ہوجاتی ہے، اس کے برعکس اگر بہت سے آدمی مثلاً ایک ہزار ایک وقت میں داخل سلسلہ ہوں تو تربیت مشکل ہوجائے کیونکہ اس کثرت ہجوم میں افراد پر محنت کرنا اور ان کے حالات کو سننا اور ان کو وقت دینا مشکل ہوتا ہے اور اس طرح وہ خام ہی رہ جاتے ہیں جیسے اگر کسی کے چار، پانچ بچے ایک ساتھ پیدا ہوجائیں تو ان کی تربیت مشکل ہوجائے اسی طرح کثرت ہجوم میں روحانی تربیت بھی مشکل ہوتی ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ کی عجب رحمت ہے کہ تھوڑے تھوڑے آدمی دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کو تربیت کا عرصہ مل جاتا ہے جس سے ان میں پختگی آجاتی ہے یہاں تک کہ وہ ایک عرصے میں دوسروں کی تربیت کے قابل ہوجاتے ہیں' یہاں تک کہ اگر پیر مر بھی جائے تو یہ تربیت یافتہ دوسروں کو سنبھال لیتے ہیں اور اسلام کی تاریخ میں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ پہلے چند افراد ایمان لائے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے پھر کچھ عرصے آپ نے ان پر محنت کی اور ان کی تربیت فرمائی اس طرح رفتہ رفتہ لوگ ایمان لاتے رہے اور ان کی تربیت ہوتے ہوتے یہ لوگ کثیر تعداد میں ہوکر دوسروں کے ہادی اور مُصلح بن گئے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریباً آٹھ سو تابعین کے استاذ تھے۔

حضرت والا دامت برکاتہم کی بے پایاں شفقت کی ایک مثال

برمکان ڈاکٹر ایوب صاحب حیدرآباد بوقت صبح

حافظ عبدالرحیم صاحب اور دوسرے احباب سے درمیان گفتگو فرمایا کہ آپ لوگ ہمارے میر صاحب کا کلام سنئے تو معلوم ہوگا کہ اردو شاعری کے فن کے اعتبار سے ان کا کلام ایسا ہے کہ اگر کسی کو نہ بتایا جائے تو لوگ سمجھیں گے کہ غالب یا ذوق وداغ کا کلام ہے، شاعری کے اعتبار سے نہایت بلند ہے،

پھر احقر سے فرمایا کہ ؂

کہاں تک پاس بدنامی کہاں تک ضبط بے تابی
کلیجہ تھام لو یارو کہ ہم فریاد کرتے ہیں

احقر سے فرمایا کہ بس بے جھجک ہو کر سناؤ پھر جب احقر نے چند اشعار سنائے تو حضرت والا نے اپنے کرم سے بہت زیادہ پسند فرمائے اور مندرجہ بالا الفاظ پھر دہرائے اور ہنس کر اور جھوم جھوم کر حضرت والا سن رہے تھے۔

ایک رئیس نے مزاح میں احقر کے لیے کچھ نامناسب الفاظ ازراہ مزاح کہہ دیئے تو حضرت والا نے فرمایا کہ آپ نے تہذیب سے گری ہوئی بات کی آپ کو ایسے الفاظ نہ کہنے چاہیے تھے، جو خود چور ہوتا ہے وہ دوسروں کو بھی چور سمجھتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا دل چور ہے اس لیے آپ ان (احقر) کو ایسا سمجھ رہے ہیں پھر جب وہ صاحب چلے گئے تو احقر سے فرمایا کہ آج ان صاحب کو معلوم ہو گیا کہ مولوی ایسے بھی ہیں جو رئیسوں کو جھاڑ دیتے ہیں، میرے جملے ان کے دل میں چبھ رہے ہوں گے، غرض میں نے ان سے انتقام لے لیا کہ میرے عشرت کو اس نے ایسا کیوں کہا اور پھر دوسروں سے مخاطب ہو کر احقر کے لیے فرمایا کہ ایک عالم کے ساتھ انہیں ایسا مزاح نہ کرنا چاہیے تھا۔ حضرت والا کا اس ناکارہ پر اس قدر کرم ہے کہ احقر اس نعمت پر اگر عمر بھر سجدہ میں پڑا رہے تو شکر ادا نہیں کر سکتا۔

قرآن کی حفاظت کا وعدہ حفاظ کرام کی حفاظت کو مستلزم ہے

ارشاد فرمایا کہ:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○﴾

(سورۃ الحجر، آیت:۹)

میں ہٗ کی ضمیر قرآن کی طرف ہے لیکن قرآن کی حفاظت بذریعہ افراد ہوگی پس

جب قرآن کی حفاظت افراد پر موقوف ہے تو لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میں قرآن والوں کی حفاظت بھی آ گئی یعنی جب اس قرآن کو محفوظ رکھنا ہے تو جن افراد کے سینوں میں یہ قرآن ہے ان افراد کی حفاظت کا بھی وعدہ ہو رہا ہے کیونکہ بغیر افراد کی حفاظت کے قرآن کی حفاظت ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی عقلی دلیل

ارشاد فرمایا کہ آدمی ذمہ داری قبول کرتا ہے بوجہ محبت کے، مثلاً بیوی بچوں کی ذمہ داری کیوں قبول کرتا ہے؟ اس لیے کہ ان سے محبت ہوتی ہے اور جہاں محبت نہیں ہوتی وہاں ذمہ داری بھی قبول نہیں کرتا۔ جو جتنا زیادہ قریبی اور اپنا ہوتا ہے اس کی ہر طرح کی ذمہ داری آدمی دل و جان سے قبول کرتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! سب سے زیادہ قریبی تو تمہارا میں ہوں یہاں تک کہ تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۝﴾

(سورۂ ق، آیت:۱۶)

نہ تو تمہارے ماں باپ تمہاری جان سے زیادہ قریب ہیں نہ تمہاری اولاد تم سے اتنی زیادہ قریب ہے جتنا میں ہوں۔ پس جب میں تم سے اقرب ہوں تو میرا حق تم پر تمہارے ماں باپ سے بھی زیادہ ہے تمہاری اولاد سے بھی زیادہ حتیٰ کہ تمہاری جان سے بھی زیادہ ہے کیوں کہ میں تمہاری جان سے بھی زیادہ تم سے قریب ہوں پھر تم میری ذمہ داری کیوں قبول نہیں کرتے، میرے حکم کی پابندی میں اگر تمہاری جان کو بھی کچھ تکلیف ہو تو میرے اقرب ہونے کا حق یہ ہے کہ تم اس کو بجالاؤ مثلاً روزہ رکھنے میں اگر جان کو تکلیف ہوتی ہے تو میری محبت کا حق ہے لہٰذا اس ذمہ داری کو قبول کرو اسی طرح اگر نماز پڑھنے میں تمہاری جان کو تکلیف ہوتی ہے تو سوچو کہ میرا حق تم پر تمہاری جان سے بھی زیادہ ہے اس لیے

میری محبت کے حقوق کو بجالاؤ چند دن دنیا میں تم میری مرضی پر چل لو جنت میں میں تمہاری ہر خواہش اور مرضی کو پورا کردوں گا، کوئی خواہش ایسی نہ ہوگی جس کو میں پورا نہ کروں۔

ابو طالب کی محرومی کا سبب

ارشاد فرمایا کہ جو محبت اللہ کے لیے ہو اس میں محرومی نہیں ہوتی جو بھی کسی اللہ والے سے اللہ کے لیے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ضرور مل جائیں گے ضرور اللہ اس کو اپنی محبت دے گا' اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت کی لیکن وہ تو محروم رہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اللہ کے لیے نہیں تھی بلکہ وہ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے کہ یہ میرے بھتیجے ہیں ابو طالب کا مطلوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے اللہ نہیں تھا اگر اللہ مطلوب ہوتا تو ناممکن تھا کہ ابو طالب محروم رہتے۔

۲۴ رشعبان ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۲ رستمبر ۱۹۷۴ء

ایک الہامی دعا

ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب کے لڑکے کے متعلق یہ دعا دل میں آئی کہ یوں دعا کیجئے کہ اے اللہ میرے بچے کی گمراہی کی طاقت سے تیری ہدایت کی طاقت بالاتر اور قوی تر ہے تو اپنے آفتاب ہدایت کی کوئی کرن میرے بچے پر ڈال دیجئے ہم تو سب تدبیر کر چکے ہم عاجز ہیں تو قادر ہے، ہماری گمراہی کی انتہائی اصلاح کے لیے تیری ہدایت کی ابتدا کافی ہے۔ یہ آواز جملہ مجھے ایک خاص معاملہ میں حق تعالیٰ نے عطا فرمایا میں نے جب یہ دعا مانگی تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ حق تعالیٰ کی رحمت کو یہ عنوان پسند آیا۔ یہ جملے ایسے ہی نہیں ہوتے کہ جن کا

تعلق محض دماغ سے ہو بلکہ حق تعالیٰ بزرگوں کی جوتیوں کے صدقہ میں خاص طور سے میرے دل کو عطا فرماتے ہیں۔

احقر سے ارشاد فرمایا کہ تم بھی اس عنوان سے دعا مانگا کرو کہ میرے نفس کی گمراہی کی قوت پر تیری ہدایت کی طاقت غالب ہے تو اپنے آفتاب ہدایت کی کوئی شعاع مجھ پر ڈال دے پھر میری گمراہی کا آپ کی ہدایت پر غالب ہونا محال ہے اے اللہ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ کا ایک فرد آپ سے بھیک مانگ رہا ہے ہم تو آپ کے پکارے ہوئے فقیر ہیں اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ساری فقیری کو الیٰ کے ذریعہ آپ نے اپنی ذات کے ساتھ وابستہ فرمایا پھر ہم کہاں جائیں آپ کے سوا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ کی سب سے زیادہ محبوب ادا

ارشاد فرمایا کہ پیغمبر جو ہوتا ہے وہ کائنات کے اندر سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا مزاج شناس ہوتا ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پریشانی کی حالت میں نماز کی طرف دوڑنا:

((كَانَ اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ فَزَعَ اِلَى الصَّلَاةِ))

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض)

یہ ظاہر کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت کو پریشانی کی حالت میں بندہ کی یہ ادا سب سے زیادہ پسند آتی ہے۔ اللہ کی رحمت خاص متوجہ ہوتی ہے نماز سے۔

ربوبیت کا ایک خاص اثر

ارشاد فرمایا کہ چھوٹا یتیم بچہ جس نے ماں باپ کو کبھی نہیں دیکھا اس کے سامنے جب اس کے ماں باپ کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ کیوں محظوظ ہوتا ہے؟ اس لیے کہ اس کے خون میں ماں باپ کی ربوبیت کے اثرات ہوتے ہیں۔ پس حق تعالیٰ جب ہماری روح کے خالق ہیں اور رب ہیں تو ان کو ہم نے نہیں دیکھا

جب ان کا ذکر کیا جائے گا تو روح پر اس کے اثرات کیوں نہ مرتب ہوں گے، ان کے ذکر سے روح کیوں محظوظ نہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر چہ ایمان بالغیب ہے لیکن کیونکہ ہماری رگ رگ میں ان کی ربوبیت داخل ہے اس لیے جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو روح تڑپ جاتی ہے، لذت محسوس کرتی ہے الا شقاوت ازلی ہو العیاذ باللہ تو ایسی روح محروم رہتی ہے۔

۵ ؍رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۲۲ ؍ستمبر ۱۹۷۴؁ء قبل ظہر بروز اتوار

بقاءِ نعمت کا طریقہ

ایک صاحب نے عرض کیا کہ آج کل بچے کی دینی حالت اچھی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ خوب شکر کرو اور اللہ سے یوں کہو کہ اے اللہ میں اپنے بچے کو جس حالت میں دیکھ رہا ہوں میرا رواں رواں اس پر شکر کر رہا ہے۔ پس جس نعمت کے بارے میں یہ دل چاہے کہ وہ نہ چھینی جائے اور اس میں اضافہ ہو اور نعمت میں زوال نہ آئے تو اس پر خوب شکر کرو حسب وعدہ:

﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ﴾

(سورۂ ابراهیم، آیت:۷)

تو حق تعالیٰ اس نعمت کو نہ چھینیں گے بلکہ اور زیادہ کر دیں گے۔

بھوک کی مثال سے شہوتِ نفس کی عجیب دلیل

ارشاد فرمایا کہ کسی کو شدید بھوک لگی ہو اور اس کے سامنے اعلیٰ درجہ کی بریانی قورمہ اسٹو وغیرہ رکھا ہو اور کوئی کہے کہ دیکھو اس بریانی کو لالچ اور کھانے کی نظر سے نہ دیکھنا پاک نظر سے دیکھنا تو یہ حماقت ہے۔ اسی طرح آج کل کے حمقاء کہتے ہیں کہ لڑکیوں کا بے پردہ رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھو پاک نظر سے دیکھو اور ان کو اپنی اس حماقت کا علم نہیں ہے کہ یہ

محال ہے جس طرح بھوک میں پاک اور بے طمع نظر سے کھانے کو دیکھنا محال ہے اسی طرح جب شہوت ہمارے اندر رکھ دی گئی ہے تو شہوت کے ہوتے ہوئے نامحرم لڑکیوں کو پاک نظر سے دیکھنا بھی ممکن نہیں اور اگر پیٹ بھرا ہو تو کھانے کو دیکھ سکتا ہے لیکن اس سے لذت یاب نہیں ہوسکتا لیکن شہوت ایسی چیز ہے کہ اگر اپنی بیوی سے صحبت بھی کر کے آیا ہے اور پھر بیوی سے زیادہ کوئی حسین صورت سامنے آجائے گی تو نفس آنکھوں سے لذت کا کوئی نہ کوئی درجہ حاصل کرلے گا معلوم ہوا کہ بے پردگی سے معصیت کا کوئی درجہ ہر حال میں رہے گا اسی لیے شریعت نے بے پردگی کو حرام فرمادیا جس طرح بھوک میں صرف دیکھنے سے معدہ میں غذا نہیں پہنچ جاتی لیکن معدہ اپنا کام شروع کردیتا ہے اسی طرح آنکھوں سے دیکھنے سے اگرچہ اعضاءِ شہوت مبتلا نہیں ہوتے لیکن آنکھوں سے لذت میں مشغول ضرور ہوجاتے ہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں فرماتے کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں۔

اللہ نے اپنی رحمت کے خزانے لٹانے کے لیے ہمیں پیدا کیا

ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ہم کو کیوں پیدا کیا؟ کیا ہم سے انہیں اپنا کوئی بنگلہ بنوانا تھا یا کوئی مزدوری کرانی تھی یا کوئی کام کرانا تھا؟ ان کو ہماری کوئی ضرورت اور احتیاج نہیں تھی اللہ نے تو اپنے خزانے لٹانے کے لیے ہم کو پیدا کیا ہے ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

میں نے اے بندو تم کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ تم سے کوئی نفع حاصل کروں بلکہ اس لیے پیدا کیا ہے کہ اپنی رحمت کے خفیہ خزانے تم پر لٹا دوں پس جب اسی لیے پیدا کیا ہے تو اس ماہ مبارک میں یوں دعا مانگو کہ اے وہ ذات پاک جس نے ہمیں اپنا فقیر بنا کر پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ اپنے خزانے ہم پر لٹا دے تو

اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ کا ایک فرد آپ سے بھیک مانگ رہا ہے کہ ان خزانوں کی بارش مجھ پر بھی فرما دیجئے اور میری دین اور دنیا کی مرادوں کو پورا فرما دیجئے۔

۷؍رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۲۴؍ستمبر ۱۹۷۴؁ء، بروز منگل

ایک خواب کی انوکھی تعبیر

ایک صاحب نے عرض کیا کہ میں نے عجیب خواب دیکھا کہ میں حج پر گیا ہوں تو اہلِ عرب نے جہاز کے سامنے یہ نعرہ لگایا کہ اونٹ ہمارا خدا ہے۔ اس کی تعبیر یہ ارشاد فرمائی کہ حضرت تھانوی سے حضرت پھولپوری نے نقل کیا کہ خواب میں بعض دفعہ بعض الفاظ محذوف ہوجاتے ہیں اس خواب میں لفظ نشانی چھوٹ گیا جملہ یوں تھا کہ اونٹ ہمارا نشانی خدا ہے اور یہ نشانی عرب میں سب سے زیادہ ہے:

﴿اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ﴾

(سورۃُ الغاشیۃ، آیت:۱۷)

کیفیت خلق کی طرف متوجہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ کیفیت خلق سے کیفیت صانع کی معرفت حاصل کرو مخلوق میں صانع کو دیکھو کہ جس کی مخلوق کی یہ کیفیت ہے اسی کا صانع کیسا ہوگا۔ کیفیت مصنوعیت کیفیت صانع پر دلالت کرتی ہے۔

۱۲؍رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۲۹؍ستمبر ۱۹۷۴؁ء، بروز اتوار

عروج بصورتِ نزول

ارشاد فرمایا کہ آج کل رات کو سحری میں تو اٹھنا ہی ہوتا ہے منہ اور ہاتھ دھونے ہوتے ہیں کہنی اور پاؤں تک دھو کر وضو کرلیا اور چار نفل یا چھ نفل تہجد پڑھ کر دعا کرلی۔ رمضان میں تہجد پڑھنا آسان ہے جو آج کل بھی تہجد نہ پڑھے بس وہ محروم ہی ہے۔ یہ دن اللہ کی طرف سے لٹانے کے دن ہیں ہماری

طرف سے لوٹنے کے دن ہیں۔آج کل یوں دعا مانگو کہ اے اللہ آپ نے اپنے خزانے لٹانے ہی کے لیے ہمیں پیدا کیا ہے حدیث قدسی ہے:

((كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا))

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی اخلاقه وشمائله)

اور ہم فقیر ہیں آپ نے ہم کو اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ فرمایا تو ایک فقیر آپ سے مانگ رہا ہے آپ اپنے خزانۂ کرم سے تھوڑی سی بھیک عطا فرما دیجئے ہمارے پیدا کرنے سے اللہ کو کوئی نفع نہیں تھا نہ اپنی عبادت کرانے میں ان کا کوئی نفع ہے آپ نماز پڑھتے ہیں اس سے خدا کی سلطنت بڑھ نہیں جاتی ہے بلکہ ہماری بندگی کی تکمیل کرا کے معراج عطا فرما رہے ہیں آپ کو اپنا مقرب ومکرم فرما رہے ہیں سر کو نزول ہو رہا ہے مگر روح کو عروج ہو رہا ہے سر زمین پر اتر رہا ہے لیکن اتر نہیں رہا بلند ہو رہا ہے صورتاً نزول ہے حقیقتاً عروج ہے اس کا نام ہے عروج بصورت نزول۔

۱۶؍رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۳؍اکتوبر ۱۹۷۴؁ء، حیدر آباد

دُنیائے فانی کے آثار سے کون محفوظ ہوتا ہے

ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۝﴾

(سورۃ الحدید، آیت: ۲۰)

دو حیات ہیں ایک تو حیاتِ ابدی وآسمانی ہے اور ایک حیات دنیا ہے۔ تو حیات دنیا مع اپنے متعلقات کے دھوکہ کی پونجی ہے کیونکہ جب یہ دنیا دھوکے کی کنجی ہے تو جو چیز اس سے متعلق ہوگی وہ بھی دھوکہ ہوگی اس لیے دنیا کی ہر شے سے دل لگانا دھوکہ سے دل لگانا ہے۔ بس حیات ابدی اور اس کے متعلقات ہی اصل چیز ہیں یا دنیا میں رہتے ہوئے جس کا جسم تو دنیا میں ہو لیکن دل کا رابطہ اس حیات ابدی مافوق السماء سے ہو تو اس رابطہ کی برکت سے دنیا میں رہتے ہوئے وہ

دنیائے فانی کے آثار سے محفوظ اور حکماً مافوق السمآء حیات سے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ نہیں کہ دنیاوی حسن سے وہ متاثر نہیں ہوتا نامرد نہیں ہوتا تاثر کامل ہوتا ہے لیکن تاثر کامل کے ساتھ اہتمام تقویٰ بھی کامل ہوتا ہے۔ جس کو تاثر کامل ہوتا ہے اور اہتمامِ تقویٰ کامل ہوتا ہے اتنا ہی اجر کامل ہوتا ہے اور جس کا تاثر ناقص ہوتا ہے اس کا اجر بھی ناقص ہوتا ہے۔ پس جو جتنا قوی الشہوت قوی النفس ہوتا ہے مجاہدہ کے سبب اتنا ہی قوی النور ہوتا ہے۔

کیفیت دَرد

آج بعد تراویح حیدرآباد میں حضرت والا کا ایسا دردناک وعظ حاجی گلو کے گھر ہوا کہ حاضرین رو رہے تھے، اس وعظ کا یہ اثر تھا کہ روح مست ہوگئی اور نیند بھی نہیں آئی اور طبیعت تر و تازہ تھی۔ احقر اور عبدالباسط بھائی حضرت والا کی خدمت میں تھے احقر پاؤں دبا رہا تھا اور عبدالباسط سر میں تیل لگا رہے تھے کہ حضرت والا نے فی البدیہ یہ شعر فرمایا اور حضرت والا پر بھی عجیب کیفیت طاری ہوگئی حضرت دیر تک یہ شعر بار بار پڑھتے رہے ؎

چوں بہ عکسِ حسنِ تو از ہوش رفتہ می شوم
پس چہ باشد چوں ترا بے پردہ بینم روزِ حشر

اور پھر یہ فرمایا ؎

اپنا دیوانہ بنالے مجھ کو اے رب جہاں

پھر یہ شعر فرمایا ؎

جانِ اختر کو کرم سے جانِ مضطر کیجئے
دوسری جانوں کو میری جاں سے مضطر کیجئے

۱۶ ؍رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ مطابق ۳ ؍اکتوبر ۱۹۷۴ء،

برمکان حاجی گلو صاحب حیدر آباد

ایک علمِ عظیم

ارشاد فرمایا کہ:

﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ۞﴾

(سورۂ یونس، آیت: ۶۳)

میں اٰمَنُوۡا میں تو ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا اور وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ میں مضارع لائے اور مضارع میں خاصیت تجدد استمراری کی ہے۔ معلوم ہوا کہ کیونکہ ایمان صرف ایک بار ہی لانا ہوتا ہے اس لیے ماضی سے بیان کردیا لیکن تقویٰ کی محنتیں کیونکہ عمر بھر کرنی ہیں اور تقویٰ کے اہتمام کا تسلسل پوری زندگی جاری رکھنا ہے اس لیے مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ تقوٰی اور ولایت ایک ایسا عمل ہے جو آخری سانس تک جاری رہے گا اور عمر بھر حق تعالیٰ کے ساتھ اس رشتۂ ولایت کی تجدید کرنی پڑے گی۔ کبھی گناہوں سے یہ رشتہ ٹوٹ جائے گا یا کمزور ہو جائے گا تو اب سجدہ میں گرا ہوا آنسو بہا رہا ہے گڑگڑا رہا ہے کہ یا اللہ معاف فرما دیجئے یہ کیا ہے یہی تجدید رشتۂ ولایت مع الحق ہے اور یہ جھگڑا زندگی بھر کا ہے عمر بھر اس تراش خراش میں لگا رہنا ہے اس لیے وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ میں مضارع سے یہ بتا دیا کہ عمر بھر تقویٰ کا اہتمام اور محنت کرنا پڑے گی اور مضارع حال اور استقبال دونوں کے معنی رکھتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حال میں تقویٰ کا اہتمام ضروری ہے اور مستقبل میں بھی ایسا نہ ہو کہ مستقبل میں تقویٰ کا اہتمام چھوڑ دو بلکہ یہ محنت عمر بھر کرنی پڑے گی۔ موجودہ زمانہ میں بھی تقویٰ کا اہتمام رکھنا اور خیال رکھنا کہ آئندہ بھی تقویٰ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے حال و استقبال مضارع میں ہوتا ہے۔

۱۹/رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ مطابق ۶/ اکتوبر ۱۹۷۴ء،

آج ڈاکٹر ایوب کے خط کے جواب میں یہ مضمون تحریر فرما کر ڈاک سے لندن بھجوایا۔

ارشاد فرمایا کہ اتباع رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اصل مقصود ہے جو فَاتَّبِعُوْنِیْ میں منصوص ہے اور اتباع کا ملنا صحبت اہل اللہ پر موقوف ہے۔ اتباع کے ساتھ آدمی دور رہ کر بھی قریب ہے اور اتباع نہ ہو تو قریب رہ کر دور ہے۔ عقلمند کو اشارہ کافی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَ حَیْثُ کَانُوْا))

(مشکاۃ المصابیح، کتاب الرقاق)

مجھ سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں۔ یعنی کسی قوم اور کسی ملک کے ہوں۔

۲۰/رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ مطابق ۷/اکتوبر ۱۹۷۴ء، حیدرآباد

تقویٰ کی کان کی کرامت

چند احباب کے سامنے وعظ کے درمیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ○﴾

(سورۃ التوبۃ، آیت:۱۱۹)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((لِکُلِّ شَیْءٍ مَعْدِنٌ وَمَعْدِنُ التَّقْوٰی قُلُوْبُ الْعَارِفِیْنَ))

(الجامع الصغیر لسیوطی، ج:۲،ص:۱۲۵)

ہر شے کا ایک معدن (کان) ہوتا ہے اور تقویٰ کی کان اللہ والوں کے دل ہیں۔ اس حدیث شریف پر یہ مثال بیان فرمائی کہ ایک بار ایک گدھا اچانک نمک کی کان میں گر کر مر گیا اور کچھ دن بعد گل سڑ کے نمک بن گیا، مقولہ ہے کہ ہر کہ

درکان نمک رفت نمک شد۔ اسی طرح تقویٰ کی کان قلوب العارفین ہیں اس کان میں اگر گدھا بھی گرے گا یعنی کیسا ہی گنہگار گرے گا تو متقی بن کر نکلے گا۔ گنہگار سے گنہگار بھی معدن التقویٰ یعنی قلوب العارفین کی صحبت سے مشرف ہوکر متقی بن جاتا ہے۔

صحبت کے فوائد

ایک بے پڑھا لکھا شخص جو اپنے الہام کو کہتا تھا کہ خبر دیت یعنی اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں شیخ کی صحبت بابرکت سے اس قابل ہوا کہ پانچ سو علماء کے استاذ ملا نظام الدین ان سے بیعت ہوئے۔

آخرت کے پرچہ میں سو فیصد کامیابی

ارشاد فرمایا کہ اگر ممتحن طالب علموں کو بتادیتا ہے کہ فلاں پرچہ میں فلاں مضمون یاد کرلینا تو اس کو یاد کرنا طلبہ امتحان میں سو فیصد کامیابی سمجھتے ہیں اسی طرح آخرت میں تقویٰ کے پرچہ میں کامیابی سو فیصد کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ میں ہے کیونکہ یہ نسخہ وہ ذات بتارہی ہے جسے آخرت میں تقویٰ کا امتحان لینا ہے۔

۲۱/رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ مطابق ۸/اکتوبر ۱۹۷۴ء، سوا تین بجے دوپہر، احقر اور عبدالباسط بھائی موجود تھے

ماضی حال اور مستقبل کیسے روشن ہوتا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ کہ عبدالباسط دیر سے ملا مگر اس وقت سب سے آگے ہے کہ یہی ساتھ رہتا ہے بعض دیر سے داخل ہوتے ہیں مگر اگر فضل ہو تو پہلے والوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اسی طرح جب فضل فرمادیتے ہیں تو بڑے بڑے گنہگار کو اپنا بنالیتے ہیں اور گنہگار کے سینہ کو تقویٰ کے نور سے بھر دیتے ہیں کہ ماضی بھی روشن ہوجاتا ہے۔ تاریک ماضی کو بھی وہ آفتاب حال روشن کردیتا

ہے۔آفتاب حال سے مراد اصلاح حال بھی ہے اور توفیق تلافی ماضی بھی ہے۔

اور فرمایا کہ دل سے آنکھیں بنتی ہیں آنکھوں سے دل نہیں بنتا یعنی دل اگر اللہ والا نورانی ہے تو آنکھیں بھی نورانی ہوتی ہیں اور وہ اللہ والوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہیں اور اگر دل میں گندگی ہے تو آنکھیں بھی گندی چیزوں کو دیکھتی ہیں پھر وہ صورتوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔

حضرت تھانویؒ کی عجیب دُعا

حضرت تھانوی فرماتے تھے کہ اے مالک! ہم سے گناہ نہیں چھوٹتے آپ اپنی رحمت کو ہم پر بند نہ کیجئے۔

۲۸؍رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۵؍اکتوبر ۱۹۷۴ء،

بروز منگل، بعد فجر، کراچی

شیخ کا صرف ولی نہیں مُرشد ہونا بھی ضروری ہے

احقر مظہر میاں کے ساتھ صحن کی مٹی اٹھا کر پھینک رہا تھا تو احقر سے حضرت مرشدی دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ ایک نکتہ نوٹ کر لینا اور یہ نہ ترجمہ ہے نہ تفسیر ہے بلکہ لطائف ہیں:

﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝﴾

(سورۃُ الکھف، آیت:۱۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیخ کے لیے صرف ولی ہونا کافی نہیں مرشد ہونا بھی ضروری ہے یعنی منصب مشیخت کے لیے صرف ولایت ہی کافی نہیں فن ارشاد سے واقف ہونا بھی ضروری ہے یعنی ولایت کے ساتھ راستہ طے کرانے کی صلاحیت بھی ہونی چاہیے۔ جو ولی مرشد ہوگا وہی راستہ طے کرا سکتا ہے اور جو ولی تو ہے لیکن مرشد نہیں وہ رہبر و مصلح نہیں ہوسکتا۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ

شیخ کے لیے صرف صالح ہونا کافی نہیں ہے مصلح ہونا بھی ضروری ہے۔ شیخ کو صالح اور مصلح دونوں ہونا چاہیے۔

۲۹؍رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ، مطابق ۱۶؍اکتوبر ۱۹۷۴ء، بعد فجر

توبہ وندامت سے ماضی حال اور مستقبل کی تلافی

ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کا ماضی خراب ہو گیا تو حال خراب ہو جاتا ہے اور جس کا حال خراب ہو گیا اس کا مستقبل خراب ہو جاتا ہے مثلاً ماضی میں کوئی بچہ آوارہ گردی کرے اور علم حاصل نہ کرے تو حال پر اس کا اثر یہ ہوگا کہ جاہل رہے گا اور جب حال خراب ہو گیا تو مستقبل بھی تباہ ہوگا اور اگر ماضی کی خرابی کی تلافی کر لی اور عمر رفتہ بر جفا پر ندامت و توبہ کر کے حق تعالیٰ کو راضی کر لیا تو اصلاح ماضی سے حال روشن ہوتا ہے اور اصلاح حال سے مستقبل روشن ہوتا ہے۔

تعلق مع اللہ کی علامت

ارشاد فرمایا کہ جو بچہ ماں کی گود میں رہتا ہے اس کو اگر ماں کی گود سے چھینا جاتا ہے تو وہ رونے لگتا ہے اور بے چین ہو جاتا ہے اور جس بچہ نے ماں کی گود ہی نہیں دیکھی وہ ہر ایک کی گود میں چلا جاتا ہے، ہر گود اسے اپنی آغوش میں لے سکتی ہے۔ بس یہی حال ان لوگوں کا ہے جن کی روحوں کو تعلق مع اللہ حاصل ہے ان کو جب شیطان یا نفس، اللہ کی رضاء کے دائرہ سے کھینچنا چاہتے ہیں تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور وہ مثل اس چھوٹے بچے کے بے چین ہو جاتے ہیں جس کو ماں کی آغوش سے چھینا جا رہا ہو اور اگر کوئی شخص لڈو دکھا کر بچہ کو ماں کی گود سے لے بھی لے لیکن جیسے ہی لڈو ختم ہوگا وہ پھر ماں کی آغوش کے لیے رونے لگتا ہے اسی طرح اگر نفس و شیطان گناہ کرا بھی دیتے ہیں لیکن گناہ کے بعد وہ پھر اللہ کے لیے بے چین ہو جاتا ہے اور جب تک توبہ کر کے رحمت الٰہیہ

کی آغوش میں نہیں آتا اسے چین نہیں آتا۔

۵رشوال ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۲/اکتوبر ۱۹۷۴ء، بعدظہر

ماضی، حال اور مستقبل کو روشن کرنے کے لئے ذکر کمًّا اور کیفًا کامل ہونا چاہیے

سیف الاسلام، مصباح الاسلام، نعیم اختر، خالد نعمانی، عبدالرحمن صبار دانش حیدرآباد سے آئے تھے۔ ان کے سامنے حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ انسان کی زندگی کے تین زمانے ہیں، ماضی حال اور مستقبل، جس کا ماضی جتنا روشن ہوگا اتنا ہی اس کا حال روشن ہوگا اور جس کا حال روشن ہوگا اس کا مستقبل روشن ہوگا اسی طرح جس کا ماضی جتنا تاریک ہوگا اتنا ہی اس کا حال تاریک ہوگا اور جس کا حال جتنا تاریک ہوگا اتنا ہی اس کا مستقبل تاریک ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ماضی کے روشن ہونے سے حال روشن ہوتا ہے اور حال کے روشن ہونے سے مستقبل روشن ہوتا ہے اور اس کے برعکس ماضی کے تاریک ہونے سے حال تاریک ہوتا ہے اور حال تاریک ہونے سے مستقبل تاریک ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کا ماضی تاریک ہے یعنی اگر پچھلی عمر گناہوں میں گذری ہے تو وہ ماضی کیسے روشن ہوسکتا ہے؟ اس کا علاج ہے اللہ کا ذکر، گذشتہ پر ندامت اور توبہ اور انابت الی اللہ۔ غفلت زدہ ایام زندگی پر ندامت اور توبہ سے اور اللہ کا ذکر کرنے سے ماضی بھی روشن ہوجاتا ہے آفتاب ذکر تاریک ماضی کو بھی روشن کردیتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ صرف نور ہی نہیں ہیں مُنَوِّر بھی ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

اللہ کا ذکر گناہوں سے افسردہ اور بجھے ہوئے تاریک ماضی کے لیے آفتاب ہے جو ساری تاریکیوں کو نور سے مبدل کردیتا ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ ذکر کمًّا اور

کیفاً کامل ہو جیسے جیسے ذکر کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے کامل ہوتا جائے گا ویسے اس کا نور قوی ہوتا جائے گا۔ کمیت تو یہ ہے کہ جتنا مربی تجویز کر دے مثلاً ۵۰۰ / بار ذکر کرنا اور کیفیت یہ ہے کہ ذکر درد محبت اور اخلاص کے ساتھ کرے جیسے کسی پیاسے کی پیاس کو اس وقت تسکین ہوتی ہے جبکہ پانی کماً بھی پورا ہوا اور کیفاً بھی یعنی اگر ایک گلاس کی پیاس ہے تو اتنا ہی پانی اتنی ہی کمیت میں ہو لیکن صرف کمیت ہی سے پیاس نہیں بجھے گی بلکہ اس میں کیفیت بھی ہونی چاہیے یعنی ٹھنڈا بھی ہو اس طرح روح پر ذکر کا کامل اثر اسی وقت ہوگا جبکہ اس کی کمیت اور کیفیت دونوں کامل ہو جائیں گی اور جب پیاسے کو پانی ملتا ہے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ))

(سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب القول عند الافطار)

اسی طرح جب اللہ کا نام لو تو یہاں بھی ابتلال عروق اور اذھاب الظماء کا احساس ہو جانا چاہیے یعنی یہ محسوس ہونا چاہیے کہ روح کی بے چینی کو تسکین ہوگئی اور رگ رگ سیراب ہوگئی بلکہ جتنا پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے تسکین اور ابتلال عروق محسوس ہوتا ہے اس سے زیادہ تسکین اور رگ رگ میں اس سے زیادہ سیرابی اللہ کے نام سے ہونی چاہیے کیونکہ جتنی پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے محبت ہوتی ہے اللہ کی محبت اس سے بھی زیادہ مطلوب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانگ رہے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَّفْسِيْ وَاَهْلِيْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ))

(سننُ الترمذی، کتابُ الدعوات، باب ما جآء فی عقدۃ التسبیح بالید، ج:۲، ص:۱۸۷)

اے اللہ! مجھے آپ اپنی اتنی محبت عطا فرما دیجئے کہ میری جان سے زیادہ اہل و عیال سے زیادہ اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ۔ آپ مجھے میری جان سے زیادہ محبوب ہوں اور اہل و عیال سے بھی زیادہ محبوب ہوں اور جتنا پیاسے کو ٹھنڈا پانی

محبوب ہوتا ہے آپ مجھے اس سے بھی زیادہ پیارے معلوم ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اتنی محبت حاصل تھی یہ دعا مانگ کرامت کو مانگنا سکھا رہے ہیں۔ جب ذکر میں ایسی کیفیت پیدا ہو جائے تو سمجھ لو کہ اب ذکر کامل ہو گیا لیکن شروع میں اس کیفیت کا انتظار نہ کرے۔ بلکہ ذکر کی کمیت ہی کو پورا کر لے یعنی مربی نے جتنا ذکر بتایا ہے اس کی تعداد کو پورا کر لے چاہے پورے ذکر میں بے کیفی رہے کیونکہ کمیت کے پورا کرنے ہی سے کیفیت حاصل ہو گی۔ کمیت کے اندر ہی حق تعالیٰ رفتہ رفتہ کیفیت ڈال دیتے ہیں۔ کیفیت حال ہے اور کمیت محل ہے اور محل کے بغیر حال کا وجود محال ہوتا ہے اور محل کو حال پر تقدم حاصل ہوتا ہے یعنی محل کے لیے تقدم علی الحال مستلزم ہے اسی طرح ذکر کی کمیت کو کیفیت پر تقدم ہے۔ پس جو لوگ محل کے بغیر حال کا انتظار کر رہے ہیں وہ امرِ محال کا انتظار کر رہے ہیں یعنی ذکر کی کمیت کو پورا کئے بغیر کیفیت ذکر اور حق تعالیٰ کی محبت خاصہ اور ولایت خاصہ کا انتظار کرنا امرِ محال کا انتظار کرنا ہے۔ بغیر ذکر پورا کئے کوئی کیفیت دردِ محبت اور اخلاص حاصل نہیں کر سکتا۔ کمیت کو پورا کرنے سے تمام کیفیات و حالات و مقامات حاصل ہو جاتے ہیں۔ پس ماضی کی تلافی توبہ سے کر کے حال کو نافرمانی سے محفوظ رکھئے تو زندگی کے تینوں زمانے روشن ہو جائیں گے۔

حضرتِ والا کی خوش طبعی و محبت

کل رات ۴ رشوال کو بعد عشاء جب حضرات مذکورہ حیدر آباد سے آئے تو احقر ناظم آباد میں حضرت کے دواخانہ میں کھانا کھا رہا تھا کھانا کھا کر باہر آیا تو سر پر ٹوپی اوڑھنا بھول گیا حضرت والا نے نہایت محبت کے لہجہ میں فرمایا کہ آپ کی ٹوپی کیا ہوئی۔ خیر کوئی بات نہیں بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی۔

احقر کے لیے بشارتِ عظمیٰ

ایک صاحب کا خط آیا جس میں بہت اچھے اچھے خواب انہوں نے دیکھے تھے۔صرف احقر صبح حاضر خدمت تھا۔احقر سے فرمایا کہ خوابوں کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے دیکھو فلاں مولوی صاحب نے کتنا عمدہ خواب دیکھا تھا مجھ سے تعلق کرنے کے بعد۔لیکن بعد میں کچھ تعلق کا حق ادا نہیں کیا اور تمہیں مجھ سے سب سے زیادہ محبت ہے لیکن تم کوئی خواب نہیں دیکھتے۔اصل چیز بیداری کی حالت ہے۔ میں جب اپنے شیخ سے بیعت ہونے چلا تو اسی رات خواب دیکھا کہ میں مولانا سراج احمد صاحب سے بیعت ہو گیا ہوں اور انہوں نے مجھے سینہ سے لگالیا۔ اگر میں خواب پر ان سے بیعت ہوجاتا تو تباہ ہوجاتا کیونکہ بیداری میں مجھے ان سے مناسبت نہیں تھی، اس خواب کے بعد بھی میں اپنے شیخ پھولپوری ہی سے بیعت ہوا کیونکہ اگر کسی کو بیداری میں کسی محبوب سے محبت ہے اور خواب میں دیکھے کہ کسی دوسرے محبوب نے اسے سینے سے لگالیا تو کیا خواب سے بیدار ہوکر اسے اس دوسرے محبوب سے حقیقتاً محبت ہوجائے گی؟ ہرگز نہ ہوگی۔بس روحانی مناسبت کا بھی یہی معاملہ ہے۔

حضرت والا کے ارشاد سے کہ تمہیں مجھ سے سب سے زیادہ محبت ہے احقر کو اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے ؎

مجھ پہ یہ لطف فراواں میں تو اس قابل نہ تھا

احقر کی روح پر ایک سُکر کی کیفیت طاری تھی اس خاص کیفیت میں یہ شعر موزوں ہوا ؎

پھر خون کی گردش میں صہبا کی ہے آمیزش

ہے آج کرم فرما وہ نرگسِ مستانہ

ربوبیت کے واسطہ سے معافی مانگنے کی حکمت

ارشاد فرمایا کہ ربوبیت کو محبت میں خاص دخل ہے۔ بچہ کو ماں باپ سے محبت اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ ماں باپ اس کی پرورش کرتے ہیں اس کی رگوں میں جوخون دوڑ رہا ہے ماں باپ کی ربوبیت اور پرورش اس میں شامل ہے اس لیے جب بچہ غلطی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے ابا مجھے معاف کردیجئے تو باپ جلدی معاف کردیتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھی سکھایا کہ جب تم سے کوئی میری نافرمانی ہوجائے تو میری ربوبیت کا واسطہ دے کر مجھ سے معافی مانگو رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اے میرے رب مجھے معاف فرمادیجئے آپ کی پرورش کا حق تو یہ تھا کہ ہم آپ کی معصیت نہ کرتے میری رگوں میں جوخون دوڑ رہا ہے اس میں آپ کی ربوبیت شامل ہے اور اس کا ایک ایک قطرہ آپ کی ربوبیت کی نشانی ہے یہی خون آنکھوں میں بینائی بنتا ہے کانوں میں شنوائی بنتا ہے زبان پر گویائی بنتا ہے ہاتھ پاؤں میں چلنے پھرنے کی طاقت بنتا ہے لہٰذا جب ان اعضاء سے آپ کی معصیت کی تو اس خون کا غلط استعمال کیا اور آپ کی ربوبیت کا حق ضائع کیا جس ربوبیت کا میرا وجود مرہون منت ہے میں آپ کو اسی ربوبیت کا واسطہ دیتا ہوں کہ اے میرے رب مجھے معاف فرمادیجئے اور مجھ پر رحم فرمائیے۔ اس واسطۂ ربوبیت سے حق تعالیٰ کی رحمت کو جوش آتا ہے کہ آخر ہم ان ہی کے تو ہیں۔

دُنیا کب اچھی نہیں لگتی؟

ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹر ایوب کو چند دن کی صحبتیں مل گئیں اس کا اثر یہ ہے کہ خط آیا ہے لکھا ہے کہ لندن میری نگاہوں میں پھیکا ہوگیا۔ دنیا اسی وقت تک اچھی معلوم ہوتی ہے جب تک اس سے اچھی چیز نہیں ملتی جب اس سے اچھی چیز مل

جاتی ہے تو دنیا نگاہوں سے گر جاتی ہے۔ کافروں کو دنیا اس لیے اچھی معلوم ہوتی ہے کہ انہیں اس سے اچھی چیز نہیں ملی یعنی حق تعالیٰ کی محبت اور تعلق سے کیونکہ ان کے دل محروم ہیں اس لیے یہ دنیا انہیں اچھی معلوم ہوتی ہے اسی طرح ان مسلمانوں کو بھی جو گناہوں کی تاریکی میں چلے گئے اور خارجی تاریکی اگر شدید ہو تو باطنی بینائی بھی کام نہیں کرتی مثلاً اگر اندھیرا گھپ ہو تاروں کی روشنی بھی نہ ہو تو ہاتھ کو ہاتھ نہیں دکھائی دیتا تو اگرچہ باطنی بینائی موجود ہے لیکن خارجی ظلمت کی وجہ سے معطل ہوگئی اور اندھیرے میں نظر نہیں آتا کہ وہاں سانپ بچھو اور غلاظت ہے اسی طرح کلمہ اور ایمان کی برکت سے مسلمانوں میں باطنی بینائی تو ہے لیکن گناہوں کی تاریکی سے دنیا کی حقیقت ان پر نہیں کھلتی اور دنیا ان کو اچھی معلوم ہونے لگتی ہے۔

۸؍شوال ۱۳۹۴؁ھ بمطابق ۲۵؍اکتوبر ۱۹۷۴؁ء، بروز جمعۃ المبارک

شیخ سے مناسبت کی اہمیت

آج دوپہر قاسم میاں اور بعض اور حضرات حیدرآباد سے آئے اور بعض لوگ بیعت ہوئے۔

ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں کو کسی گمنام یا کم مشہور شخصیت سے مناسبت ہوتی ہے اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ شخص اللہ والا ہے اور بوجہ مناسبت کے میرا کام بھی اسی سے بنے گا لیکن اس سے تعلق کرنے میں جاہ مانع ہوجاتی ہے اور محروم رہ جاتے ہیں۔ آج کل زیادہ تر لوگ طالب جاہ ہیں طالب اللہ کم ہیں۔ مجمع دیکھتے ہیں تاکہ لوگوں میں مشہور ہوجائے کہ فلاں شخصیت کے مرید ہیں۔ مرید ہوجاتے ہیں چاہے پیر صاحب سے مصافحہ بھی کبھی نہ ہوسکے اور نہ اپنا حال کہہ سکیں۔ شیخ کی صحبت میں ایک عرصہ رہنے سے کام بنتا ہے۔ اگر کوئی انڈا کہے کہ

صاحب میں پی آئی اے کی بڑی نسل کی مرغی سے بیعت ہوں تو اس سے کہا جائے گا کہ تجھے مرغی کے پروں کی کچھ گرمی بھی پہنچی ہے اگر گرمی پروں کی حاصل نہ ہوتو محض بیعت ہونا مفید نہیں ہے۔ اگر چھوٹی مرغی کے پروں میں بھی یہ انڈا چلا جائے گا تو جان پڑ جائے گی اسی طرح محض مجمع نہ دیکھو اگر کسی چھوٹے اللہ والے سے تعلق کر لے تو اللہ والا ہو جائے گا ورنہ اگر صحبت نہ ہوتو بڑے سے بڑے اللہ والے سے بیعت ہونے والا بھی محروم ہی رہے گا۔

اور جب بچہ انڈے سے نکل آتا ہے تو مرغی چونچ سے اسے کھانا اور پاؤں سے زمین کرید کر دانہ تلاش کرنا بھی سکھاتی ہے مرغی کو دیکھ دیکھ کر بچہ خود دانہ تلاش کرنا سیکھ جاتا ہے۔ اسی طرح جب اللہ والے کے پاس رہتے ہیں تو اس کے اخلاق واعمال کو دیکھ کر طالب کی طبیعت آخذہ اس سے اخذ کرتی رہتی ہے، شیخ سے رونا بھی سیکھ جاتا ہے کہ اللہ کی یاد میں کیسے رویا جاتا ہے، بندوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جاتا ہے۔ جس طرح مرغی کا بچہ ایک معتد بہ مدت ماں کے ساتھ رہ کر دانہ تلاش کرنا سیکھ جاتا ہے اسی طرح اپنے شیخ کے پاس اتنا رہو کہ اس کو دیکھ دیکھ کر اللہ کو تلاش کرنا سیکھ لو۔ جب سیکھ لو گے تو اگر شیخ کی صحبت کے پروں سے الگ بھی ہو جاؤ گے تو نقصان نہ پہنچے گا۔

مجاہدہ کا انعام

ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی سوئی چبھو کر ایک لاکھ روپیہ دے دے تو کیا کوئی ہے جو سوئی چبھوانا پسند نہ کرے گا؟ اسی طرح یہ مجاہدات کہ آنکھوں کو بچاؤ ان کی تکلیف پر اللہ جو قرب کی عظیم دولت عطا فرماتے ہیں ان کے سامنے مجاہدات کی تکلیف ایسی ہے جیسے سوئی چبھو کر ایک لاکھ مل جائیں۔

۱۲؍شوال ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۹؍اکتوبر ۱۹۷۴ء، دوپہر

آدمیت اور شیطانیت کا فرق

رات حضرت اقدس نے ایک غلطی پر بغرضِ اصلاح احقر کو ڈانٹا تھا۔ آج صبح احقر سے فرمایا کہ میری ڈانٹ سے کیا تجھے غم ہوتا ہے؟ احقر نے عرض کیا بہت غم ہوتا ہے یہ خیال کر کے کہ احقر حضرت والا کی راحت کے بجائے اذیت کا سبب ہوجاتا ہے۔ بوقت دوپہر کرم خاص فرمایا اور فرمایا کہ میری ڈانٹ سے گھبرایا نہ کرو میری ڈانٹ تمہاری اس یقین دہانی کی وجہ سے ہوتی ہے کہ تم میرے پاس سے بھاگ نہیں سکتے۔ پھر حضرت والا ہنسنے لگے اور فرمایا کہ یقین دہانی کا لفظ میں نے سیاسی استعمال کیا ہے نا؟ احقر نے عرض کیا کہ مجھے تو اس میں محبت معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ہنسنے لگے تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ شیطان کو نکالا گیا تو بھاگ گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو نکالا گیا تو رونے لگے اور کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَا دونوں کا اخراج صورتاً اگرچہ ایک ہے لیکن معناً زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک کے اخراج سے اس کی مردودیت کی تکمیل ہوئی اور دوسرے کے اخراج سے ان کی مقبولیت کی تکمیل ہوئی اور آپ زمین پر نبوت سے مشرف ہوئے۔ اسی طرح اگر پیر کسی مرید کو نکالے اور وہ بھاگ جاوے تو سمجھو کہ اس میں شیطانی مادہ تھا جبکہ وہ دعویٰ محبت بھی کر چکا ہے ہاں غیر کو نکالے اور غیر بھاگ جائے تو مضائقہ نہیں اور شیطان بھی ایک ہزار سال عبادت کر کے محبت کا دعویٰ کر چکا تھا اس کے بعد بھاگ نکلا جس سے معلوم ہوا کہ سالک محض تھا عاشق نہ تھا۔

صورت پرستی کے نقصانات

پونے گیارہ بجے شب حضرت والا اندر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے سونے کی دوا پلاؤ۔ دوا پی کر فرمایا کہ اچھا بیچ سر میں تھوڑا سا تیل رکھ دو۔

احقر سر میں مالش کرنے لگا تو فرمایا کہ جو صورتیں آج آپ کو ناصبور کرنے والی ہیں بعد چند ایام یہ صورا پنے آپ سے آپ کو نفور کرنے والی ہیں اس لئے انجام کے اعتبار سے بھی یہ ناقابل التفات ہیں۔ جن صور سے آپ کل نفور ہونے والے ہیں شریعت آج ان سے نفور کراتی ہے تاکہ انجام میں آپ کو ندامت نہ اٹھانی پڑے۔ شریعت کہتی ہے کہ ان صورتوں کو نہ دیکھو مجاہدہ کرو تاکہ ہمیشہ باعزت رہو اور شیطان کہتا ہے کہ اس صورت کو آج ہی خوب اینٹھ لو چاہے کل اس کی صورت دیکھتے ہی فرار اختیار کرنا پڑے شیطان آپ کو ایسے کرتوت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے جس کے بعد آپ اس حسین کی نگاہوں میں فرتوت و بوم ہوں۔ آج جس صورت پر دل و جان قربان کرنے کو جی چاہتا ہے کل اس کی تو ند نکلنے کے بعد اور جسم کے موٹا اور بھدا ہونے کے بعد راہ فرار اختیار کرو گے۔ آج جس رفتار سے بے قراری ہے کل اس کی رفتار گاؤ پرواری ہے جس کو دیکھ کر عاشقوں کو راہ فراری ہے اور قبر میں گناہوں کا بوجھ بھاری ہے کیونکہ صورت پرست صورت میں تغیر کے بعد کوئی دوسرا حال تلاش کرے گا غرض ہر حال پر جائے گا اور ہر مستقبل سے بھاگے گا اسی حال اور مستقبل کے چکر میں خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ کا مصداق ہو کر تباہ ہو جائے گا۔ ایسی جان کبھی اللہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ شریعت یہ نہیں کہتی کہ انجذ اب اور تقاضا نہ ہو بلکہ شریعت تو صرف یہ کہتی ہے کہ مجاہدہ کرو:

﴿وَجَاهِدُوۡا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾

(سورۃ الحج، آیت:۷۸)

۱۳؍شوال ۱۳۹۴ھ مطابق ۳۰؍اکتوبر ۱۹۷۴ء، صبح ساڑھے نو بجے

عافیت میں دُعا کا انعام

ایک صاحب سے دورانِ گفتگو ارشاد فرمایا کہ عافیت مانگنی چاہیے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْأَلُكَ الْعَافِیَةَ وَدَوَامَ الْعَافِیَةِ وَالشُّکْرَ عَلَی الْعَافِیَةِ اور عافیت کا دوام بھی مانگنا چاہیے اور عافیت پر شکر بھی کرنا چاہیے اور دوام العافیہ کے بعد شکر علی العافیہ فرما کر امت کو یہ سکھا دیا کہ جو شخص دوام عافیت چاہے اس کو چاہیے کہ عافیت پر شکر کیا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہے کہ مصیبت میں اس کی دعا قبول ہو اس کو چاہیے کہ عافیت میں دعا کیا کرے۔

۱۳؍شوال المکرم ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۳۰؍اکتوبر ۱۹۷۴؁ء، بعد ظہر
ناظم آباد نمبر ۴؍کراچی

حضرتِ والا کا اِستغناء

ہندوستان سے ایک مل مالک آئے ہوئے تھے۔ فرمایا کہ کسی دنیا دار کے یہاں اگر یہ شخص آجاتا تو اس کے آگے پیچھے پھرتے۔ چنانچہ آج فلاں جگہ جہاں یہ مہمان ہوں گے بہت انتظام کیا جا رہا ہے اگرچہ میں بھی کر سکتا ہوں لیکن سکنے کی بھی سکت نہیں ہے۔

۱۳؍شوال المکرم ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۳۰؍اکتوبر ۱۹۷۴؁ء، بعد نماز عشاء

کمالِ انسانیتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل

ارشاد فرمایا کہ:

((اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ))

(صحیح البخاری، کتابُ الاذان، باب ما یقرأ بعد التکبیر، ج:۱، ص:۱۰۳)

اس میں کامل انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے معصیت سے کامل بُعد مانگا ہے۔ جو شخص اعمال منافی انسانیت سے کامل بُعد مانگتا ہو اس سے اس کے کمال انسانیت کا پتہ چلتا ہے۔

تجلی اسمِ ظاہر و باطن

ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ پھولپوری کے یہاں حاسدین نے مجھے چھپانے اور گمنام رکھنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ہم حق تعالیٰ کی ربوبیت کی ہر آن پر فدا ہیں۔ اگر شیخ کسی طالب کو ظاہر کرنا چاہے اور اس طالب پر اسم باطن کی تجلی ہو رہی ہو تو شیخ کی کیا مجال ہے کہ اس کو ظاہر کر سکے۔ اس کی عبدیت اسماء الٰہیہ کی تجلی کے سامنے سرنگوں اور سر تسلیم خم کئے ہوتی ہے۔ چنانچہ باوجود محبت شدیدہ کے شیخ مجھ کو ظاہر کرنے پر قادر نہ ہو سکے اور جب اللہ نے ظاہر کرنا چاہا تو نہ کسی نسبت کی ضرورت ہوئی نہ اشتہار کی۔ اپنی اسم ظاہر کی تجلی ڈال کر دکھا دیا کہ ہم جس کو ظاہر کریں اس سے بعض دفعہ شیخ بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

صرف ذاتِ حق تعالیٰ محبت کے قابل ہے

احقر سے ارشاد فرمایا کہ یہ جو ہمیں تمہیں مزہ مل رہا ہے یہ حقیقت کی برکت ہے ابھی اگر مجاز کی طرف خیال چلا جائے تو اضطراب شروع ہو جائے اور اس محبوب حقیقی کی طرف اگر خیال چلا جائے تو سکون شروع ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں فراق کا سوال ہی نہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾

(سورۃ الحدید، آیت: ۴)

اس آیت نے اعلان کر دیا کہ تم چاہے جس سے محبت کر کے دیکھ لو اس سے ایک دن جدائی ہوگی۔ کائنات میں صرف ایک میری ذات ہے جو ہر حال میں اور ہر وقت تمہارے ساتھ ہے، میرے علاوہ کسی سے دل لگا لو لیکن ہر وقت اس کی معیت کا حاصل رہنا محال ہے مثلاً کوئی اپنی بیوی سے محبت کرے لیکن اس سے جدائی ضرور ہوگی کیونکہ حوائج وضروریات کی وجہ سے اس کو بازار اور دفتر جانا

پڑے گا تو جدائی ہوگی یا بیوی کے رشتہ دار اور عزیز بھی ہوں گے جس کے پاس وہ چلی جائے گی یا موت آ گئی۔ غرض اللہ کے علاوہ جس سے بھی دل لگاؤ گے اس سے جدائی ہوگی اور جدائی عاشق کے لیے موت ہے اور محبوب ایسا ہونا چاہیے جس سے کبھی جدائی نہ ہو۔ اس طرح عقلاً بھی لائق محبت کاملہ سوائے حق تعالیٰ کی ذات کے کوئی اور نہیں ہے:

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

(سورۃ الاخلاص، آیت: ۴)

اس کے مثل کوئی دوسرا نہیں ہے پس جس کو زندہ ہونا ہو اس زندہ حقیقی سے دل لگائے اور جس کو مرنا ہو وہ محبوبانِ مجازی پر مرے کیونکہ ان سے دل لگانا موت ہے بوجہ معیت کاملہ کے فقدان کے۔ جب معیت دائمہ نہ ہوگی تو فراق میں اضطراب اور موت نظر آئے گی جہنم کی سی کیفیت ہوگی کہ نہ مرے گا نہ جئے گا۔

حق تعالیٰ کی محبت کے اسرار

ارشاد فرمایا کہ جب حیدرآباد میں سیلاب آیا تھا تو پل کے گیراج گرا دیئے تھے جس سے سیلاب کا پانی دبا ہوا بہہ رہا تھا اگر گیراج نہ گرائے جاتے تو پورا حیدرآباد ڈوب جاتا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے سیلاب کو روکنے کے لئے اپنے اولیاء کی زبانوں پر تحمل کا گیراج ڈال دیتے ہیں ورنہ اگر یہ بند نہ لگایا جائے تو اللہ کی محبت کے وہ راز فاش ہو جائیں کہ اس سیلاب میں پورا جہان بہہ جائے اور نظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

فاش اگر گویم جہاں برہم زنم

اگر اللہ کی محبت کے راز کو میں فاش کر دوں تو یہ مل اور کارخانے بند ہو جائیں اور پورا جہاں درہم برہم ہو جائے۔

دو احادیث پاک کے اسرارِ عجیبہ

ارشاد فرمایا کہ امام بخاری نے نزولِ وحی سے پہلے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ))

(صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی)

کیوں فرمایا؟ میرے شیخ پھولپوریؒ نے فرمایا تھا کہ نزولِ وحی کا مقصود اصلاحِ اعمال ہے اور اصلاحِ اعمال موقوف ہے نیت کی درستی پر اس لیے یہ حدیث بیان فرمائی۔

اور فرمایا کہ حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلَآءُ کی حدیث پڑھ کر فرمایا تھا کہ اس حُبِّبَ کا کوئی حَبَّبَ بھی ہے یعنی حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلَآءُ یعنی اللہ نے اپنے نبی پر خلوت محبوب کردی تھی۔ اور خلوت لازم ہے محبت کو اور محبت لازم ہے معرفت کو، بغیر معرفت کے محبت نہیں ہوسکتی۔ معرفت سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت سے خلوت لازم آتی ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص معرفت عطا فرمائی جس سے محبت پیدا ہوئی اور محبت سے آپ نے خلوت کو اختیار فرمایا۔

احقر کے لیے قابل وجد واقعہ

حضرت والا نے معارفِ مثنوی اٹھا کر مولانا محمد احمد صاحب اور احقر اور شیروانی صاحب کے بارے میں اشعار پڑھنے شروع کیے۔ مولانا رومی نے جو اشعار مولانا حسام الدین کے لیے کہے ہیں حضرت والا نے اپنے کرم سے وہ اشعار اپنے اشعار سے پہلے احقر کے لئے نقل فرمائے اور جب اس شعر پر پہنچے ؎

چوں شناسد جانِ من جانِ ترا
یاد دارند اتحاد و ماجرا

اور فرمایا کہ ہمارا تمہارا تذکرہ کر گئے ہیں مولانا رومی چھ سو برس پہلے۔ تو احقر پر

شدید گریہ طاری ہوگیا اور احقر حضرت والا کے پاؤں پر گر کر رونے لگا حضرت والا نے شفقت سے احقر کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا صبر کرو۔ پھر جب حضرت والا نے جو خاص اشعار احقر کے لئے خود فرمائے ہیں اس پر پہنچے ؎

جانِ عشرت جان من است
جان او ہر لحظہ مستانِ من است

تو احقر پر اور زیادہ شدید گریہ شروع ہوگیا اور احقر حضرت والا کے پاؤں پر لوٹنے لگا اور چومنے لگا اور زار وقطار رو رہا تھا حضرت والا بھی روتے جاتے تھے اور اشعار پڑھتے جاتے تھے اور اس شعر کو ؎

سینۂ تو پر ز اسرار و رموز
راز عشق و عاشقی راصد کنوز

کو کئی مرتبہ پڑھا حضرت والا کے اس گمان کی حق تعالیٰ لاج رکھ کر اس ناکارہ سیہ کار کو اپنے فضل خاص سے مشرف فرمادیں۔

۱۴؍شوال ۱۳۹۴ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۷۴ء، بروز جمعہ

کھانے کے بعد کی مسنون دعا کی انوکھی تشریح

آج فرقان صاحب نے حضرت والا کو اپنے گھر دعوت دی تھی جس میں ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب ایڈوکیٹ حافظ عتیق الرحمن احقر اور مظہر میاں تھے۔ کھانے سے قبل فرمایا یہ دنیا عالم حجاب ہے غافلین کے لیے اور میدان حصول ولایت ہے ذاکرین کے لیے۔

طعام سے فراغت کے بعد فرمایا کہ کھانے کے بعد کی دعا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ))

(سنن الترمذی، باب ما یقول اذا فرغ من الطعام، ج:۲، ص:۱۸۴)

شکر ہے اس ذات کا جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا تو کھانے اور پینے کے ساتھ اسلام کے شکر کی کیوں تعلیم فرمائی۔ اس کی ایک حکمت حق تعالیٰ نے میرے دل میں عطا فرمائی نہ جانے اور کتنے حکم ہیں منجملہ ان حکم کے ایک حکمت یہ ہے کہ کھانا اور پینا اسی وقت نعمت ہے جب اسلام واطاعت کے ساتھ ہو ورنہ کھانا پینا تو کافر بھی کرتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا مجرمانہ ہے:

﴿كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ۝﴾

(سورۃ المرسلات، آیت:۴۶)

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چند دن کھا پی لو تم لوگ مجرم ہو تو یہ کھانا پینا نعمت نہیں ہے۔ ایک نافرمان بیٹا بھی کھانا کھاتا ہے لیکن اس کا ضمیر ملامت کرتا ہے کہ کھا تو رہا ہوں لیکن باپ کی نظر میں خار ہوں اور ایک فرمانبردار بیٹا باپ کے ساتھ باپ کے دسترخوان پر کھاتا ہے کہ ہر لقمہ پر باپ کی محبت اور بڑھتی جاتی ہے اور باپ کا دل بھی باغ باغ ہوتا ہے ایک کا کھانا نعمت ہے اور ایک کا کھانا مجرمانہ ہے۔

۱۴/ذوقعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۳۰/نومبر ۱۹۷۴ء،

برمکان حافظ عبدالقدیر صاحب، حیدرآباد

ایک علمِ عظیم

حضرت والا اشراق کی نماز پڑھ کر تلاوت فرمارہے تھے اور یہ آیت رو کر پڑھی:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ الخ﴾

(سورۃ الزمر، آیت:۵۳)

پھر ارشاد فرمایا کہ یہ آیت آپ نے ہزار بار پڑھی لیکن اس وقت اللہ نے اس کی

تلاوت میں ایک خاص لطف عطا فرمایا۔ میرے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کی ایک ایک آیت میں علوم کے سمندر بھرے ہوئے ہیں لیکن پردے پڑے ہوئے ہیں جب میاں چاہتے ہیں پردہ ہٹا دیتے ہیں اور معنی ظاہر فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا یٰعِبَادِیَ حق تعالیٰ یٰعِبَاد بھی فرما سکتے تھے کہ اے نبی! بندوں سے کہہ دو یا یہ عنوان بھی فرما سکتے تھے کہ یٰعِبَادِنَا ہمارے بندوں سے کہہ دو لیکن قرآن میں جہاں جہاں خاص شان رحمت و تعلق کا ظہور ہوا ہے وہاں یٔ متکلم کو استعمال فرمایا ہے جیسے کعبہ کو بَیْتِیَ فرمایا اور بندوں کو اپنے خاص تعلق کے اظہار کے لئے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہلایا رَبِّنَا الْاَعْلٰی کی تعلیم نہیں دی۔

اسی طرح یٰعِبَادِیَ فرما کر بندوں کو خوش خبری دے دی کہ اے نبی میرے ان بندوں سے فرما دیجئے جو مسرف علی انفس ہیں یعنی گنہگار ہیں کہ تم لوگ میری رحمت سے مایوس نہ ہو۔ دیکھئے ابھی آیت نازل ہورہی ہے اور مسرفین علی انفس سے خطاب ہورہا ہے جنہوں نے ابھی توبہ بھی نہیں کی، ابھی پاک صاف بھی نہیں ہوئے لیکن ان کی رحمت دیکھو کہ عبادی فرما کر گنہگاروں کے ساتھ بھی اپنا تعلق ظاہر فرما رہے ہیں کہ اے میرے گنہگار بندو تم عین گناہ کی حالت میں بھی میرے ہی ہو اگرچہ نالائق ہو، عین حالت گناہ میں بھی ہم تم سے محبت رکھتے ہیں، یہ نہیں فرمایا کہ اے مسرفین علی انفس ابھی تو تم نفس و شیطان کے ہو جب توبہ کر کے میرے بن جانا تو میری رحمت سے ناامید نہ ہونا لیکن ان کی رحمت پر کتنی جانیں قربان کریں کہ ہم نے گناہ کر کے ان سے اپنا رشتہ کاٹ دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں بھی اپنے تعلق اور نسبت کو ہم سے قطع نہیں فرمایا اور عبادی فرما کر یہ بشارت دے دی کہ اے بندو تم اگرچہ مسرف علی انفس ہو، نالائق ہو لیکن میرے ہو، جس وقت تم گناہ کرتے ہو اور ہمیں بھول جاتے ہو ہم اس وقت بھی تم سے محبت رکھتے ہیں اور تم سے اپنا تعلق نہیں توڑتے لہٰذا تم

میری رحمت سے مایوس نہ ہو۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا پر سارے عالم کے مسرفین علیٰ انفس چونک گئے کہ کیا اعلان ہونے والا ہے جیسے بادشاہ اعلان شائع کرے کہ پھانسی کے مجرموں کے نام اعلان! تو سارے مجرم ہمہ تن گوش بن جاتے ہیں اسی طرح سارے عالم کے گنہگار چونک پڑے کہ کیا اعلان ہونے والا ہے تو اعلان فرمایا لَاتَقْنَطُوْا گناہ کر کے تم اپنے حشر سے ڈر رہے ہو تو حشر سے پہلے ہی تمہارا حشر بیان کر دیا کہ ہم سے ناامید نہ ہو معتدل خوف تو ایمان کی ریڑھ کی ہڈی ہے لیکن اتنا نہ ڈرو کہ نا امید ہو جاؤ ہم سے ناامید ہونا کفر ہے۔ اے گنہگارو! جب میرے ہو تو مجھ سے امید رکھو اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ کا الف لام بھی استغراق کے لیے تھا لیکن جَمِیْعًا سے اور تاکید فرمادی کہ ہم ہر گناہ کو معاف کر دیں گے۔ یہ نہ خیال کرنا کہ بعض گناہوں کو معاف کر دیں گے اور بعض کو نہ کریں گے۔ نہیں! بلکہ کتنا ہی بڑے سے بڑا گناہ ہو ہم سے توبہ کر لو سب کو معاف کر دیں گے اور معافی کا سبب کیا ہے اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ بوجہ اپنی شانِ رحمت اور شانِ مغفرت کے۔ جو رحیم ہوتا ہے وہی عفو کرتا ہے تو ہم بوجہ اپنی رحمت کے تمہارے گناہوں کو عفو فرمادیں گے اور گناہ سے مایوسی پیدا ہوتی ہے اس لیے یہ اعلان فرماتے ہیں جیسے ایک بیٹے سے غلطی ہوگئی اس پر ایسی ندامت طاری ہوئی کہ اس نے باپ کو لکھا کہ میں نے ایسی غلطی کی ہے اب آپ کو کیسے منہ دکھاؤں تو باپ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور اس نے پورے خط میں صرف یہ دو جملے لکھے کہ معاف کر دیا معاف کر دیا پورا خط انہیں جملوں سے بھر دیا کہ کہیں میرا بچہ بھاگ نہ جائے تو مسرفین علیٰ انفس بھی ناامید ہو کر اللہ سے بھاگ جاتے اس لیے فرمادیا کہ مجھ سے ناامید نہ ہو وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ میری ہی طرف انابت اور توجہ اختیار کرو کتنے ہی نالائق ہو لیکن تم میرے ہی ہو مجھ سے نہ بھاگو۔

دُنیاوی حوادث سے پریشانی کا سبب

حیدر آباد سے روانگی سے قبل کچھ احباب جمع ہو گئے تھے۔ اس وقت فرمایا کہ بڑی دولت کے سامنے چھوٹی دولت کا احساس نہیں ہوتا مثلاً کسی کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے اگر دس بیس روپے گم ہو جائیں تو اس نقصان سے پریشان نہ ہوگا۔ اسی طرح جن لوگوں کو یہ یقین آگیا اور محسوس ہونے لگا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اگر کسی وجہ سے دنیا کا کچھ نقصان ہو جاتا ہے تو ان کو کوئی خاص پریشانی نہیں ہوتی کیونکہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے تعلق کی دولت سے سارے جہان سے سیر چشم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر دولت کا احساس نہیں ہوتا تو چھوٹے چھوٹے حوادث سے آدمی پریشان ہو جاتا ہے مثلاً اگر آپ اپنے بیٹے کے نام خفیہ دس ہزار روپے جمع کرا دیں اور اسے خبر نہیں کہ میرے پاس کیا دولت ہے تو اگر اس کے دس روپے بھی کھو جائیں گے تو بدحواس ہو جائے گا لیکن اگر اس کو اس دولت کا علم ہوتا تو کبھی پریشان نہ ہوتا۔ یہ احساس کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے ہرگز بیدار نہیں ہوتا جب تک کہ کسی صاحب نسبت اللہ والے مصلح کے مشورہ سے ذکر و مجاہدہ کی محنت نہ برداشت کی جائے۔ اللہ والے کی صحبت سے جب حق تعالیٰ کی معیت خاصہ کا انکشاف قلب پر ہوتا ہے تو ساری کائنات نگاہ سے گر جاتی ہے اور اپنی تمام رنگین خواہشات جو پہلے نہایت قیمتی معلوم ہوتی تھیں اب نہایت بے قیمت معلوم ہوتی ہیں اور ان کے تقاضوں پر عمل نہ کر کے ان کو پامال کرنے کا نقصان چھوٹا اور بے حقیقت نظر آتا ہے۔

۱۸ / ذوقعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۳ / دسمبر ۱۹۷۴ء، بعد نماز مغرب

تکبر کا علاج

ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں تکبر ہمیشہ بے وقوفوں کو ہوتا

ہے کیونکہ نتیجہ سننے سے پہلے ہی اپنے آپ کو نہایت عقلمند سمجھنے والا بے وقوف ہوتا ہے جیسے کوئی طالب علم کہہ دے کہ میں اعلیٰ نمبروں سے پاس ہو گیا اور نتیجہ ابھی سنا نہیں تو اس دعویٰ سے کیا فائدہ۔ اس لیے ابھی دنیا میں کیا اپنے کو بڑا سمجھتے ہو جب میدانِ محشر میں تمہاری کامیابی اور نجات کا فیصلہ سنا دیا جائے تو خوش ہونا اور اپنے کو بڑا سمجھنا۔ جب اپنی بڑائی اور بزرگی کا خیال دل میں آنے لگے تو فوراً اپنے گناہ یاد کرلو اور نفس سے کہہ دو کہ نالائق تو اصل میں یہ ہے۔ ایسی ذلیل حرکتوں میں مبتلا ہو کر بھی اپنے کو بزرگ سمجھتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ ہماری ستاری نہ فرمائیں تو مخلوق ہم کو پتھر مار مار کر بھگا دے۔ یہ تو ان کی ستاری ہے کہ لوگوں کے دلوں میں نیک گمان ڈال دیا ہے۔ دیکھئے آپ کے پیٹ میں پاخانہ بھی ہے پیشاب بھی ہے اور ہوا بھی ہے لیکن ہم ایک دوسرے کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، تو جیسے ظاہری نجاستوں کی اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کی ہے ایسے ہی ہماری باطنی نجاستوں کو بھی چھپا رکھا ہے۔ ہمارے خیالات وتصورات اور نگاہ وسینوں کی خباثتوں کا مخلوق کو علم ہو جائے تو ہمارے ساتھ حسن ظن کے بجائے لوگ ہم کو جوتے اور پتھر مار کر بھگا دیں۔ آج تو مخلوق دم کراتی ہے اگر ہماری باطنی نجاستوں کا علم ہو جائے تو ہمارا دم نکال لے۔ آج کل ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر دو چار آدمیوں نے تعریف کر دی تو سمجھنے لگے کہ واقعی ہم ایسے ہیں اگرچہ اپنے گناہوں کی نجاست کا بھی علم ہے۔ ان نجاستوں کے ساتھ اپنے کو کیا اچھا سمجھتے ہو۔ اور تکبر تو ایسی نجاست ہے کہ اس کو سمندر کا پانی بھی پاک نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک خندق کو پار کر رہے تھے اور ایک کتا بھی داخل ہونے لگا۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ تیرے اس خندق میں پہلے داخل ہونے سے پانی نجس ہو جائے گا پہلے مجھے جانے دے کہ میں احکام

شریعت کا مکلف ہوں اور تو مکلف نہیں ہے۔ کتے کو اللہ نے زبان عطا فرمادی اور اس نے کہا کہ لیکن اگر اس کی وجہ سے تمہارے دل میں بڑائی آگئی اور تم نے خود کو مجھ سے افضل سمجھ لیا تو اس باطنی نجاست کو سات سمندر کا پانی بھی نہیں ھو سکتا اور کپڑے تو پاک بھی کر سکتے ہو۔

۱۹/ذوقعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۴/دسمبر ۱۹۷۴ء

مقربیت کی تکمیل محبوبیت پر ہوتی ہے

سکھر سے ایک صاحبِ سلسلہ بزرگ تشریف لائے اس وقت یہ مضامین بیان فرمائے جس سے وہ بزرگ نہایت مسرور ہوئے۔

ارشاد فرمایا کہ حدیث قدسی ہے:

((وَلَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ الخ))

(صحیحُ البخاری، کتابُ الرِّقاق، باب التواضع، ج:۲، ص:۹۶۳)

یتقرب مضارع ہے اور مضارع میں استمرار کی شان ہوتی ہے معنیٰ یہ ہوئے کہ کہ بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعہ قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ صرف قرب ہی مفید اور کافی نہیں بلکہ مقربیت وہ مطلوب ہے جو محبوبیت تک پہنچا دے کیونکہ جو مقرب محبوب ہوجاتا ہے وہ مردود نہیں ہوتا۔ جو لوگ مردود ہوئے وہ محبوب نہیں تھے۔ ایک شخص آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے لیکن آپ کے دل میں اس سے بغض ہے تو اگرچہ اسے قرب تو حاصل ہے لیکن یہ قرب مفید نہیں۔

اہل اللہ آخر تک نفس سے بے خوف کیوں نہیں ہوتے

ارشاد فرمایا کہ زمین کی شرقاً غرباً حرکت سے چاند گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ اس فطری حرکت کی تو اصلاح ہوجاتی ہے اور چاند بدر کامل ہوجاتا ہے لیکن کبھی

کبھی زمین اچانک شمالاً جنوباً حرکت کر بیٹھتی ہے اور اپنی حیلولۃ کو سامنے لا کر چاند کو بے نور کر دیتی ہے اگرچہ اس وقت چاند بدر کامل ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر دل بدر کامل بھی ہو چکا ہے یعنی اللہ کے نور سے منور ہو کر صاحب نسبت بھی ہو چکا ہے تو بھی نفس سے بے خوف نہ ہونا چاہیے، نہ جانے نفس کس وقت شمالاً جنوباً حرکت کر بیٹھے اور اپنی اصلیت پر رجوع کر کے سرکشی اور فرعونیت یا شہوت سے مغلوب ہو کر اپنی حیلولۃ سے دل کے بدر کامل کو حق تعالیٰ سے محجوب کر کے بے نور کر دے۔ اس لیے عامۃ المسلمین تو گناہ سے ڈرتے ہیں لیکن اہل اللہ کفر سے ڈرتے ہیں کہ نہ معلوم خاتمہ کس حال پر ہو اور نفس سے کسی وقت ایسی حرکت نہ ہو جاوے کہ ایمان ہی سے ہاتھ دھونا پڑے۔

حضرت مہدی کو علیہ السلام کیوں کہا گیا؟

ایک طالب علم دار العلوم کراچی نے سوال کیا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کو علیہ السلام کیوں کہتے ہیں جبکہ یہ خطاب تو صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے خاص ہے۔ حضرت والا نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ آپ تو علمی مرکز میں ہیں وہاں کسی عالم سے دریافت کر سکتے ہیں لیکن میری سمجھ میں یہ بات آ رہی ہے کہ وہ اگرچہ نبی نہیں ہیں لیکن نبی جیسے کام ان سے ہوں گے اور کبھی ادنیٰ ملابست سے بھی وہ نام رکھ دیا جاتا ہے جیسے نَهْرٌ جَارِیٌ اگرچہ نہر جاری نہیں ہے پانی جاری ہے لیکن ادنیٰ ملابست سے محل کا نام وہ رکھ دیا جو حال کا ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے منصب سے ادنیٰ ملابست کے سبب یہاں بھی تسمیۃ الحال باسم المحل ہوا ہے اور علیہ السلام کا لفظ ان کے نام کے آگے لگا دیا۔ اس کو منطق کی اصطلاح میں مجاز مرسل اور تسمیۃ الحال باسم المحل کہتے ہیں۔

اس پر ان طالب علم نے عرض کیا کہ یوں تو ہر ولی سے انبیاء علیہم السلام کا کام ہی لیا جاتا ہے تو ہر ولی کو علیہ السلام کیوں نہیں کہتے صرف مہدی علیہ السلام

کو ہی کیوں کہا گیا۔ جواب میں فرمایا کہ بے شک حضرت مہدی علیہ السلام ولی تو ہیں لیکن ایسے ولی ہیں جو عام مخصوص منہ البعض ہیں اور کلّی کا کوئی فرد خاص نہیں ہوسکتا جب تک کوئی مخصص نہ ہو اور اس کی تخصیص احادیث متواترہ ہیں۔ احادیث میں آپ کے خاص فضائل اور آپ کا ذکر کیا گیا جبکہ اور اولیاء کا تذکرہ احادیث میں نہیں ہے پس اس تخصیص کی وجہ سے حضرت مہدی کو علیہ السلام کا لقب دیا گیا۔

اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ کے معنیٰ

فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۶۵)

اشد اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل بتاتا ہے کہ اس میں درجات و انواع مختلف ہوتے ہیں پس محبت ایک کلّی مشکک ہے جس میں افراد کم وبیش ہوتے ہیں یعنی اس میں درجات ہیں جیسے ایک عام مومن کی محبت ہے پھر ایک ولی کی محبت ہے پھر صدیقین کی محبت ہے پھر انبیاء علیہم السلام کی محبت ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور آپ کی محبت پر محبت ختم ہوگئی امام الانبیاء کی محبت امام المحبۃ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ سے جتنی محبت ہے روئے زمین پر اتنی محبت کسی کو نہیں ہے۔ اشد فرما کر یہاں اللہ نے دنیا کی محبت کی نفی نہیں فرمائی بلکہ اسم تفضیل سے محبت کے درجات بیان فرمادیئے کہ تمہارے دل میں دنیا کی بھی محبت ہوگی بیوی بچوں کی بھی محبت ہوگی کاروبار کی بھی محبت ہوگی اور یہ محبت مضر نہیں ہے کیونکہ یہ حب الشھوات والنسآء ہم نے تمہارے دلوں میں مزین کردی ہے پس محبت کے انواع و اقسام و درجات پر اللہ کی محبت اشد اور غالب ہونی چاہیے۔ ایمان کا کمال یہی ہے کہ اللہ کی محبت ہر محبت پر غالب ہو۔

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ سے محبت الٰہیہ پر استدلال

اور اللہ کی کتنی محبت مانگو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَّفْسِيْ وَاَهْلِيْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ))

(سننُ الترمذی، کتابُ الدعوات، باب ما جآء فی عقدۃ التسبیح بالید، ج:۲،ص:۱۸۷)

اے اللہ! آپ مجھے اپنی اتنی محبت عطا فرمادیں کہ آپ مجھے میری جان میں میری جان سے زیادہ عزیز ہوجائیں اور میرے اہل وعیال سے زیادہ عزیز ہو جائیں اور جتنا پیاسے کو ٹھنڈا پانی عزیز ہوتا ہے آپ مجھے اس سے زیادہ عزیز معلوم ہوں اور ٹھنڈے پانی کی خاصیت کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ))

(سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب القول عند الافطار)

جسم پر پانی کا کیا اثر ہوا کہ پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہوگئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب اللہ کا نام زبان سے جاری ہو تو رگیں تر ہوتی ہوئی محسوس ہوں ور پیاس جاتی ہوئی معلوم ہو۔ اگر اللہ کے نام سے رگیں تر ہوتی ہوئی محسوس نہیں ہوتیں تو سمجھ لو ابھی اللہ سے ایسی محبت پیدا نہیں ہوئی جیسے پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے ہوتی ہے۔ ایسی محبت خدا سے مانگنا چاہیے۔ اللہ کا عاشق جب اللہ کا نام لیتا ہے تو اس کی رگ رگ تر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور ہر بُنِ مُو اللہ اللہ کرتا ہے ؎

ہمہ تن ہستی خوابیدہ مری جاگ اٹھی

ہر بُنِ مُو سے مرے اس نے پکارا مجھ کو

اور اللہ کا خوف کتنا مانگنا چاہیے۔ ایسا خوف مطلوب نہیں جو پلنگ سے لگا دے اور کسب معاش کو معطل کردے بلکہ اتنا خوف مطلوب ہے جتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا ہے:

((اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ))

(مشکاۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب جامع الدعآء)

اے اللہ! اپنا اتنا خوف مجھے عطا فرما دیجئے جو میرے درمیان اور آپ کی نافرمانیوں کے درمیان حائل ہوجاوے یعنی اتنا خوف دے دیجئے کہ جو مجھے آپ کی نافرمانی سے بچالے اور اسباب معصیت سے بُعد کتنا مطلوب ہے کَمَا بَاعَدتَّ بَیۡنَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ مشرق ومغرب میں جتنا بُعد اور دوری ہے گناہوں سے اتنی دوری مطلوب ہے اور حفاظت کیسی مانگو:

((اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الۡوَلِیۡدِ))

(الجامع الصغیر للسیوطی، ج:۱، ص:۵۷)

اے اللہ! ہماری ایسی حفاظت فرما جیسی ماں بچہ کی کرتی ہے۔ ماں اگر بچہ کی حفاظت نہ کرے تو بچہ کی خیر نہیں۔ اسی طرح اگر بندہ سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت ہٹ جائے تو دین پر ثبات یعنی دین پر قائم رہنا مشکل ہے جیسے بعض دفعہ آدمی سمجھتا ہے کہ میں تواضع کر رہا ہوں لیکن ناشکری ہوتی ہے جیسے کسی نے کہا کہ نماز پڑھتے ہو؟ جواب دیا کہ ہماری کیا نماز ہے دو چار ٹکر مار لیتا ہوں بظاہر تواضع کر رہا ہے لیکن دراصل یہ ناشکری ہے یا جیسے کسی نے بعض دوستوں کی دعوت کی اور لوگوں سے کہا کہ آؤ گوموت کھالو۔ لوگوں نے کہا کہ کیا مطلب؟ جواب دیا کہ میاں کھانا کیونکہ میرا ہے اس لیے گوموت سے بدتر ہے تو یہ صاحب سمجھ رہے تھے کہ میں تواضع کر رہا ہوں اور دراصل اللہ کی نعمت کی ناشکری کر رہا تھا۔ حسنات کی دو حیثیت ہے ایک حیثیت کا تعلق تو اللہ سے ہے کہ یہ حق تعالیٰ کی عطا ہے (جیسے شاہ کسی بھنگی کو موتی دے دے تو موتی کا تعلق کیونکہ شاہ سے ہے اس لیے بھنگی کو اس موتی کی عظمت پہچانتے ہوئے شاہ کا شکرگذار ہونا چاہیے) پس اس اعتبار سے ہر حسنہ قابل شکر ہے اور حسنات کا دوسرا تعلق ہمارے ساتھ ہے کہ ہم ناقص ہیں اور ناقص کا ہاتھ جس چیز پر لگ جاتا ہے وہ بھی ناقص ہوجاتی ہے پس بارگاہِ حق سے تو توفیق حسنہ پاک صاف عطا ہوئی تھی لیکن ہمارے اندر

نفس سے ملوث ہو کر وہ بھی قابل استغفار ہو گئی پس پہلی حیثیت کے اعتبار سے تو حسنات پر شکر کرو اور دوسری حیثیت سے استغفار کرو۔

یُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمَاتِ الخ پر ایک علم عظیم

ارشاد فرمایا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی کے مرید جناب......کل آئے تھے انہوں نے یہ آیت پڑھی:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت:۲۵۷)

میں نے عرض کیا کہ اس آیت سے اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک علم عطا فرمایا۔ یُخۡرِجُهُمۡ مضارع ہے اور مضارع میں استمرار اور تجدد کی شان ہوتی ہے جس کو تجدد استمراری کہتے ہیں یُخۡرِجُهُمۡ فرما کر یہ بتادیا کہ بار بار ہم تم کو ظلمات سے نکالتے رہتے ہیں یہ اخراج من الظلمات ایک دفعہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ہمارا یہ فعل ہمیشہ تجدد کے ساتھ جاری ہے، تم ظلمات میں جاتے رہتے ہو ہم تمہیں نکالتے رہتے ہیں اور یہ کیوں ہے؟ اس لیے کہ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ہم تمہارے ولی اور دوست ہیں پس اس ولایت کا حق ادا ہو رہا ہے، اپنی ولایت کا حق ادا کرنے کو ہم تمہیں ظلمات سے نور کی طرف نکالتے رہتے ہیں۔

ایک تفسیری غلطی کا ازالہ

ارشاد فرمایا کہ آجکل لوگ بہت سی تفسیری غلطیاں کر رہے ہیں جیسے لوگ آیت کا ترجمہ غلط کرتے ہیں:

﴿لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ۝﴾

(سورۃ الصف، آیت:۲)

اور اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ عالمِ بے عمل کو وعظ و نصیحت کرنا جائز نہیں حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اس آیت کا ترجمہ ہی وہ نہیں ہے جو عوام کرتے ہیں بلکہ ترجمہ یہ

ہے کہ کہتے تو ہو کرتے کیوں نہیں اور اس آیت کی شان نزول یہ تھی کہ بعض صحابہ نے جہاد کی تمنا کی تھی جب حکم نازل ہوا تو طبعی تردد ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آخر میں ان بزرگ سے فرمایا کہ میں ایک دعا یہ بھی کرتا ہوں کہ اے اللہ آپ کے عاشقین مخلصین صادقین روئے زمین پر جہاں کہیں بھی چھپے ہوئے ہوں جن کی جانیں آپ کے لیے مضطر ہوں مجھے ان کی لقاء و زیارت نصیب فرما۔ میرا شعر ہے ؎

مری زندگی کا حاصل مری زیست کا سہارا
ترے عاشقوں میں جینا ترے عاشقوں میں مرنا

اے اللہ جب موت بھی آئے تو آپ کے کچھ خاص صاحب نسبت بندے گرد و پیش ہوں اور ان کی صحبت ہی میں دم نکلے۔ اور ایک دعا یہ مانگتا ہوں اَللّٰھُمَّ اَخۡلِصۡنَا بِخَالِصَۃٍ ذِکۡرَی الدَّارِ اے اللہ ہمیں آخرت کے کاموں کے لیے خالص فرما۔

ان بزرگ صاحب نے عرض کیا کہ میں نے نابالغی کے زمانہ میں حضرت جلال آبادی سے بیعت کی درخواست کی تو فرمایا کہ اپنے والد صاحب کی اجازت لکھوا کر بھیجو تب بیعت کروں گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ کو اس کے والد یا سرپرست کی اجازت کے بغیر بیعت نہ کرنا چاہیے۔

۲۰/ذوقعدہ ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۵/دسمبر ۱۹۷۴؁ء، بعد عشاء

طالب کا وسوسہ کہ شیخ کو مجھ سے تکدر ہے خود مانع فیض ہے

احقر کو یہ شیطانی وسوسہ تھا کہ خدانخواستہ العیاذ باللہ حضرت والا کو احقر سے تعلق کم ہو گیا ہے (اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں ہمیشہ حفاظت فرمایئے اور حضرت والا کو ہمیشہ ہمیشہ احقر سے انتہائی خوش اور راضی رکھئے۔) احقر نے عرض کیا کہ احقر سے شاید حضرت والا کو تکدر ہے۔ احقر کے قلب کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ حضرت اقدس کا فیض

بالکل بند ہوگیا اور قلب بے نور معلوم ہورہا ہے۔ نہایت شفقت اور محبت کے لہجہ میں فرمایا کہ شیطان آپ کو پریشان کررہا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کے دل کو تکلیف پہنچے۔ میں تو آپ سے بالکل خوش ہوں پہلے کی طرح۔ احقر نے عرض کیا کہ لیکن میرے قلب کی حالت کیوں خراب ہے؟ فرمایا کہ یہ گمان کہ شیخ مجھ سے ناراض ہے یا پہلا سا تعلق نہیں رہا یہ گمان خود مانع فیض ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ طالب کے گمان سے کیا واقعی فیض رک جاتا ہے یا طالب کو محسوس نہیں ہوتا؟ فرمایا کہ شیخ کی طرف سے تو فیضان جاری رہتا ہے لیکن جب طالب نے اپنے قلب کا منہ ہی بند کرلیا تو فیض کیسے پہنچے گا۔ جیسے لوٹے سے تو پانی جاری ہو لیکن برتن پر کوئی ڈھکن چڑھادے تو پانی کیسے اندر پہنچے گا۔ یا دریا تو قطرے ٹپکا رہا ہے اور فیضان جاری ہے لیکن اگر سیپ ہی منہ بند کرلے تو دریا کا کیا قصور ہے۔ بس طالب کا گمان فیض شیخ کے لیے حجاب بن جاتا ہے۔

محرومی کا سبب بدگمانی ہے

حیدرآباد میں ایک صاحب نے حضرت والا کی تشریف آوری پر بجائے تعریف کے اعتراض کیا تو دوران گفتگو فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں تو فلاں بزرگ سے کوئی فیض نہیں ہوا ہمیں تو ان میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ تو بات یہ ہے کہ اس بزرگ میں کوئی کمی نہیں ہے کمی تمہارے ہی اندر ہے جیسے نل سے تو پانی گر رہا ہے لیکن اگر کوئی برتن اپنے منہ پر ڈھکن چڑھالے تو پانی اس کے اندر کیسے پہنچے گا۔ اسی طرح اس اللہ والے کا فیض تو جاری ہے لیکن تم نے اپنے دل کے برتن پر تکبر کا ڈھکن چڑھا رکھا ہے کہ اگر میں طالب بن کر اس کے سامنے جھکوں گا اور اپنا برتن اس کے سامنے رکھوں گا تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ خالی تھا جب ہی جھکا ہے لہٰذا تم عار کی وجہ سے اپنے دل کو اس کے فیوض کے پاس رکھتے نہیں لہٰذا محروم ہو۔

۲۳/ ذوقعدہ ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۸/ دسمبر ۱۹۷۴؁ء، بروز اتوار

کون سی مصیبت عذاب اور کون سی نعمت ہے؟

ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ جس مصیبت میں اللہ کی طرف رجوع ہوجائے اور گریہ و انابت کی توفیق ہو تو وہ مصیبت نعمت ہے اور جس مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے اور وحشت پیدا ہو اور دل خدا سے اور زیادہ دور ہونے لگے تو یہ مصیبت عذاب ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی باپ نے اپنے بیٹے کو جو باپ سے دور دور رہتا ہے کسی غنڈہ سے پٹوایا تاکہ پٹ کر یہ میرے پاس بھاگ آئے لیکن اگر وہ پٹ کر بھی بدحواس ادھر ادھر بھاگا پھر رہا ہے لیکن باپ کی طرف نہیں آتا تو یہ مصیبت اس کے لیے عذاب ہے اور اگر باپ کے پاس بھاگ کر آیا اور آکر کہہ دے کہ مجھے معاف کر دیجئے جو غلطی ہونی تھی ہوگئی اب ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی مانگتا ہوں تو یہ مصیبت اس کے لیے رحمت ہے اس طرح جو بندہ مصیبت میں بھاگ کر اللہ کے پاس آجائے اور اللہ سے تعلق جوڑ لے تو یہ مصیبت اس کے لیے رحمت ہے اور اگر اللہ سے دور ہوجائے اور ان سے رابطہ قائم نہ کرے تو یہ مصیبت عذاب ہے۔

حضوری کا لطف معافی مانگنے پر ہے

ارشاد فرمایا کہ اپنی غلطیوں کو روزانہ کی روزانہ معاف کراتے رہو گناہ ہوجائے تو بہ میں دیر مت کرو۔ فجر کے بعد کی غلطیوں کو ظہر کی نماز کے بعد دو نفل پڑھ کر توبہ کر کے معاف کرالو ظہر اور عصر کے درمیان کی غلطیوں کو عصر سے قبل نفل پڑھ کر معاف کرالو اور عصر اور مغرب کے درمیان کی غلطیوں کو مغرب کے بعد دو رکعت پڑھ کر معاف کرالو اور مغرب اور عشاء کے درمیان کی غلطیوں کو عشا کے بعد دو نفل پڑھ کر خوب گڑگڑا کر معاف کرالو کیونکہ نماز تو اللہ تعالیٰ سے

ملاقات ہے تو بغیر اللہ میاں سے معاف کرائے ان کے سامنے کھڑا ہونا بے حیائی ہے۔ دیکھو اگر کسی محسن دوست کے حق میں کوئی کوتاہی اور غلطی تم سے ہو جاوے اور کوئی کہے کہ ان سے مل لو تو کہتے ہو کہ مجھے ان کے سامنے جاتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے، مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے، معذرت خواہی کے بغیر ان کے سامنے جانا بے حیائی معلوم ہوتا ہے۔ جب معاف کرا لیتے ہو تو پھر ملتے ہوئے حجاب نہیں ہوتا۔ قیاس کرلو کہ جب ان کے غلاموں سے تعلق میں یہ بات ہے تو خود اس محسن حقیقی کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے جب ہم سے کوئی غلطی ہو جاوے۔ شرافت طبع کا تقاضا تو یہ ہے کہ بغیر معاف کرائے چین نہ آنا چاہیے۔

۲۸/ذوقعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۳/دسمبر ۱۹۷۴ء

ولی کامل کی پہچان

ارشاد فرمایا کہ بعض پیر آنکھیں بند کئے گردن دل کی طرف جھکائے ہوئے مراقبہ میں بیٹھے رہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت زمین پر نہیں ہیں عرش کی سیر کر رہے ہیں لیکن درحقیقت وہ سوئے رہتے ہیں اور فرش سے ایک انچ بھی اوپر نہیں ہوتے، اگر آپ ان کو جھنجوڑیں تو کئی جھٹکوں میں جاگیں گے۔ آج کل لوگ ایسے ہی لوگوں کو کامل پیر سمجھتے ہیں جو لوگوں سے بات نہ کریں رعب سے رہیں اور حجرے میں تالا لگائے نوافل و ذکر اور مراقبہ میں آنکھیں بند کئے بیٹھے رہیں حالانکہ بعض بندوں کی نسبت ایسی ہوتی ہے کہ وہ اگر زیادہ نوافل و ذکر بھی نہ کریں لیکن ان کا دل کسی وقت بھی اللہ سے غافل نہیں ہوتا اور ہمہ وقت اللہ سے ان کی روح کو ایک رابطہ قائم رہتا ہے اگر یہ لوگوں سے باتیں بھی کر رہا ہو بیوی سے یا دوستوں کے ساتھ ہنس رہا ہو یا بازاروں میں چل پھر رہا ہو اس وقت بھی اس کے دل میں اللہ کی یاد کی ہلکی سی خلش قائم رہتی ہے۔

دراصل کامل یہی لوگ ہیں۔ اس کو نسبت قلندری کہتے ہیں اور ایسے لوگوں کو پہچاننا مشکل ہے کیونکہ ان کے افعال و اقوال بالکل عام لوگوں جیسے ہوجاتے ہیں لیکن ان کے دل کا جو حال ہوتا ہے اس سے مخلوق باخبر نہیں ہوتی اس لیے انہیں نہیں پہچانتی۔ اور بعض لوگ نوافل اور تلاوت اور ذکر اور مراقبہ کے وقت گویا خدا ہوتے ہیں لیکن جیسے ہی فارغ ہوئے اور لوگوں میں یا اپنے کاروبار میں مشغول ہوئے اس وقت وہ خدا کو ایسے بھول جاتے ہیں کہ انہیں اپنے کاموں میں خدا یاد ہی نہیں ہوتا۔ پس کاملین پہلے والے لوگ ہیں اور دراصل اصلاح امت اور دعوت الی اللہ کا کام بھی ایسے ہی لوگوں سے لیا جاتا ہے۔ جو شخص خود تو ولی ہو صالح ہو لیکن دنیا کے لوگوں سے باتیں ہی نہ کرے ہر وقت مراقبہ میں بیٹھا ہے اللہ کی طرف لوگوں کو نہیں بلاتا تو یہ خود چاہے ولی ہو لیکن ولی گر نہیں ہوسکتا اور دوسرا شخص جو تنہائی میں بھی اللہ کو یاد کرتا ہے اپنے نوافل و ذکر و تلاوت کے بعد جب لوگوں میں بیٹھتا ہے تو ان کے دلوں میں اللہ کی محبت پیدا کرتا ہے اور اللہ کی طرف امت کو بلاتا ہے تو دراصل کامل یہ ہے اس کی صحبت سے دوسرے بندے بھی اللہ والے بن جائیں گے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک مرغی آنکھیں بند کئے بیٹھی ہو اور اپنا چارہ کھا کر خوب تندرست بھی ہو اور دوسری مرغی چالیس انڈے لیے بیٹھی ہو تو افضل دوسری والی مرغی ہے کہ اس کے فیض سے چالیس مرغیاں بنیں گی اور پہلی مرغی سے کوئی دوسری مرغی پیدا نہ ہوسکے گی۔

۳۰/ذوقعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۵/دسمبر ۱۹۷۴ء

اشک ندامت کی کرامت

ارشاد فرمایا کہ آج بعد فجر یہ شعر ہوا ؂

ہوگئی عرش زمین سجدہ
کس کی آنکھوں سے لہو برسا ہے

جب سے یہ شعر ہوا ہے مجھے اس میں اتنا مزہ آرہا ہے کہ ایک حال طاری ہے۔ کس کی آنکھوں سے لہو برسا ہے اس سوال میں بہت لطف ہے یعنی زمین پر کون ایسا اللہ کا عاشق رویا ہے کہ یہ زمین عرش اعظم بن گئی یعنی زمین پر ہی اللہ تعالیٰ کا قرب خاص عطا ہوگیا۔ مولانا رومی نے تو صاف ظاہر کردیا تھا کہ؎

ہر کجا بینی تو خوں بر خاکہا
پس یقیں می داں کہ آں از چشم ما

زمین پر جہاں کہیں دیکھو کہ خون پڑا ہوا ہے تو سمجھ لو کہ وہ جلال الدین رومی کی آنکھوں سے گرا ہے۔ ایسے آنسو غوث و اقطاب ہی روتے ہیں۔ پس رونے کی عادت ڈالو کہ یہ تمھارے بابا آدم کی میراث ہے۔ اسی رونے سے ان کو خلافت نبوت عطا ہوئی۔ جنت میں یہ نعمت ان کو نہ ملی تھی زمین پر رونے کی برکت سے خَلِیْفَۃُ اللہِ فِی الْاَرْضِ ہوئے اور کتنا روئے تھے؟ تفسیر علی مہائمی میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے آنسوؤں سے چھوٹے چھوٹے چشمے بن گئے تھے اور انہیں آنسوؤں سے گلاب اور چنبیلی کے خوشبودار پھول پیدا ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام رات کے وقت جنت سے اتارے گئے تھے رات کبھی دیکھی نہ تھی بہت گھبرائے صبح کو سورج کو دیکھ کر خوش ہوگئے اور دو رکعات شکرانہ کی پڑھیں۔ آج امت پر فجر کے وقت دو رکعات فرض کردی گئیں کہ آدم علیہ السلام نے پڑھیں تھی۔ پس آدم والا یعنی آدمی وہی ہے جو زمین پر خدا کو یاد کرکے رویا کرتا ہے، آدم علیہ السلام کا اصلی بیٹا وہی ہے جو ان کی میراث کا مالک ہے اور دیکھو آدم علیہ السلام کا جنت سے نزول ہوا تھا لیکن اس نزول پر ندامت اور اشکباری کا یہ انعام ملا کہ نبوت سے مشرف ہوئے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرتے ہیں اور انعام بھی دیتے ہیں دنیا والے اگر معاف بھی کردیں تو بھی اپنے خطا کاروں کو کوئی انعام نہیں دیتے لیکن ان کی رحمت دیکھو کہ غلطی پر ندامت اور اشکباری

سے غلطی کو معاف بھی کر دیتے ہیں اور انعامات سے بھی مشرف فرماتے ہیں۔

برسائیں گے جب خون دل و خون جگر ہم
دیکھیں گے تب ہی نخل محبت میں ثمر ہم

بابا آدم علیہ السلام رو کر ہمیں یہ سکھا گئے کہ اے میرے بیٹو! میرا کام بھی رونے سے بنا ہے تم بھی اللہ کو یاد کر کے رویا کرو، گیہوں کھلا کر شیطان نے مجھے جنت سے محروم کیا تھا لیکن ان آنسوؤں سے جنت خود میرے دامن میں آ گئی اور روئے زمین پر اللہ کا قرب خاص عطا کر دیا۔

باز آمد آب من در جوئے من
باز آمد شاہ من در کوئے من

ان آنسوؤں کی برکت سے میری نہر میں پھر پانی آ گیا اور پھر میرا شاہ میری گلی میں آ گیا۔

کرم بالائے کرم

ارشاد فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ جنت بھی نہ دیتے اور جنت کی حوریں بھی نہ دیتے تو بھی ہماری غلامی کا مقتضاء یہی تھا کہ ہم ان کی غلامی کرتے اور کہتے کہ اے اللہ ہم تو آپ کے غلام ہیں، آپ کی غلامی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ تو اگرچہ یہ نعمت عبدیت ہی کیا کم تھی لیکن ان کا کرم پر کرم ہے کہ جنت اور حوروں کا انعام بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

مربّی سے اشد محبت کا انعام

ارشاد فرمایا کہ جس کو جتنا کسی اللہ والے سے تعلق ہوگا اسی قدر اس کو اللہ کی محبت ملے گی۔ جس شخص کے دل میں جتنی محبت اپنے مربّی کی ہوتی ہے اتنی ہی اللہ کی محبت عطا ہوتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں

سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی اس لیے آپ تمام صحابہ پر فضیلت لے گئے اور آپ سے بڑا کوئی دوسرا امتی اللہ کا عاشق نہیں ہوا اور اس کے دل میں مربّی کے تمام اخلاق حسنہ و عادات منتقل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر کے بارے میں فرمایا:

((اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ))

(سنن الترمذی، کتاب المناقب)

اے امت کے لوگو! سن لو کہ میں رحمۃ للعالمین ہوں اور میرا صدیق ارحم امتی ہے، امت پر سب سے زیادہ رحیم ہے۔ اور جو اپنے مربّی پر فدا ہوتا ہے تو اس کی رائے اور مذاق میں بھی اتحاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ میں حضرت عمر کو صلح پر ہیجان ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اَلَسْنَا عَلَی الْحَقِّ؟ اور بعد میں حضرت صدیق سے پوچھا تو حضرت صدیق اکبر نے بھی سوالات کے بعینہ وہی جوابات دیئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جاری ہوئے تھے۔ بخاری میں دیکھ لو الفاظ تک ایک ہیں۔

اہل اللہ سے استفادہ کی شرط

ارشاد فرمایا کہ شیخ کے جسم خاکی کو نہ دیکھو بلکہ اس مٹی میں جو روح اللہ کی محبت اور تعلق خاص سے مشرف ہے اس پر نظر رکھو۔ اس جسم خاک کے اندر جو روح ہے اس کو دیکھو کہ اللہ کی محبت کے کس مقام پر فائز ہے۔ اگر مٹی کو دیکھو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ کیچڑ میں اگر کوئی ایک لاکھ روپے کا موتی چھپا دے تو جس شخص کو معلوم ہوگا کہ اس مٹی میں ایک لاکھ روپے کا موتی چھپا ہوا ہے تو وہ جب کیچڑ کے پاس بیٹھے گا تو اسے محسوس ہوگا کہ میں ایک لاکھ روپے کے موتی کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کی صرف مٹی کو دیکھا ان کی روح کو نہ دیکھا جو نسبت نورِ نبوت اور خلیفۃ اللہ فی الارض کے منصب سے مشرف

تھی۔ عطر کی شیشی کا اگر کوئی ادب کرنا ہے تو دراصل وہ شیشی کا ادب نہیں ہے عطر کا ادب ہے۔ اسی طرح شیخ کا ادب دراصل شیخ کا ادب نہیں اللہ کا ادب ہے کیونکہ اس اللہ والے کے دل میں اللہ کے تعلق خاص کا عطر پوشیدہ ہے۔ سکھر کے ایک عالم نے سوال کیا کہ اللہ والے کی کیا پہچان ہے تو فرمایا کہ ایک جواب تو حدیث پاک میں موجود ہے کہ:

((اِذَا رُأُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ))

(مسند احمد، مسند الشامین)

کہ ان کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔ دیکھئے اگر ایک امرود کا عاشق کسی امرود والے کے پاس جائے گا تو اس کے پاس بیٹھنے سے اس کو امرود کی خوشبو مل جائے گی۔ اسی طرح اللہ والا وہ ہے کہ جس کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی خوشبو مل جائے یعنی اللہ کی یاد دل میں پیدا ہو جائے اور جب اس کے پاس بیٹھے تو یہ محسوس ہو کہ میں اپنے اللہ کے پاس بیٹھا ہوں ؎

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا
گو نشیند با حضور اولیاء

اور اس سے بڑھ کر میں یہ کہتا ہوں کہ مناسبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس اللہ والے کے پاس بیٹھنے سے ایسا معلوم ہو کہ میں عرش اعظم کے قریب بیٹھا ہوں، اس قدر قرب محسوس ہونا چاہیے اپنی کسی عبادت اور کسی مجاہدے سے اتنا قرب نہ محسوس ہو جتنا شیخ کی صحبت میں ہو تو سمجھ لو کہ اس سے مناسبتِ کاملہ ہے۔ جب تک پیر دل میں سارے جہان سے عزیز نہ ہو جائے تب تک اللہ بھی اس کے دل میں سارے جہان سے عزیز نہیں ہو سکتا۔ پیر تو پہلی سیڑھی ہے۔

اللہ کا ہر نام عمل کی دعوت دیتا ہے

ارشاد فرمایا کہ اللہ کا ہر نام ہم کو عمل کی دعوت دے رہا ہے، اللہ کی ہر

صفت ہم کو عمل کی طرف داعی ہے۔ قہار کے معنی ہیں کہ میں قہر والا ہوں مجھ سے ڈرو، رحمان کے معنی ہیں کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہو، رزاق کے معنی ہیں کہ رزق میرے ہاتھ میں ہے مجھ سے ہی طلب کرو، رزق میں دیر ہو تو گھبراؤ نہیں۔ ننانوے صفات کا ہم سے حق ادا ہو جائے تو کام ہی بن جائے۔ ننانوے اسماء صفاتی ہیں اللہ اسم ذاتی ہے، ذاتی اور صفاتی مل کر ۱۰۰/۱۰۰ نمبر بن جائیں گے یعنی سو فیصد کامیابی ہو جائے گی۔

ذکر قلبی ذکر لسانی سے پیدا ہوتا ہے

ایک صاحب نے فون پر عرض کیا کہ ذکر قلبی کا مقام تو ذکر لسانی سے بھی زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن خود اس کا اجر عطا فرمائیں گے اور فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوگی۔ ٹیلیفون پر فرمایا کہ اللہ کو انہیں کا دل یاد کرتا ہے جو پہلے زبان سے یاد کرتے ہیں، جو لوگ زبان سے ذکر نہیں کرتے ان کا دل غافل ہوتا ہے پھر یہی ذکر لسانی دل میں اتر جاتا ہے اور پھر دل سے روح میں اتر جاتا ہے۔ جب روح میں ذکر اتر جائے تب کام بن جاتا ہے ذکر لسانی و قلبی و روحانی یہی ہے۔

ذکر حق از دل ز دل تا جاں رسد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ))

(المرقاۃ، کتاب الادب، ج:۹، ص:۲۱۲، دار الکتب العلمیۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کو حُبِّ شے پر استدلال فرمایا یعنی جس شے کی محبت قلب میں زیادہ ہوتی ہے اس کا وہ اکثر ذکر کیا کرتا ہے۔ پس ذکر قلبی دراصل قلبی محبت کا نام ہے پس جب قلب میں حق تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام پیدا ہو جاتا ہے تو دل ہر وقت اس کو یاد کیا کرتا ہے اور کسی وقت غافل نہیں ہوتا، یہی ذکر قلبی ہے۔

۷/ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۲/دسمبر ۱۹۷۴ء

آیت فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا کی عاشقانہ تشریح

فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((اَشَدُّ بَلَآءً الْاَنْبِيَآءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ))

(سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب الصبر علی البلآء)

اور فرمایا کہ جتنی تمام نبیوں پر بلائیں آئیں مجھ اکیلے پر آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی! آپ پر بلائیں آرہی ہیں، یہ کفار آپ کو ستارہے ہیں، طائف کے بازار میں آپ پر پتھر پھینکے جارہے ہیں لیکن آپ یہ خیال بھی رکھیں کہ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا آپ میری آنکھوں کے سامنے ہیں یعنی آپ میری نگاہ حفاظت خاص میں ہیں اور فَاِنَّكَ جملہ اسمیہ سے بیان فرمایا جملہ فعلیہ سے بیان نہیں فرمایا کیونکہ فعل میں کبھی چیز ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی، فعل میں استقلال نہیں ہوتا اور اسمیہ میں ثبوت واستقلال ودوام ہوتا ہے۔ اب معنی یہ ہوئے کہ اے نبی! آپ تو مسلسل دائماً میری آنکھوں کے سامنے ہیں ایک سیکنڈ کو بھی آپ میری نظر کے سامنے سے نہیں ہٹتے ؎

خوشا حوادث پیہم خوشا یہ اشک رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے

دین کی لذت کی مثال

ساڑھے بارہ بجے دوپہر کے قریب عبدالباسط میاں اور ان کے چند دوست حیدرآباد سے آئے، حضرت والا کھانا تناول فرمارہے تھے، احقر بھی حضرت کے ساتھ کھانا کھارہا تھا۔ گرم بریانی تھی، اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ مطالعہ سے اور صحبت سے جو دین ملتا ہے اس کا فرق یہی ہے کہ جو اس گرم

بریانی میں اور بریانی کے مطالعہ میں ہے۔ صحبت میں اللہ کی محبت کی گرم گرم بریانی ملتی ہے، شیخ پر طالبین کے لیے غیب سے علوم وارد ہوتے ہیں جو اس کی زبان سے دل کے درد کے ساتھ بیان ہوتے ہیں اس سے دین کا مزہ جو روح کو ملتا ہے وہ محض مطالعہ سے نہیں مل سکتا۔ کتابوں میں جو دین ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسے بریانی پکانے کی ترکیب لکھی ہے کہ اگر عمر بھر اس کو پڑھتا رہے گا تو بریانی کا مزہ نہ پاسکے گا چاہے زبان سے بیان کرے گا لیکن کیونکہ مزہ چکھا نہیں اس لیے اس کا بیان بے کیف ہوگا اور پکی ہوئی دال پر وہ اپنی بریانی کو فروخت کردے گا اور جسے محبت گرم گرم مل جاتی ہے ایسا شخص دین کو نہیں بیچتا کیونکہ اس کے دل کو دین کی لذت مل چکی ہے۔

تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے کہ جیسے میں حافظ عبدالقدیر کے کمرے میں' حیدرآباد میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ایسا کیوں محسوس ہورہا ہے؟ حیدرآبادیوں کے آنے سے کراچی حیدرآباد بن گیا۔ ایسے ہی بعض بندے زمین پر آتے ہیں لیکن ان کی روحیں عرش پر ہوتی ہیں یعنی ان کی روحوں کا رابطہ عالم آخرت سے ہوتا ہے۔ پس اہل آخرت جہاں بھی چلے جائیں تو ان کی معیت میں زمین و آسمان بدلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، جس عالم سے ان کا تعلق ہے اس عالم کا انعکاس اس عالم فانی پر ہوتا ہے اور دنیا ہی میں جنت کا مزہ ملنے لگتا ہے۔

اب وہ زماں نہ وہ مکاں اب وہ زمیں نہ آسماں
تم نے جہاں بدل دیا آکے مری نگاہ میں

جس دل میں اللہ تعالیٰ آجاتے ہیں اس کا عالم ہی بدل جاتا ہے اس لیے زمین کچھ اور آسمان کچھ اور نظر آتے ہیں وہ اسی عالم میں ہوتے ہوئے اس میں نہیں ہوتا اس کے ہاتھ پاؤں دنیا کے کام کرتے رہتے ہیں لیکن دل میں علم کا دودھ

بھرا ہوتا ہے۔ جسم کہیں ہوتا ہے دل کہیں ہوتا ہے ؎

میں کہیں بھی رہتا ہوں
دل ان کے پاس رہتا ہے

عشقِ مجاز کا حاصل

ارشاد فرمایا کہ عشق مجاز کا حاصل گناہ ہے، معصیت کا نام لوگوں نے محبت رکھ دیا ہے حالانکہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی تو عاشق ہمیشہ خبر گیری رکھتا ہے، اس کی دونوں جہاں کی فلاح کی فکر ہوتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس عالم میں بھی خوش رہے اور اس عالم میں بھی۔

لیکن یہ کیا محبت ہے کہ صورت بدلنے کے بعد اس کی طرف دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا اور کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ کہاں مر رہا ہے پس گناہ کرنے کے شدید تقاضوں کا نام اضطراب عشق رکھ دیا ہے، کہتے ہیں یہ عشق کی بے چینیاں ہیں، یہ کسی کی یاد میں جلنا اور تڑپنا بڑی اونچی چیز ہے یہ کسے ملتی ہے حالانکہ یہ سب دھوکہ ہے۔ عشق کی تمام بے چینیوں کا حاصل گناہ کرنا ہے جسے یہ بے چینی کہہ رہے ہیں اور الفاظ کی ملمع سازی کر کے بدمعاشیوں کے نئے نئے نام رکھ رہے ہیں۔ لیکن ملمع ہٹا کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ نفس صرف یہ چاہتا ہے کہ فلاں حسین مل جائے اور اس کے ساتھ منہ کالا کرلوں۔

حفاظت نظر کا حکم حق تعالیٰ کی محبت اور رحمت کا مظہر ہے

اور اس سے حفاظت کا علاج صرف غض بصر ہے۔ حق تعالیٰ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ میں مومنین کو خطاب فرمارہے ہیں، ہر آدمی کو اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے باپ ڈرتا رہتا ہے کہ بچہ کہیں غلط سوسائٹی میں پڑ کر خراب نہ ہو جائے، غیر کے بچہ کی فکر نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کو اپنے خاص بندوں

کی فکر ہوئی کہ کہیں یہ خراب نہ ہوجائیں اس لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہے ہیں کہ جو ہمارے خاص ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں ورنہ خراب ہوجاؤ گے اور نہایت نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ مارے محبت کے اللہ میاں آگاہ فرما رہے ہیں کیونکہ حسین صورتوں کو انہوں نے ہی پیدا کیا ہے اور ہمارے اندر مادۂ فجور بھی رکھا ہے اس لیے یہ فکر ہوئی کہ کہیں یہ غلط سوسائٹی میں نہ پڑ جائیں اس لیے اپنوں کی محبت لگی اور یہ آیت نازل فرما دی، کیا رحمت ہے، ہر آیت ان کی رحمت کا مظہر ہے۔

اہل اللہ کی دنیا بھی سرمایۂ آخرت ہے

ارشاد فرمایا کہ نمک کی کان میں ایک گدھا گر گیا، چھ ماہ بعد وہ بھی نمک بن گیا ''ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد'' اللہ والوں کے پاس آکر دنیا جیسی گدھی بھی آخرت بن جاتی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ وہ آخرت کی تعمیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چل کر۔ بچے، بیوی مال و اولاد ان کے پاس آخرت کا سرمایہ بن جاتے ہیں۔

خزانۂ قرب کیسے ملتا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ ایک سخی تھا جو بہت دیا کرتا تھا، شہرت سن کر ایک شخص بہت مشکلیں اٹھا کر اس کے شہر گیا معلوم ہوا کہ وہ سخی تو مر گیا تو یہ شخص سر پیٹنے لگا کہ افسوس ساری محنت و مشقت ضائع ہوگئی آخر کار نہایت شکستہ دل گھر واپس آیا، کچھ دن بعد کسی کام کے سلسلے میں گھر کی مٹی کھود رہا تھا کہ اچانک خزانہ مل گیا۔ اس کو خیال ہوا کہ یہ کیا راز ہے کہ جہاں اتنی محنت اٹھا کر گیا وہاں سے کچھ نہ ملا اور گھر بیٹھے بٹھائے دولت مل گئی۔ اس نے بعض اللہ والوں سے یہ اشکال پیش کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ پہلے ہی دے دیتے تو یہ محنت نہ اٹھانی پڑتی انہوں نے

جواب دیا کہ میاں! دیتے تو بہت ہیں لیکن محنت کے بعد دیتے ہیں بغیر محنت کے نہیں، ایسے ہی اللہ تعالیٰ دل میں موجود ہیں، ملتے نہیں جب تک محنت نہیں کرو گے۔ جیسے دولت گھر میں موجود تھی لیکن بغیر محنت کے نہیں ملی۔ ایسے ہی خزانۂ قرب الٰہی ہمارے دلوں میں ہے لیکن ملتا تب ہی ہے جب محنت کی جاتی ہے ؎

گو عشق کا موجود ہے ہر دل میں دفینہ
ملتا نہیں لیکن کبھی بے خون و پسینہ

گناہوں سے بچنے کی محنت ذکر و طاعت کے اہتمام و التزام کی محنت اٹھانے سے خزانۂ قرب قلب پر منکشف ہوجاتا ہے۔

ایک علمِ عظیم

ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○﴾

(سورۃ النازعات، آیات: ۴۰-۴۱)

یعنی جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا یعنی جس کو یقین ہوگیا کہ ایک دن اپنے رب کے سامنے کھڑا ہو کر حساب دینا ہے اور اپنے نفس کو گناہوں سے روکا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے آیت کی ترتیب بتارہی ہے کہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے وہی اپنے نفس کو گناہوں سے روکتا ہے اور جو گناہوں سے اپنے نفس کو روکتا ہے تو اس کا دوسرا انعام جنت ہے۔

اَبوطالب کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کا قبول نہ ہونا عبدیت نبوت کا عروج ہے

ارشاد فرمایا کہ ہدایت کے مسبب حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہیں پیر صرف

بہانہ ہوتا ہے ہدایت کا۔ ورنہ حقیقت میں ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں اس لیے پیر کا عمر بھر ممنون تو رہنا ہوگا کہ وہی بہانہ ہے ہماری ہدایت کا، کیونکہ جس دروازہ سے نعمت ملتی ہے وہ دروازہ بھی قابل احترام ہوتا ہے، جو شخص واسطۂ نعمت کا احترام نہیں کرتا وہ دراصل نعمت کا احترام نہیں کرتا اور جو نعمت کا احترام نہیں کرتا اس کے دل میں منعم کا احترام نہیں مثلاً کوئی شخص آپ کو اپنے ملازم کے ذریعہ حلوہ بھجوائے اور آپ ملازم کے ایک چانٹا لگائیں بجائے شکریہ کے تو وہ منعم کیا کہے گا یہ نالائق اس قابل نہیں کہ اس کو نعمت دی جائے اگرچہ آپ نے منعم کی توہین تو نہیں کی لیکن واسطۂ نعمت کی توہین کی تو وہ منعم ہی کی توہین ہوتی ہے۔ پس ہدایت جب پیر کے ذریعے ملتی ہے تو پیر کا احترام و محبت جس دل میں نہیں اس کے دل میں دراصل اللہ کی محبت و احترام نہیں ہے۔ غرض ہدایت کا واسطہ پیر کو سمجھنا چاہیے لیکن یہ عقیدہ نہ رکھے کہ پیر ہدایت دیتا ہے۔ اور پیر کی کیا حیثیت ہے، ہدایت تو نبی بھی نہیں دے سکتا اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۝﴾

(سورۃ القصص، آیت:۵۶)

دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کی ہدایت کے لیے کتنی دعائیں مانگیں اور سید الانبیاء سے بڑھ کر کس کی دعا ہوسکتی ہے، کتنی دلسوزی فرمائی یہاں تک کہ فرمایا کہ میرے کان ہی میں کلمہ پڑھ دو لیکن ابو طالب کو ہدایت نہ ہوئی۔ ابوطالب کو ہدایت نہیں دی تا کہ لوگ نبی کو خدا نہ سمجھ لیں اور ابوطالب کو ہدایت نہ دے کر اللہ نے امت کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کا عروج دکھایا کہ ہمارے نبی کی عبدیت خدا کی حاکمیت کے سامنے سرنگوں ہے اور اس طرح عبدیت نبوت امت کے لیے باعث فتنہ ہونے سے محفوظ ہوگئی۔ ورنہ امت یہ

سمجھ لیتی کہ نبی کو بھی خدائی اختیارات ہیں، کچھ دخل ہوتا ہے کہ جس کو نبی چاہتا ہے اس کو ہدایت ضرور ہوجاتی ہے پس جو عبدیت خدائی حدود میں داخل ہوکر باعثِ فتنہ ہوجاوے وہ کمالِ عبدیت نہیں بلکہ زوالِ عبدیت ہے پس آپ کی یہ دعا قبول نہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے عبدیتِ نبوت کا کمال ظاہر فرمایا۔ اور ہدایت کے نہ ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبولیت اور سیادت الانبیاء کے منصب میں کوئی نقص نہیں آتا کیونکہ آپ ہی کی صحبت کے فیض سے جہاں لاکھوں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہدایت یافتہ ہوکر کالنجوم درخشاں ہوئے تو ایک ابوطالب کی ہدایت نہ پانے سے آپ کے کمالِ مقبولیت میں کیا نقص آسکتا ہے۔ دراصل حق تعالیٰ کو اپنی حاکمیت و کبریائی دکھانی تھی جو ابو طالب کو ہدایت نہ ہوئی۔ جس حکیم سے سینکڑوں مریضوں کو شفا ہوجاوے اور کسی ایک مریض کو نہ ہو تو کیا یہ کہیں گے کہ اس حکیم کے ہاتھ میں شفاء کی کمی ہے؟

۷/ذوالحجہ ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۲۲/دسمبر ۱۹۷۴؁ء، بروز اتوار،

بمقام حضرت والا کا مکان ۴جی ۱/۱۲ ناظم آباد کراچی

اُمیروں کو غریبوں کا ممنون ہونا چاہیے

ایک صاحب نے دوران گفتگو عرض کیا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ وصدقہ دینے والے کو ان غریبوں کا ممنون ہونا چاہیے جو زکوٰۃ لیتے ہیں کیونکہ اگر یہ غریب نہ ہوتے تو تمہاری زکوٰۃ کون لیتا تو ممنون امیروں کو غریبوں کا ہونا چاہیے کہ ان ہی کی وجہ سے ان کا فرض پورا ہوا۔

حضرت والا نے اس پر فرمایا کہ اگر آپ حج کرنے جارہے ہوں اور کوئی آپ کی کرنسی ٹرانسفر کرادے یعنی روپیوں کو ریال سے تبدیل کروادے تو آپ اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں لیکن افسوس کہ مسکینوں کو صدقہ دے کر ان پر

احسان جتاتے ہیں کہ ہم نے فلاں غریب کو اتنا روپیہ دیا یا فلاں مسکین کو اتنا دے دیا فلاں مدرسہ ہماری اعانت سے چل رہا ہے، فلاں مولوی صاحب کو ہم نے اتنی زکوٰۃ دی، حالانکہ آپ نے مسکین پر کوئی احسان نہیں کیا اس نے آپ پر احسان کیا ہے کہ آپ کی دنیا کی کرنسی کو آخرت کی کرنسی یعنی اجر وثواب میں تبدیل کرا دیا اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو آپ کی کرنسی آخرت میں نہیں پہنچ سکتی تھی چنانچہ قیامت کے قریب ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دنیا میں اتنی دولت ہو جائے گی کہ لوگ زکوٰۃ لیے پھریں گے کوئی مسکین نہ ملے گا جس کو زکوٰۃ وصدقہ دیں سب دولت مند ہو جائیں گے۔

گمراہ لوگوں کا تھرمامیٹر

حضرتِ اقدس احقر سے جزاء الاعمال پڑھوا کر اہل مجلس کو سنوا رہے تھے۔ درمیان درمیان میں تشریح فرماتے جاتے تھے۔ جب یہ ملفوظ آیا کہ گناہ کا ایک اثر یہ ہے کہ نیک بندوں سے وحشت ہونے لگتی ہے تو فرمایا کہ یہ تمام گمراہ لوگوں کا تھرمامیٹر ہے جس کو دیکھو کہ بزرگان دین سے عداوت ودشمنی اور ان پر اعتراض کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ گناہوں کی سیاہی سے اس کا دل بالکل بے نور ہو گیا ہے اور یہ سخت خطرہ میں ہے۔

آیت قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ جملہ فعلیہ سے نازل ہونے کا راز

ارشاد فرمایا کہ جملہ اسمیہ میں استقلال وثبوت ودوام ہوتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾

(سورۃ الطور، آیت:۴۸)

اے نبی! آپ دواماً ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں اور کہیں جملہ فعلیہ استعمال فرمایا:

﴿قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۴۴)

اے نبی! ہم آپ کے چہرۂ مبارک کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں تو یہاں جملہ فعلیہ کیوں بیان کیا؟ جواب یہ ہے کہ چونکہ آپ کا تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ عارضی تھا آپ کو دعا تحویل قبلہ کی قبول کرانی تھی اس لیے آپ بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے کہ کوئی حکم آرہا ہے یا نہیں؟ پس چونکہ تَقَلُّبَ میں دوام نہیں تھا اس لیے قرآن پاک کی بلاغت ہے کہ موقع کے اعتبار سے جملوں کا استعمال ہوا ہے پس یہاں جملہ فعلیہ سے فرمایا جس میں حدوث وفنا لازم ہے۔

گناہ سے دونوں جہان کا نقصان ہے

ارشاد فرمایا کہ ہر گناہ سے دونوں جہان کا نقصان ہوتا ہے خواہ جاہی گناہ ہو یا باہی یا مالی کسی قسم کا گناہ ہو۔ میں بفضلہٖ تعالیٰ ثابت کرسکتا ہوں کہ آخرت کا تو نقصان ہے ہی، دنیا کا بھی نقصان ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب حق تعالیٰ شانہ کو ہماری حیات عارضی کی صلاح وفلاح اور بہبود کی اس قدر فکر ہے تو آخرت کی حیات دائمی کی اصلاح وفلاح کیوں نہ مطلوب ہوگی۔ اب اگر کوئی کہے کہ صاحب سود میں دنیا کا کیا نقصان ہے سود خور تو لاکھوں کے سود کا نفع اٹھا رہا ہے اور چکنی چپڑی کھا رہا ہے تو جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ سود لینے والا سود ادا کرنے سے عاجز ہوگا، تو ایک غم سود خور کو اسی وقت سے شروع ہو جائے گا، ہر وقت کھٹے گا راتوں کی نیند حرام ہوجائے گی کہ نہ معلوم رقم ملتی ہے یا نہیں، اگر تنگ ہو کر مقدمہ کرتا ہے تو سود لینے والا تنگ آکر سوچتا ہے کہ ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے، لاؤ سود خور کو مار کے خود بھی مرجاؤں اس طرح دونوں کی زندگیوں کا چراغ بجھ جاتا ہے اور بدنگاہی اور شہوانی گناہوں کے نقصانات تو ظاہر ہیں کہ

فوراً اخراج منی و ضعف شروع ہو جاتا ہے اور دماغ میں چکر، کمزوری، ضعف و نامردی اس کے نتائج ہیں یہاں تک کے توالد و تناسل کا سلسلہ بھی منقطع ہو جاتا ہے۔

۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۳ رجنوری ۱۹۷۵ء بعد عشاء

عناصر کے حرام تقاضوں کی ویرانی سے روح سکون پاتی ہے

بعد عشاء حضرت والا کھانا تناول فرمانے کے بعد چہل قدمی فرماتے ہیں، احقرؔ اور آزادؔ صاحب ساتھ تھے فرمایا کہ جسم اور جسم کے متعلقات اور عناصر اور عناصر کے مقتضیات اگر ویران ہوتے ہیں تو روح مست و شاد ہوتی ہے بشرطیکہ یہ ویرانی متعلق بالمجاہدہ فی سبیل اللہ ہو۔ کفار اور فساق و فجار اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، عناصر کے مقتضیات اور حرام تقاضوں کی لذت ان کا مطمح نظر ہے۔

۱۴ رمحرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۷ رجنوری ۱۹۷۵ء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اعتدال

تبلیغی جماعت کے ایک اہم رکن قاضی خدا بخش صاحب سے ایک صاحب نے قاری طیب صاحب کی مجلس میں پوچھا کہ قاری صاحب سے معلوم کرنا کہ بڑے پیر صاحب کی مجلس میں ان کے وعظ کے دوران جنازے نکل جاتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ سے کیوں جنازے نہیں نکلتے تھے۔ قاضی صاحب کو قاری طیب صاحب سے تو دریافت کرنے کا موقع نہ ملا راستہ میں قاضی صاحب نے حضرت والا سے دریافت کیا تو حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ جواب ڈالا کہ اولیاء اللہ کبھی کبھی مغلوب الحال ہو جاتے ہیں اس لیے سامعین کی استعداد سے ان کی توجہ ہٹ جاتی ہے اس لیے ان کی زبان سے کبھی کبھی ناقابل تحمل مضامین نکل جاتے ہیں بوجہ انکشاف عظمت و خشیت الٰہیہ کے اور صغارت ظرف کی وجہ سے

چھوٹا نالہ برعکس دریا کے زیادہ شور مچاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام توجہ الیٰ الخالق کے ساتھ توجہ الیٰ المخلوق کے مکلف ہوتے ہیں اور اس کی ان میں استعداد کامل ہوتی ہے لہٰذا ان کی توجہ الیٰ الخالق اور توجہ الیٰ المخلوق ایک مقام سے ہوتی ہے پس اس اعتدال مزاج کی وجہ سے ان کی زبان سے کوئی مضمون ایسا نہیں نکل سکتا جس کو امت کی استعداد متحمل نہ ہوسکے اور امت کا مزاج اعتدال سے ہٹ جاوے اور اطباء لکھتے ہیں کائنات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کامل معتدل ہوا ہے اس لئے آپ فرماتے ہیں کہ:

((وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَآ اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَلَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا))

(مشکاۃ المصابیح، باب البکاءِ والخوف)

جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جان لو تو روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔ اس لیے آپ خود اس خوف کے متحمل تھے لیکن امت کے سامنے اتنا ہی بیان فرماتے تھے جتنا امت کی استعداد متحمل ہوسکے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں جنازے نہیں نکلتے تھے۔

رُوحانی اِمپورٹ ایکسپورٹ

حضرت والا کے ایک مرید حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں امپورٹ ایکسپورٹ کی تجارت کروں گا اور اس کے لیے مکان بیچ کر کرایہ پر رہوں گا۔

ارشاد فرمایا کہ میں آپ کو ایک ایسا امپورٹ ایکسپورٹ بتاؤں جس میں نہ آپ کو مکان بیچنا پڑے گا اور نہ روپیہ لگانا پڑے گا۔ آپ آخرت سے توفیق اعمال صالحہ امپورٹ کیجئے یعنی اللہ سے دعا مانگئے کہ اے اللہ! آپ مجھے نیک اعمال کی توفیق عطا فرمایئے، جب توفیق امپورٹ ہوگی تو پھر اعمال صالحہ آخرت کو ایکسپورٹ کیجئے۔ پہلے آپ ایکسپورٹ کا آرڈر غیر ممالک سے درآمد کرتے

ہیں تب مال برآمد کرتے ہیں، بغیر آرڈر کے آپ اپنا مال ایکسپورٹ نہیں کر سکتے اسی طرح پہلے توفیق کی بھیک اللہ سے مانگو جب وہ عطا فرما دیں گے تو پھر نیک اعمال آخرت کو برآمد کرسکو گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کی زبان سے کہلوایا وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ کی مدد سے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مال میں خرابی کی وجہ سے مال رد کر دیا جاتا ہے، اس لیے جب نیک اعمال کا مال برآمد کرو تو ذرا نیت درست کرلو، اخلاص سے دل لگا کر عبادت کروتا کہ یہ عبادت مردود نہ کردی جائے اور اللہ سے کہہ بھی دو کہ اے اللہ! ٹوٹی پھوٹی جیسی بھی عبادت ہے اپنے کرم سے اسے قبول فرما لیجئے ہم سے تو عبادت کا حق ادا نہ ہوا، دنیا والے تو خراب مال واپس کر دیتے ہیں کیونکہ مال خراب ہونے سے ان کی غرض پوری نہیں ہوتی لیکن اے اللہ! ہماری عبادت آپ کو کچھ مفید نہیں ہیں یہ تو ہمیں ہی مفید ہیں، آپ کو ہم سے کوئی غرض نہیں اس لیے آپ ان عبادتوں کو قبول فرما لیجئے اور رد نہ فرمائیے۔

۲۰ رمحرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق ۲ رفروری ۱۹۷۵ء، بروز اتوار

صحبت کی مثال قلمی اور دیسی آم سے

حضرت اقدس جمعرات کی صبح دینی سفر پر حیدرآباد تشریف لے گئے تھے، آج صبح دس بجے واپس تشریف لائے حیدرآباد سے بعض احباب حضرت والا کے ساتھ آ گئے تھے اس وقت مندرجہ ذیل ملفوظات ارشاد فرمائے:

ارشاد فرمایا کہ دیسی آم کھٹا اور بے مزہ ہوتا ہے اس دیسی آم میں قلمی آم کی قلم لگا دینے سے دیسی، قلمی ہو جاتا ہے اور قلمی کی ساری خوشبو اور مزہ اس میں آ جاتا ہے اور قلم لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ بے مزہ دیسی آم میں لذیذ اور مزے دار قلمی آم کی شاخ سے پیوند لگا دو اور دیسی کی شاخوں کو کاٹتے رہو تا کہ دیسی کا

وجود فنا ہوتا رہے اور قلمی بڑھتا جاتا ہے اسی طرح کسی اللہ والے کے دل سے اپنے دل کی قلم لگا لو، مگر اپنے وجود کو فنا کرنا پڑے گا یعنی اپنی رائے اور خواہشات کی شاخوں کو قطع کرتے رہو اور شیخ کی رائے اور تجویزات پر عمل کرتے رہو تو تمہارا وجود اور نفس فنا ہوتا جائے گا اور اس اللہ والے کے قلب کا نور، خشیت اور محبت ونسبت وتقویٰ تمہارے دل میں منتقل ہو کر تمہارا دیسی اور بے قیمت دل بھی قلمی بن جائے گا۔ شرط یہی ہے کہ شیخ کی تجویز کے سامنے اپنے کو بالکل مٹا دے یعنی اپنی رائے کو فنا کر کے شیخ کی تجویزات پر عمل کرے۔

۲۱؍محرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق ۳؍فروری ۱۹۷۵ء، بعد ظہر

محبت شیخ کے حدود

یہ ملفوظ آج صرف احقر کی اصلاح کے لئے بیان فرمایا، صحبت اور محبت شیخ باعث فرح ہے، مگر یہ محبت حادث ہے اور اس کا فرح دائم نہ ہوگا، ہاں! اگر اس محبت للحق کا صحیح استعمال ہو یعنی دوام ذکر وفکر میں کوتاہی نہ کی جاوے تو یہ محبت للحق موجب وسبب محبت بالحق ہو جاوے گی کیونکہ یہ محبت حادث بالشیخ معین لمحبت الحق القدیم ہے اور محبت بالحق کا سرور وفرح لازوال اور دائم ہوگا کیونکہ وہ قدیم ذات ہے جو حدوث وتغیر سے پاک ہے جنہوں نے شیخ سے محبت کی اور اس سے اللہ کی محبت حاصل نہ کی ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی وضو کرے اور نماز نہ پڑھے کیونکہ محبت شیخ ذریعۂ مقصود تھی، مقصود نہ تھی۔ مقصود محبت حق تھی، تو ایسے لوگوں کی محبت للحق محبت بالحق نہ ہو سکی یعنی حق تعالیٰ سے خاص تعلق پیدا نہیں ہو سکتا اور وہ صاحبِ نسبت نہیں ہو سکتا۔ اصلاحِ رذائل اور مقاومتِ نفس عطا ہونے سے محروم رہے گا۔

یہ ملفوظ آج احقرؔ کے لیے بیان فرمایا احقرؔ اپنی نالائقی سے ذکر و

معمولات چھوڑ دیتا تھا یہ ملفوظ بیان فرما کر فرمایا کہ آج میں نے اپنی امانت کا حق ادا کر دیا کوئی اور پیر ہوتا تو کہتا کہ بس میری ٹانگ دابتے رہو اور میرے لیے بازار سے سبزی اور گوشت وغیرہ لاتے رہو کام بن جائے گا لیکن محبت شیخ سے مقصود حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق حاصل کرنا ہے جب تک براہِ راست تعلق حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات قدیم سے نہ ہوگا تو سرور وفرح وسکون لازوال کا حصول بھی ناممکن ہے۔ پس اگر محبت شیخ محبت حق کا سبب ہوگئی تو مقصود حاصل ہو گیا ورنہ نہیں۔ اس ملفوظ سے محبت شیخ کے حدود کی نشاندہی ہوتی ہے۔

احقرؔ نے عرض کیا کہ ذکر وغیرہ میں کچھ مزہ نہیں آرہا ہے اور قلب میں تعلق مع اللہ محسوس نہیں ہوتا تو فرمایا کہ ذکر کے لیے کیفیات وسرور وغیرہ کا انتظار نہ کرے کہ جب سرور و کیف ہوگا تب ذکر کروں گا۔ ذکر شروع کردو ! اللہ کی عبادت سے مزدوری طلب نہ کرو۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن

مثل گداؤں کے تو مزدوری کی شرط پر عبادت نہ کر کہ اگر سرور و کیف ملے گا تو عبادت کروں گا بلکہ بندگی کئے جاؤ، مزدوری ملے نہ ملے مزہ آئے نہ آئے، ہمارا کام تو ان کو یاد کرنا ہے اور اعمالِ اختیاریہ کو اختیار کرنا ہے، قرب ورضا حق کا مدار اعمالِ اختیاریہ پر ہے، کیفیات پر نہیں ہے۔

بعد عشا احقرؔ سے دریافت فرمایا کہ دوپہر کا مضمون نوٹ کیا یا نہیں؟ عرض کیا کہ آج نہ کر سکا معمولات کرنے لگا تھا فرمایا کہ جو مضمون تمہاری اصلاح کے لئے تمہارے لئے سرمایۂ حیات تھا کہ اگر اس کو آبِ زر سے بھی لکھتے تو بھی اس کا حق ادا نہ ہوتا اس کو نظر انداز کر دیا۔ جس وقت میں بیان کر رہا تھا تو میری روح پر وجد طاری تھا لیکن اس علم عظیم کا تجھ پر کوئی اثر نہ ہوا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اپنی اصلاح منظور نہیں میرے مضامین جو اوروں کے لئے نوٹ کرتے

ہوتا کہ امت کو سنا کر واہ واہ حاصل کرے لیکن جہاں اپنے نفس کی اصلاح تھی اسے غیر اہم سمجھا، میں پھر کہہ رہا ہوں کہ دل میں جو بت چھپے ہوئے ہیں خلافت اور جاہ وغیرہ کے نکال دو اور یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ کے مصداق بن جاؤ ورنہ محروم رہو گے۔ احقرؔ نے عرض کیا کہ نہ معلوم کیا بات ہے عقل پر گناہوں کا کیا عذاب ہے کہ بہت غلطیاں ہو رہی ہیں نہ معلوم کیا قسمت میں لکھا ہے۔ اس پر فرمایا کہ تنبیہ پر بجائے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کے مایوسی ہونے لگنا اور یہ سوچنے لگنا کہ کہیں میرا خاتمہ خراب نہ ہو جائے، زمین سے لوحِ محفوظ تک پہنچنے لگنا یہ شیطان کا دوسرا حربہ ہے وہ چاہتا ہے کہ یہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہو اور غیر اختیاری امور سے مایوس کر کے اعمالِ اختیاری سے غافل کر دے تاکہ مرنے کے بعد پھر اس کو خائب وخاسر دیکھوں پس اصلاح اور اعمالِ اختیاری میں مشغول ہونا چاہیے۔ جب غلطی پر تنبیہ کی جائے تو اس کی اصلاح کی فکر کرے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے آئندہ کے لیے حفاظت کی دعا مانگے اور تنبیہ پر مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے، ایک غلطی نہیں اگر ایک لاکھ غلطی ہو تب بھی مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں ہے اَلْاِنْسَانُ مَجْمُوْعَةُ الْخَطَآءِ وَالنِّسْیَانِ توبہ و استغفار دل کی گہرائی سے کر کے آگے بڑھے، کام میں لگے اور اگر دل میں مایوسی آنے لگے تو سمجھ لے کہ شیطان اب دوسرا حربہ استعمال کر رہا ہے۔ (نوٹ: اس کے بعد ظہر کے بعد والا مضمون اور مندرجہ بالا مضمون نوٹ کر کے حضرت والا کو سنایا تو حضرت خوش ہو گئے۔ جامع)

۲۲؍محرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق ۴؍فروری ۱۹۷۵ء

حالتِ قبض حالتِ بسط سے بھی زیادہ مفید ہے

احقرؔ نے اپنی مایوسی اور حالت قبض کا ذکر کیا تو فرمایا کہ عالمِ متغیر کا جز ہو کر تغیر احوال سے بری ہونے کی ہوس، امکان محال کا مطالبہ ہے لہٰذا سالک کو

اپنی تبدیلی احوال سے دلگیر نہ ہونا چاہیے جیسے کہ ظاہری تغیرات ہیں کہ کوئی شخص دن کا طالب ہو اور رات کو مضر سمجھتا ہو تو یہ نادانی ہے ایسے ہی ''قبض رات ہے'' اور ''بسط دن ہے'' اور لیل و نہار کا ربط ہے ایسے ہی قبض و بسط دونوں بندوں کو مفید ہیں بلکہ قبض زیادہ مفید ہے کہ قبض بندے کو اقرب الی العبدیت کرتا ہے کہ بندہ کا دل شکستہ ہو جاتا ہے اور اپنے کو کچھ نہیں سمجھتا۔ یہ شکستگی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔

۱۳؍صفر المظفر ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۲؍فروری ۱۹۷۵ء

بجز فضل الٰہی کے اللہ کا راستہ طے نہیں ہوسکتا

احقر کے کبر و عجب کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بیماری آئی جس سے دو ماہ تک احقر خود بے چین رہا اور حضرت شیخ دامت برکاتہم کے لیے باعث اذیت و تکلیف رہا۔ حق تعالیٰ نے حضرت اقدس کی دعاؤں کی برکت سے فضل فرمایا اور بیماری جاتی رہی اور طبیعت میں سکون ہوا افسوس کہ احقر کی بیماری سے حضرت اقدس اذیت اور ذہنی کوفت میں مبتلا رہے حق تعالیٰ اس سیہ کار کو معاف فرمائیں ارشاد فرمایا کہ اس بیماری سے ایک بڑا راز یہ کھلا کہ ملفوظات کا نوٹ کرنا شیخ کا قرب علوم ومعارف و دینی فہم اور طریق کے آداب کا علم سب معطل اور بے کار ہے اگر حق تعالیٰ کا فضل شامل نہ ہو اور آدمی جو یہ سمجھتا ہے کہ میں شیخ کی صحبت سے بڑے بڑوں کا راستہ طے کرا سکتا ہوں وہ خود راستے میں مارا جاتا ہے اگر میاں دستگیری نہ فرمائیں۔

گناہوں کی معافی کے ساتھ گناہوں سے پاکی کی دُعا

ایک صاحب کو یہ دعا تعلیم فرمائی کہ یا اللہ! آپ ہمارے گناہوں کو معاف بھی کر دیجئے اور اپنی رحمت سے ہمیں پاک بھی کر دیجئے، کیونکہ معافی مانگنے سے گناہ تو معاف ہو گیا لیکن اگر آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق نہ ہوئی

تو پاکی نصیب نہ ہوئی اس لیے ایسی دعا مانگو کہ معافی بھی سابقہ گناہوں سے ہوجائے اور پاکی بھی مل جائے یعنی طبیعت بھی پاک عطا ہوجائے مثلاً اگر کسی شخص کو گناہ کا تقاضا ہوتا ہے لیکن مجاہدہ سے ہلکا میلان باقی رہ گیا ہے، خیال آتا ہے اور یہ لاحول پڑھ کر مشغول نہیں ہوتا تو اس کی طبیعت پاک ہے لیکن جو گناہ کا خیال آنے سے اپنے اختیار سے اس میں مشغول ہو اور دل مزہ لینے لگے تو اس کی طبیعت ابھی ناپاک ہے اس کی پاکی کے لیے دعا مانگنی چاہیے۔

حضرتِ والا کی محبت اور بشارتِ عظمیٰ

ارشاد فرمایا کہ دو ماہ آپ کو جو قبض باطنی کی تکلیف ہوئی وہ میری محبت ہی کی وجہ سے تھی مجھ کو آپ سے اور آپ کو مجھ سے جو محبت ہے یہ چھپی نہیں رہے گی مشہور ہو کر رہے گی۔

ہماری تمہاری محبت کے قصے
رہے گا یہ افسانہ مشہور ہو کر

جب آپ کو شفاء ہوگی تو آپ اس واقعہ کو بہت خاص انداز میں لکھیں گے۔ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ اس وقت آپ کے قلم میں ایک خاص جان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ چاند بے نور ہوتا ہے لیکن آفتاب عکس ڈال دیتا ہے تو چاند نور سے جگمگانے لگتا ہے اس وقت نور آفتاب حق آپ کے قلم کے محاذات میں ہوگا جب اللہ تعالیٰ اپنے نور کا عکس ڈال دیتے ہیں تو تصنیف و تالیف ہو رہی ہے تبلیغ ہو رہی ہے ملفوظات لکھے جا رہے ہیں اگر اس آفتاب نور کو ہٹا لیں تو آدمی مٹی کا ڈھیلہ ہے۔ کبھی آفتاب کرم کو دل کے محاذات سے ہٹا لیتے ہیں تاکہ اپنی حقیقت معلوم ہو اور گھٹ گھٹ کر نیستی پیدا ہو کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں پھر جب شعاع ڈالتے ہیں اور نفس کی زمین کی حیلولت کو ہٹاتے ہیں تو چاند میں پھر نور آجاتا ہے۔ میری محبت کی باتیں انشاء اللہ آپ کے قلم سے اللہ تعالیٰ لکھوائیں گے۔

حضرت والا کی بے مثال محبت اور احقر کے لیے دعا

ایک صاحب مٹھائی لائے تو حضرت والا نے فرمایا کہ کھاؤ مٹھائی کھاؤ۔ پھر مزاحاً فرمایا کہ آپ میں مٹھائی بھی ہے اور نمکینیت بھی ہے یعنی محبت بھی ہے اور محبوبیت بھی۔ جس ناز سے میں نے تمہارے لیے دعا کی ہے کسی کے لیے نہیں کی کہ یا اللہ! میرے حسام الدین کو مجھ سے نہ چھینئے۔ اس کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ جس ناز سے تمہارے لیے دعا کی اس وقت میاں نے الفاظ بھی عطا فرمائے۔ میں کیا انبیاء علیہم السلام بھی ناز نہیں کر سکتے مگر جب ادھر سے اشارہ ہوتا ہے اس وقت وہ حالت ناز میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ میری روح پر ایسی کیفیت زندگی بھر میں ایک دو بار طاری ہوئی۔

حضرتِ والا کی دِلجوئی اور شفقت

آج بعد ظہر احقر کو یوں بلایا۔

بیا بیا و فرود آ کہ ایں خانہ خانۂ تست

احقر کے پاس ایک روپیہ تھا اس خوشی میں احقر حضرت والا کے لیے ایک روپیہ کا کینو یا کچھ اور بطور ہدیہ دینے کا ارادہ کر رہا تھا کہ حضرت والا نے فرمایا کہ ٹٹرا سائیکلین دوا منگوانا ہے دو روپے کی آتی ہے میرے پاس ایک ہی روپیہ ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ ایک روپیہ میرے پاس ہے جو میں ابھی حضرت کی خدمت میں ہدیہ دینے والا تھا حضرت والا نے ہنستے ہوئے فرمایا ماشاء اللہ۔ میں نے آپ کا روپیہ ایک کروڑ کے برابر درج کرلیا۔

احقر نے عرض کیا کہ یہ وسوسہ آرہا ہے کہ اپنے فہم کی وجہ سے دو ماہ سے جو غلطیاں ہورہی ہیں احقر کی وجہ سے حضرت کی بدنامی کا باعث نہ ہوں جس سے میں مردود نہ ہوجاؤں اور سوئے خاتمہ نہ ہوجائے۔ فرمایا کہ جو غلطیاں

ہورہی ہیں میری معیت میں ہورہی ہیں جو میرے لیے اور تیرے لیے باعث نیک نامی ہیں باعث مقبولیت ہیں نہ باعث مردودیت۔ جو خیال جم جاتا ہے وہ نکلتا نہیں اس کا سبب دل کی کمزوری اور خشکی ہے نہ مردودیت نہ سوءِ خاتمہ۔

(۴۴ر سال پہلے کے ملفوظات یہاں ختم ہوئے، بقیہ ان شاء اللہ آئندہ طباعت میں پیش کیے جائیں گے۔ احقر میر غفرلہٗ)

☆☆☆☆☆

۶ر صفر المظفر ۱۴۱۰؁ھ مطابق ۸ر ستمبر ۱۹۸۹؁ء، بروز جمعۃ المبارک
مسجد اشرف، گلشنِ اقبال کراچی

سنت کے مطابق شادی بیاہ اور ولیمہ

ارشاد فرمایا کہ آج جنگ اخبار میں مسائل دینیہ کے سلسلے میں مولانا یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم نے ایک مسئلہ لکھا ہے کہ شادی کے موقع پر لڑکی والوں کا برادری اور لڑکے والوں کو دعوت کھلانا خلافِ سنت ہے۔ میرے ذمے بیان ہے، تحقیق آپ مولانا یوسف لدھیانوی سے جاکر کیجیے، لیکن عقل سے سوچیے کہ جس کی بیٹی جارہی ہے اس کا دل تو غمگین ہے ایسے وقت اس سے دعوت کھانا عقل کے بھی خلاف ہے۔ ولیمہ سنت ہے جو بیٹے والے کے ذمہ ہے۔ لڑکی جب رخصت ہوکر چلی جائے اور شوہر کے ساتھ خلوت ہوجائے اس کے بعد دوسرے دن ولیمہ سنتِ مؤکدہ ہے بشرطیکہ وہاں بھی کوئی خلافِ شریعت کام نہ ہو۔

علامہ شامی ابنِ عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ولیمہ سنت مؤکدہ ہے لیکن اگر دسترخوان پر کوئی گناہ کا کام شروع ہوجائے مثلاً غیبت شروع ہوجائے تو روٹیاں اور بریانی اور شامی کباب چھوڑ کر وہاں سے اُٹھ جانا واجب ہے۔ اب یہ وقت امتحان کا ہوتا ہے کہ یہ نلیاں اور بوٹیاں محبوب ہیں یا اللہ کی

رضا محبوب ہے۔ یہ کہنا کہ صاحب اگر چھوڑ کر جائیں تو میز بان ناراض ہو جائے گا نہایت کم ہمتی کی بات ہے۔ صاف کہہ دو کہ یہاں غیبت ہو رہی ہے، ریکارڈنگ ہو رہی ہے، فوٹو کشی ہو رہی ہے، فلم بن رہی ہے، ویڈیو بن رہی ہے، کھانے والوں کی تصویریں بن رہی ہیں، کوئی بھی نافرمانی ہو رہی ہے لہٰذا اس نافرمانی کی مجلس میں شریک نہیں ہوسکتا۔

دوستو! یہی وقت امتحان کا ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا موقع آئے اس وقت جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جائے، وہ امتحان میں پاس ہو گیا۔ خالی تنہائی میں، مسجد میں عبادت کر لینے کا نام امتحان نہیں ہے۔ امتحان کا وقت وہ ہوتا ہے جب منہ اور بریانی کے لقمہ کے درمیان آدھے فٹ کا فاصلہ رہ گیا کہ دیکھا کہ فوٹو گرافر آ گیا، فلم بننے والی ہے، اب دیکھنا ہے کہ آدھا فٹ جو بریانی قریب ہو چکی ہے اس قریب شدہ مالِ غنیمت کو واپس کرتا ہے یا نہیں۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ اس وقت اس لقمے کو وہیں رکھ دو اور اُٹھ جاؤ اور کہہ دو چونکہ یہاں اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے لہٰذا ایسی مجلس میں حاضری جائز نہیں ہے۔ محدث عظیم مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جو مکہ شریف میں مدفون ہیں، مشکوٰۃ کی شرح میں فرماتے ہیں لَا یَجُوْزُ الْحُضُوْرُ عِنْدَ مَجْلِسٍ فِیْہِ الْمَحْظُوْرُ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایسی مجلس میں جہاں اللہ کی مرضی کے خلاف، شریعت کے خلاف کوئی کام ہو رہا ہو اس مجلس میں شرکت جائز نہیں چاہے ابّا کی مجلس ہو، چاہے اماں کی مجلس، چاہے پیر کی مجلس ہی کیوں نہ ہو۔

مان لیں کسی کو غلطی سے غلط پیر مل گیا، اس کے یہ معنی تھوڑی ہیں کہ اللہ اور رسول کے فرمان کو پیچھے چھوڑ دیں، اور اس کی بات مان لیں۔ اسی کا نام پیر پرستی ہے۔ اس سے صاف کہہ دو کہ چونکہ آپ خلافِ شریعت وخلافِ سنت کام کر رہے ہیں، بس میں آپ سے بیعت فسخ کرتا ہوں۔ محبت اللہ کے لیے

ہے اور بغض بھی اللہ کے لیے ہے۔

تعجب ہے کہ قرضہ لے لے کر بیٹی والا برادری کو کھلا رہا ہے جو خلافِ سنت ہے۔ آج اخبار میں پڑھ لیجیے گا، دینیات کا ایک صفحہ ہوتا ہے مولانا لدھیانوی اس میں مسائل کے جوابات لکھتے ہیں۔ میں نے ابھی ابھی دیکھا ہے، اخبار بھی میرے پاس رکھا ہے، تقریر ختم ہونے کے بعد جس کا جی چاہے چل کر دیکھ بھی لے کہ لڑکی والوں کا کھانا خلافِ سنت ہے۔ اصلاح الرسوم میں بھی ہے اور ہمارے اکابر نے اس کا اہتمام کیا۔ میرے مرشد اوّل مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت کے اکابر خلفاء میں سے تھے، اتنے بڑے خلیفہ تھے کہ مفتی اعظم پاکستان اور مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ظفر احمد عثمانی، قاری طیب صاحب رحمہم اللہ جیسے بڑے بڑے علماء ان کے سامنے شاگرد کی طرح بیٹھتے تھے، لیکن حضرت نے اپنی بیٹیوں کی شادی کی، نکاح پڑھا جو دو چار آدمی آئے کسی کو کچھ نہیں کھلایا اور بیٹی کو رخصت کر دیا، یہ نہیں کہ بارات میں ساری برادری کو جمع کیا جا رہا ہے ہاں دو چار عزیز و اقارب آ گئے مثلاً بیٹی کی شادی میں اس کی دوسری سگی بہنیں آ گئیں اور سگے بھائی آ گئے تو وہ گھر والے ہیں، خاندان والوں کو کھلانے میں کوئی حرج نہیں جو دو چار آ گئے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ لڑکی والوں کی طرف سے دعوت نامے کے کارڈ چھپ رہے ہیں۔ ہزار آدمی کھانا کھا گئے جس پر دس ہزار خرچ ہوئے یہ دس ہزار بالکل ضائع ہوئے، اس پر کوئی اجر نہیں بلکہ خلافِ سنت عمل پر اندیشۂ مواخذہ ہے۔

نکاح تو ایک عبادت ہے لیکن عبادت جب ہے جب سنت کے مطابق ہو جس طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو، لہٰذا تمام حدیثوں سے ثابت ہے کہ ولیمہ سنت ہے بشرطیکہ ولیمہ بھی شریعت کے خلاف نہ ہو اور حیثیت

سے بھی زیادہ نہ ہو کہ پانچ ہزار تنخواہ پاتا ہے لیکن ولیمہ قرضہ لے کر ایک لاکھ کا کر رہا ہے یہ بھی نام ونمود اور فخر کے لیے ہے، اس میں بھی شرکت جائز نہیں۔ آج اُمتِ مسلمہ، اسی کی وجہ سے مقروض و پریشان ہے۔ دس دس ہزار، بیس بیس ہزار روپیہ کھانے میں جا رہا ہے۔ حیثیت سے زیادہ خرچ نہ کرو، ارے امام اور مؤذن کو بلالو۔ دو آدمیوں سے بھی ولیمہ ہو جاتا ہے۔ چلو محلے کے کسی بڑے بوڑھے کو دو چار دوستوں کو بلا لو۔ آپ کسی مفتی سے پوچھ لیں کہ اگر دو چار آدمیوں کو بلالیں تو ہماری سنت ولیمہ ادا ہو جائے گی یا نہیں اور باقی پیسے دینی مدارس میں، یتیموں پر، بیواؤں پر خرچ کر دیں یا بیٹی کو دیں یا داماد کو دے دیں۔

یہ کھا کھا کر پچاس پچاس ہزار روپیہ خرچ کرا کر مونچھوں پر تاؤ دے کر جو جاتے ہیں، کوئی خوش نہیں ہوتا۔ تعریف کے لیے جو کام انسان کرتا ہے، تعریف بھی نہیں ملتی۔ جو وہ کہہ کر جاتے ہیں وہ الفاظ، مجھ سے سنئے! ''ارے صاحب! گھی بہت ڈال دیا تھا۔'' ''اتنی چکنائی تھی کہ کھایا نہیں گیا۔'' ''میرے تو پیٹ میں درد ہو گیا۔'' ''یہ اس نے گوشت بچانے کے لیے ترکیب نکالی کہ گھی زیادہ ڈال دیا تاکہ کھانا نہ کھایا جائے۔'' دوسرے صاحب کہتے ہیں: صاحب! نمک تیز ہو گیا۔ تیسرے صاحب کہتے ہیں: بکرا بڈھا تھا۔ گوشت میں بہت سختی تھی، جیسے چمڑے کھینچ رہے تھے۔

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک قصہ سنایا کہ ایک بخیل بنیا تھا۔ پیٹ کاٹ کر پیسہ جمع کیا اور جب بیٹی کی شادی کی تو سارے گاؤں کو دعوت دے دی کیونکہ کافر عزت وجاہ کا بھوکا ہوتا ہے، اس نے سب گاؤں والوں کو آلو پوری کھلائی، آلو پوری بہت مزیدار ہوتی۔ اور ایک ایک اشرفی بھی انعام میں دی۔ اشرفی سونے کی ہوتی ہے۔ اور جب سب مہمان جانے لگے تو جلدی سے دوڑ کر گاؤں کے باہر ایک درخت پر بیٹھ گیا کہ آج ذرا

تعریف سن کر خوش ہو جاؤں۔ مال تو گیا، زندگی بھر میں نے چمڑی دے دی مگر دمڑی نہیں دی لیکن آج بیٹی کی شادی میں ذرا واہ واہ لینے کے لیے میں نے اتنا خرچہ کیا تو دیکھوں کہ آج میری کتنی تعریف ہوتی ہے۔ تو آلو کھا کر اور ایک اشرفی لے کر سب یہ کہتے ہوئے گذرے کہ بڑا ہی کنجوس مکھی چوس تھا۔ ارے! صرف ایک اشرفی دی۔ کمبخت کو پانچ اشرفی دینا چاہیے تھا۔ جب تین چار گالیاں سنی تو مارے غم کے، اس کی دھوتی ڈھیلی ہوگئی اور جلدی سے درخت سے نیچے اُتر کر صدمہ سے گھر میں جا کر لیٹ گیا کہ اتنا پیسہ بھی چلا گیا اور تعریف بھی نہ ملی۔ مخلوق سے کہیں تعریف ملتی ہے۔

اسی طرح غم کے موقع پر بھی انتہائی بے ہودہ رسمیں ہیں۔ غمی میں بریانیاں کھلائی جاتی ہیں، تیجہ کیا جاتا ہے جس کا نام قرآن خوانی ہے۔ بکرا کٹ رہا ہے، شامیانے لگ رہے ہیں اور بریانی پک رہی ہے سوچو تو صحیح جس کا نانا، جس کا بابا مر گیا اس کے ہاں بریانی کھانے میں شرم بھی نہیں آتی۔

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نوجوان کی تربیت فرمائی جو زمیندار تھا۔ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صدقے اور ان کی صحبت کے فیض سے اس نے وعدہ کیا کہ حضرت! ان شاء اللہ تعالیٰ میں اپنی پوری برادری سے یہ رسم مٹادوں گا، بس اس نے رسم کے مطابق باپ کے انتقال پر دو بکرے کاٹے اور شاندار بریانی پکوائی اور ساری برادری کو بلایا کہ آؤ! آج کھانا کھالو۔ جب دسترخوان بچھا کر گرم گرم بریانی پلیٹوں میں رکھی گئی اور ہاتھ دھو کر سب نے بریانی کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو اس نے فوراً کہا کہ صاحبو! ہاتھ بڑھانے سے پہلے میں ذرا ایک گذارش کرتا ہوں اس کو سن لینے کے بعد آپ لوگ کھائیے، ایک نوجوان، بچہ، بڑے بڑے چودھری بڈھے زمینداروں سے خطاب کر رہا ہے کہ آپ لوگ کس خوشی میں یہ

بریانی کھانے جارہے ہیں۔ میرے دل سے پوچھو کہ باپ کے مرنے پر کیا صدمہ ہے۔ میرے غم اور صدمے میں آپ نے میرا یہ حق ادا کیا کہ آپ مجھ سے بریانی کھا رہے ہیں۔ جس کا باپ یا بھائی مر گیا اس سے کس خوشی میں بریانی کھائی جاتی ہے۔ اس تقریر کے بعد کوئی بریانی کھا سکتا تھا؟ آخر سب بڑے زمیندار تھے، عزت و آبرو سے ہاتھ دھو کر تھوڑی آئے تھے، سب لوگ فوراً کھڑے ہو گئے اور کہا: اے نوجوان بچے! شاباش! آج تو نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔ ساری بریانی کو لے جا کر غریبوں میں تقسیم کر دو۔ یہ غریبوں کا حق ہے ہم جیسے بڑے بڑے مالداروں کا حق نہیں ہے کہ اپنے نوجوان رشتے دار کے باپ کی غمی میں بریانی ٹھونس رہے ہیں، واقعی یہ بے غیرتی ہے۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ خبر ملی تو حضرت نے خوش ہو کر وعظ میں یہ واقعہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ جس سے چاہتا ہے بڑا کام لے لیتا ہے۔ اللہ نے اس سے کتنا بڑا کام لیا کہ اس نے ایک بُری رسم کو مٹا دیا۔

آج آپ سب حضرات سے میں اس مسجد میں ایک عہد لیتا ہوں کہ آپ لوگ وعدہ کیجیے کہ اپنی شادی بیاہوں کو میرج ہالوں میں نہیں کریں گے۔ اللہ کے لیے وعدہ کیجیے! اُمت پر رحم کیجیے! اپنے خاندان پر رحم کیجیے! یہاں ہماری مسجد اشرف میں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کی موجودگی میں دو نکاح ہو چکے ہیں۔ آپ لوگ شادی ہالوں کے کرایہ اور بجلیوں کے بِل سے جان چھڑا کر وہی پیسہ اپنی بیٹی کو دے دو۔ قرضہ لے لے کر اپنے دل کو کیوں پریشان کرتے ہو؟

میرے محترم بزرگو، بھائیو اور دوستو! شادی سنت کے مطابق کرو، جمعہ کے دن، عصر کے بعد نکاح پڑھو اور مغرب بعد رخصتی کر دو۔ نوشہ کے ساتھ جو آنے والے ہیں ان کو بھی پہلے ہی راضی کر لو کہ ہم سنت کے مطابق سادگی کے

ساتھ شادی بیاہ کریں گے۔اس طرح یہ لعنت جہیز کی نکل جائے گی۔کتنی بیٹیاں ہیں جو جہیز کی اس لعنت اوران اخراجات کی لعنت سے بیٹھی ہوئی ہیں۔ان کے دلوں میں خودکشی تک کے وسوسے آرہے ہیں۔میرے دوستو! ان شادی ہالوں میں پیسہ ضائع کرنا اپنے غریب مسلمان بھائیوں کو پریشانی میں مبتلا کرنا ہے جو اپنی غربت کی وجہ سے اس رسم کو نہیں کر سکتے۔ بیٹی والوں سے پوچھو کہ کیا مصیبتیں ہیں، لہٰذا جو شخص اپنی بیٹی کی شادی میں کھانا کھلائے گا اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن اس پر سنت کی مخالفت کا مقدمہ دائر ہوگا۔ساتھ ساتھ یہ کہ معاشرے میں اس نے ایک بری رسم جاری کر کے مسلمانوں کی جیب کٹوانے کا انتظام کیا اوران کو کرب وغم میں مبتلا کرنے کا سامان کیا۔چھوڑیئے! اس کو کوئی کچھ کرتا ہو۔آپ یہی پوچھ لو کہ بیٹی والوں کا کھانا کس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اس لیے آج آپ حضرات یہ عہد کرلیں کہ ہمیں میرج ہالوں میں شادی نہیں کرنی ہے بیٹی والوں کو کھانا نہیں کرنا ہے، بیٹی والوں سے جہیز نہیں مانگنا ہے وغیرہ۔ یہ دس ہزار پانچ ہزار جو ایک رات کا ہال کا کرایہ لگتا ہے نہیں دینا ہے، مسجد میں سنت کے مطابق نکاح کرایئے۔

نکاح کے بعد چھوارے وغیرہ نہ اُچھالیے۔خالی کتابوں کو دیکھ کر عمل نہ کیجیے۔سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب نے فرمایا کہ اس زمانے میں چھوارے قاعدے سے تقسیم کرو۔کیوں؟ اس لیے کہ جس زمانے میں یہ کھجور اور چھوارے اُچھالے گئے تھے اس زمانے میں آنکھوں پر چشمے نہیں لگتے تھے۔آج سے پچاس برس پہلے کے بزرگوں کو دیکھ لو، اپنے دادا، نانا کو کہ اکثر نے بڑھاپے تک چشمہ نہیں لگایا، خود میرے نانا نے آخر سانس تک چشمہ نہیں لگایا۔اوراب نوجوانوں کے چشمے لگے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ نے کھجوروں کو اُچھالا، اور ایک کھجور کسی کے چشمے پر گرگئی، اس کا تو

تین سو کا تو چشمہ گیا اور آپ کی دو آنے کی کھجور اس کے نفع میں آئی لہٰذا کھجوریں تقسیم کیجیے اور اس طریقہ سے کہ مسجد میں بھی اس کا اثر نہ ہو کہ مکھیاں بھنکیں، اور مسجد کا فرش بھی نہ خراب ہو۔ اور مغرب بعد بیٹی کو رخصت کردو اور بیٹی والا کھانا نہ کھلائے۔

ولیمہ کے سلسلے میں بھی عرض کرتا ہوں کہ ولیمہ میں یہ کوئی ضروری نہیں کہ ساری برادری آئے۔ کسی کتاب میں نہیں لکھا ہے کہ ساری برادری کا کھانا کرو۔ جتنی اللہ توفیق دے اور قرضہ نہ لینا پڑے۔ یہی ہزار ہزار آدمیوں کو ولیمہ کھلانے والوں سے اگر کہا جائے کہ مسجد کی دری پھٹی ہے کچھ پیسہ دے کر نئی دری بچھوادو تو کہتے ہیں مولانا! آج کل بڑی کڑکی ہے، کڑکی۔ کڑکی کے معنی معلوم ہیں آپ کو؟ میمنوں کی زبان ہے۔ مرغی جب کُڑک ہو جاتی ہے اور انڈا نہیں دیتی، تو کہتے ہیں کہ یہ مرغی کی کڑکی کا زمانہ ہے اسی کُڑکی سے یہ کُڑکی بنایا ہے۔ میمن صاحب جب کہے کہ آج کل کُڑکی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میری دکان کی مرغی انڈا نہیں دے رہی ہے یعنی پرافٹ (Profit) نہیں ہو رہا ہے، لیکن یہ پچاس ہزار میرج ہال کے لیے کہاں سے آ گیا؟ کھانا کہاں سے آ گیا؟ جو غریب ہیں وہ بھی بینکوں سے سودی قرضے لے رہے ہیں۔ ولیمہ کون سا فرض ہے اور اگر فرض بھی ہوتا تب بھی سودی قرضہ لینا جائز نہیں۔ ولیمہ سنت ہے لیکن حسب گنجائش و توفیق۔ اگر پوری بکری کرنے کی کسی کے پاس گنجائش نہیں ہے، تو بکری نہ کرے دال روٹی کھلا دے، اگر گنجائش ہے تو چلو ایک بکری کرلو۔ ایک بکری آٹھ نو سو کی مل جاتی ہے۔ ایک ہزار کے چاول بھی ڈال دو، دو ہزار میں ولیمہ کرلو اور کوئی غریب ہے مؤذن ہے، امام ہے، بیچارہ اس کے پاس یہ بھی نہیں ہے تو میاں! آلو پوری کھلا دو، دہی بڑے کھلا دو۔ ولیمہ میں پلاؤ قورمہ کھلانا کوئی واجب نہیں ہے۔ غیر واجب کو واجب سمجھنا یہ بھی اسلام میں بہت بڑا

جرم ہے، اس سے ضرر پہنچا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، دوستو! اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو غور سے سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((اِنَّ اَعْظَمَ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مَئُوْنَۃً))

(مشکاۃ المصابیح، کتاب النکاح)

سب سے بڑا برکت والا نکاح وہ ہے جس میں کم خرچ ہو۔ آپ سوچیے اگر آپ کم خرچ کریں گے تو نکاح میں برکت آ جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے۔ اگر آپ کو اللہ نے بہت دولت دی ہے۔ مان لیجیے! بہت سی لانچیں چل رہی ہیں، موٹر چل رہی ہے، ٹیکسی چل رہی ہے، تو پیسہ بچا کر کسی غریب کی بیٹی کا نکاح کرا دو، کہو کہ یہ دس ہزار روپے ہم سے تحفہ لے لو یا کسی اور ضروری کام میں خرچ کر دو بھائی! دو چار بچوں کو حافظ بنوا دو، ہزاروں نیک کام ہیں جن میں خرچ کر سکتے ہیں لیکن مال کو ان فضول رسموں میں خرچ کرنے سے یہ خرابی پیدا ہو گی جو خاندان میں غریب ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں بھی مالدار رشتہ دار کا مقابلہ کروں گا چاہے قرض ہی لینا پڑے۔ ایسا کوئی کام نہ کیجیے کہ جس سے پورے خاندان والے مجبور ہو کر حیثیت سے زیادہ خرچ کریں، اگر ایک بچے کو پیچش ہوتی ہے، تو اس کی رعایت سے ماں دوسرے تندرست بچوں کو بھی کباب نہیں دیتی کہ تمہارے کباب کو دیکھ کر میرا بیمار بچہ روئے گا۔ ایسے ہی امت کا خیال کرو، نفسی نفسی نہ کرو۔

اسی طرح جہیز کی لعنت ہے آج کل لڑکے والا بابا کہتا ہے کہ میرا بیٹا امریکا پڑھنے جائے گا۔ جہیز میں امریکا تک پہنچنے کا خرچہ بھی دو، ایک کار بھی دو اور ٹیلیویژن بھی دو اور میرے بیٹے کے لیے دکان کھلوا دو۔ اگر ڈاکٹر ہے تو اس کو میڈیکل اسٹور کھلوا دو یا ہسپتال بنوا دو۔ بیٹی والوں سے پیسہ مانگنا یہ رشوت ہے،

حرام ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ بیٹی والے سے کہہ دیتے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو تنگدستی ہے، کچھ مقروض بھی ہیں، آپ کچھ نہ دیجیے۔ میرے گھر میں سب کچھ موجود ہے ہمیں آپ کی بیٹی چاہیے دولت نہیں چاہیے اور کوئی طعنہ بھی نہیں دے گا۔ یہ عہد داماد کے باپ اور اس کی ماں کو لکھ کر دے دیں کہ تمہاری بیٹی کو کوئی طعنہ نہیں ملے گا۔ لیکن آج افسوس یہ ہے کہ کھاتے پیتے لوگ نمازی لوگ بھی طعنہ دیتے ہیں اگر بیوی غریب ہے، کچھ نہیں لائی یا کم لائی، تو شوہر صاحب کہتے ہیں کہ ارے! تیرے باپ نے کیا دیا۔ تجھ سے نکاح کر کے میں تو پچھتا رہا ہوں، فلاں جگہ نکاح کرتا تو مجھ کو اتنا ملتا۔ کیا ہو رہا ہے دوستو! یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ اس لیے دل سیاہ ہو رہے ہیں اور گھروں میں لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں۔ دین اور اخلاق اور شرافت کا تقاضا ہے کہ یہ کہہ دو کہ آپ بیٹی دے رہے ہیں، اپنے جگر کے ٹکڑے کو آپ دے رہے ہیں، اس کے مقابلے میں ہم کرسی اور صوفہ مانگیں۔ یہ ظلم ہے۔ وہ اپنی طرف سے آرام کے لیے اپنی بیٹی کے لیے کچھ دے دیں وہ ٹھیک ہے لیکن اگر اس کے پاس نہیں ہے، قرینہ سے پتہ چل جاتا ہے، کہ لڑکی کا والد مالی لحاظ سے کمزور ہے تو شریف داماد اور شریف سمدھی کا حق ہے کہ کہہ دے کہ آپ بالکل تکلف نہ کریں اور اور ان کو یقین دلاؤ کہ کوئی طعنہ نہیں دے گا بلکہ لکھ کر دے دو اور اس پر اس کی ساس کے بھی دستخط کراؤ کیونکہ اس وقت تو جوش میں کہہ دیں گی لیکن بعد میں ساری زندگی طعنے دیتی ہیں۔ جو مہمان آیا، ارے! آپ کی بہو کچھ لائی بھی ہے؟ ارے! کیا لائی ہے بس چند چیتھڑے اور کچھ ٹھیکرے لائی ہے، کپڑے کا نام چیتھڑے رکھ دیا، برتنوں کا نام ٹھیکرے رکھ دیا۔ اس لیے دل روتا ہے ایسے حالات سے۔ آپس میں آج اگر آپ اس مسجد کے اندر عہد کرلیں، کہ ہم اپنی شادیوں میں بیٹی والے سے کہہ دیں گے کہ آپ پر کوئی جہیز کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اپنی بیٹی کو جو دل چاہے دیں

نہ دیں اس پر کبھی طعنہ نہیں ملے گا، اس پر اپنی بیوی اور بیٹے کے علاوہ اس کی بہنوں کے بھی دستخط کراؤ کیونکہ بہنوں کی زبان بھی کبھی کڑوی ہوجاتی ہے۔ اس پر عمل کرو۔ پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کتنا راضی ہوتا ہے۔ ذرا یہ عمل کر کے دیکھئے تو شادی بیاہ بالکل آسان معلوم ہوگا۔

آج کل کیا حالات ہیں؟ اسلام آباد میں ایک شخص کی چھ بیٹیاں ہوگئیں تو مجھ سے کہنے لگے کہ کوئی تعویذ دو کہ اب بیٹی نہ ہو کیونکہ خاندان میں پچاس ہزار ایک بیٹی پر خرچہ آتا ہے اور چھ بیٹیوں کو پچاس ہزار پر ضرب کرو تو تین لاکھ بنتا ہے۔ تین لاکھ میں کہاں سے لاؤں گا۔ پانچ ہزار میری تنخواہ ہے۔ تین ہزار خرچ ہوجاتے ہیں۔ ایک ہزار بچاؤں بھی تو تین لاکھ کہاں سے آئے گا لہٰذا مجبوراً سود لینا پڑے گا۔ قرضہ لینا پڑے گا۔ یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم نے معاشرہ میں غیر اسلامی رسمیں رائج کی ہیں اس کے لیے خاص طور پر آپ لوگ ہمت کیجیے، نہی عن المنکر کی جماعت الگ بنانے کی ضرورت ہے اور برائیوں کو مٹانے کے لیے آپ سب اس میں داخل ہوجائیں۔ یہ جتنے لوگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں سب بُرائیوں کے مٹانے میں ہمارے ممبر اور انصار ہیں۔

۱۸ رشعبان المعظم ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۰ رجنوری ۱۹۹۵ء،
بروز جمعۃ المبارک بوقت دوپہر، ڈربن (جنوبی افریقہ)

ھدیہ کے بعض آداب

(ایک صاحب ثروت جو حضرت والا سے اصلاح کا تعلق تو نہیں رکھتے تھے لیکن محبت رکھتے تھے جنوبی افریقہ کے سفر میں ساتھ ہوگئے۔ ڈربن میں وہ بازار گئے اور کچھ سامان خریدا اور میزبان نے قیمت ادا کردی اور ان صاحب نے انکار نہیں کیا اور خاموشی سے قبول کرلیا۔ حضرت والا کو اطلاع ہوئی تو

مندرجہ ذیل نصائح ارشاد فرمائے۔جامع)

ارشاد فرمایا کہ جو دوست بھی میرے ساتھ چل رہا ہے وہ مجھ سے اس کی اجازت لے کہ آپ کے ساتھیوں کو ہدیہ دینا چاہتا ہوں۔میری اجازت کے بغیر کوئی کسی ساتھی کو ہدیہ نہ دے اور نہ میرا کوئی ساتھی بغیر میری اجازت کے ہدیہ لے۔اگر میرے ساتھیوں میں سے کسی کو ہدیہ دینا ہے تو پہلے مجھ سے اجازت لیں اور میرے ساتھی بھی مجھ سے اجازت لیں کہ کیا میں قبول کرلوں۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ مجھے اپنے ساتھ ایک جج صاحب کے ہاں لے گئے جب میری عمر اٹھارہ برس کی تھی اور فرمایا کہ میں یہاں مہمان ہوں۔ میں نے کہا کہ حضرت آپ مہمان ہیں، میں تو مہمان نہیں ہوں، میں طفیلی بن کر کھانا نہیں کھانا چاہتا، میں نے آپ سے اللہ کے لیے تعلق کیا ہے، دنیا کے مال اور دسترخوان پر مرغی اڑانے کے لیے نہیں کیا ہے۔ لہٰذا میں ہوٹل میں کھانا کھا کر ابھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں، میری اس بات سے شیخ کو وجد آ گیا۔فرمایا شاباش حالانکہ حضرت سے یہ میری پہلی ملاقات تھی اور میری اٹھارہ برس کی جوانی تھی۔ پھر فرمایا اچھا! ٹھہر جاؤ۔اور جج صاحب سے الگ لے جا کر کہا کہ ان سے دعوت کی درخواست کرو۔ جج عبدالجلیل صاحب حضرت تھانویؒ کے مجازِ صحبت تھے۔انہوں نے مجھ سے بڑی لجاجت سے کہا کہ آپ دعوت قبول کر لیجیے۔میں نے کہا کہ میں آپ کی دعوت ہر گز قبول نہیں کرسکتا جب تک میں اپنے شیخ سے اجازت نہ لے لوں۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ جج صاحب مجھے دعوت دے رہے ہیں کیا آپ کی اجازت ہے؟ حضرت نے اجازت دے دی اور میرے اس عمل سے حضرت بہت زیادہ خوش ہوئے۔

اگر آپ کو بھی کوئی دعوت دے یا ہدیہ دے تو میرے جتنے ساتھی ہیں

وہ مجھ سے اجازت لیں کہ میں قبول کروں یا نہ کروں۔ اور مقامی حضرات بھی اجازت لیں کہ میں ہدیہ دینا چاہتا ہوں لہٰذا مولانا عبدالحمید صاحب مہتمم مدرسہ آزاد وِل نے پہلے مجھ سے دوستوں کو ہدیہ دینے کی اجازت لی۔ میں نے اجازت قبول کر لی۔ پھر میں نے اپنے دوستوں کو ان کا ہدیہ دیا کیونکہ طریقت و سلوک کی عظمت بڑی چیز ہے۔ مومن کی آبرو کتنی بڑی چیز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے کعبہ! تیری عظمت سر آنکھوں پر ہے لیکن مؤمن کی آبرو تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ لہٰذا کوئی ایسا کام جو مومن کو بے آبرو کرے بہت سخت گناہ ہے، کبیرہ گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((لَا یَنۡبَغِیۡ لِلۡمُؤۡمِنِ اَنۡ یُّذِلَّ نَفۡسَهٗ))

(سنن الترمذی، کتاب الفتن)

مؤمن کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے نفس کو کسی طرح سے ذلیل کرے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پیوند لگا ہوا کپڑا پہن کر سفر پر جا رہے تھے۔ پیرانی صاحبہ نے فرمایا کہ اس سنت کا یہ موقع نہیں ہے کیونکہ سفر میں مریدین دیکھیں گے کہ میرے شیخ کے پاس پیوند لگے کپڑے ہیں تو یہ ایک قسم کا مانگنا ہے۔ یہ سن کر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وجد میں آگئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا سمجھدار بیوی دی ہے۔

کسی شیخ اور عالم کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی دکان پر یوں کہے کہ یہ چیز کیا بھاؤ ہے؟ ماشاءاللہ! کپڑا بہت اچھا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دکاندار بے چارہ معتقد تھا، کہا حضرت! قبول کر لیجیے۔ اتنا قبول کیا کہ اس کی ساری دکان خالی ہو گئی۔ پھر شیخ صاحب سارا مال اپنے خادم پر لاد کر چلے گئے۔ دکاندار بے چارہ رونے لگا کہ شیخ میری دکان کی جان نکال کر لے گیا۔

اس لیے ہمارے بزرگوں نے کچھ اصول بتائے ہیں کہ جو لوگ سفر پر

ساتھ چلیں کسی کا ہدیہ قبول نہ کریں جب تک اپنے دینی مربی سے اجازت نہ لے لیں۔ اگر کوئی براہِ راست دیتا ہے تو ہر گز قبول نہ کریں کہ ہم بغیر امیر کی اجازت کے نہیں لے سکتے اور جہاں تک ہو سکے مارکیٹ مت جاؤ۔ پاکستان جہاں سے ہم آئے ہیں کوئی ایسی چیز نہیں جو وہاں نہ ملتی ہو، ہر چیز وہاں ملتی ہے۔ بال بچوں کی محبت میں دین کی عظمت کو نقصان مت پہنچاؤ۔ مال و اولاد قبر میں کچھ کام نہیں آئیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیٹ پر پتھر باندھ کر زندگی گذار لی اور ہم کو اللہ نے کیا کچھ نہیں دیا؟ وجاہت دی، پہننے کو کپڑے دیئے، خوب اچھا کھانے کو دیا پھر کیا ضرورت ہے کہ دوسروں سے لے کر اپنی عزت کو خاک میں ملاؤ۔ جتنے ڈالر جیب میں ہوں اس کے لحاظ سے سودا خریدو۔ مارکیٹ میں یہ بھی ظاہر مت کرو کہ پیسے کم پڑ گئے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا سوال ہے کیونکہ میزبان دیکھتا ہے کہ ان کو کوئی چیز پسند تھی، پیسوں کی کمی سے نہیں لے رہے ہیں تو وہ مجبوراً کہہ دیتا ہے کہ آپ خرید لیں پیسوں کی فکر نہ کریں۔ ہم اپنی عزت نفس کے خلاف کیوں رحم کی بھیک مانگیں، ہم ایسا سودا ہی نہیں لیتے جس کی استطاعت نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو دیکھیں کسی قسم کی صورتِ سوال ہو یا حقیقتِ سوال ارشاد فرمایا کہ اللہ اس میں برکت نہ دے۔ اللہ کے نبی کی بددعا والی چیز کو مت قبول کرو۔ آپ بتائیے کہ جس کو نبی کی بددعا لگ جائے تو اس کا کیا حال ہوگا۔ ایسے عیش پر لعنت بھیجو، کتنی ہی اچھی چیز ہو دوسروں سے اشارۃً یا صراحۃً مت مانگو، جو اللہ نے ہم کو دیا ہے اس کی حدود میں رہو۔ بس طریق کی عظمت یہی ہے۔ ان شاء اللہ پھر اس کا نور دیکھو گے۔

عزت نفس اور عظمت دین اسی میں ہے کہ ان اصولوں کو ہر وقت سامنے رکھو، ورنہ اگر آپ نے بغیر اجازت کسی کا ہدیہ قبول کر لیا تو ہدیہ دینے

والے کے دل میں بھی آپ کی عزت نہ رہے گی۔اس لیے میں کہتا ہوں اللہ کے نام پر جان و دل، آبرو فدا کر دو، دنیا کو قریب نہ آنے دو۔ اس سے اللہ کی عظمت، اللہ کے دین کی عظمت اور ہمارے بزرگوں کی عظمت قائم رہتی ہے۔

مولانا حسین بھیات صاحب میرے بچپن کے پالے ہوئے ہیں۔ جب بالغ ہوئے تو نیوٹاؤن میں پڑھ رہے تھے۔ میں نے ان کو اس طرح پالا ہے کہ یہ چھٹیوں میں میرے پاس باپ سمجھ کر رہتے تھے۔ انہیں مجھ سے کیسی محبت ہے لیکن ان سے پوچھ لو میں ان سے کوئی فرمائش کی بات بھی نہیں کہتا ہوں کہ مجھے یہ لا دو، وہ لا دو حالانکہ میں کہوں گا تو ان کو خوشی بھی ہو جائے گی۔ اگر تعلقات کا بہت زیادہ اہم مسئلہ ہو تو کوئی معمولی سی چیز منگوالی جیسے ایک رین یا دو رین کا رومال منگوالیا یا موزے وغیرہ منگوا لیے۔

اللہ کے فضل سے اب مجھے کسی چیز کی کمی نہیں۔لیکن جب میں بالکل غریب تھا اس وقت بھی میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ میں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، اس وقت کا حال بتاتا ہوں۔ ایک بہت بڑے رئیس حبیب الحسن شیروانی صاحب تھے، میر صاحب نے ان کو دیکھا ہے، میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ان کے پاس بڑے بڑے گھوڑے، پستولیں، بندوقیں بھی تھیں، ایک طرح کے نواب تھے اور میں ان کے بالکل برعکس پیٹ کی روٹی اور جسم کے کپڑے پر شیخ کے ساتھ رہتا تھا۔

ایک دفعہ شیروانی صاحب ہندوستان سے کراچی آئے۔ پانچ آدمی تھے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ابرارالحق صاحب، حبیب الحسن شیروانی صاحب، شاہ عبدالولی صاحب اور اختؔر۔ نواب حبیب الحسن خان شیروانی نے مجھ سے کہا آپ ذرا چائے کی پیالیاں دھو لیجیے۔ میں نے کہا میں آپ کی چائے پی کر پچھتا رہا ہوں، آئندہ میں آپ کی چائے

نہیں پیوں گا، میں غریب تو ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے دو حرف علم کے دیئے ہیں، میں اپنے نفس کو ذلیل نہیں کر سکتا۔ آئندہ سے میں آپ کی چائے نہیں پیوں گا اور چائے کی پیالی آپ خود دھو لیجیے، آپ ایک پیالی چائے سے مجھے اپنا خادم بنانا چاہتے ہیں۔ شیروانی صاحب نے فوراً اپنی ٹوپی اُتار دی اور کہا جتنے جوتے یا جتنے چپل چاہیں میرے سر پر لگا دیجیے اور رونے لگے اور کہا کہ خدا کے لیے مجھ کو معاف کر دیجیے۔

دوستو! یہ عرض کرتا ہوں جہاں تک ہو اپنے بزرگوں کے طریقے پر چلو۔ بس مجھ سے اگر نیک گمان ہے تو میری باتوں پر عمل کرو اور میرے ساتھ رہو ورنہ اگر میری باتیں زیادہ معیاری معلوم نہ ہوں تو کسی دوسرے مربی کے ساتھ سفر کرو۔ جو لوگ میرے ساتھ سفر کرتے ہیں میں ان سے یہ عرض کرتا ہوں کہ اختر نے ایک دو برس بزرگوں کے ساتھ نہیں گذارا، عمر گذاری ہے، بالغ ہوتے ہی بزرگوں کا دامن پکڑا یہاں تک کہ میرے بال سفید ہو گئے۔

شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کبھی میزبان کے ساتھ بازار مت جاؤ، اگر اپنا پیسہ ہے تو اسی سے خریدو ورنہ مہمان کا بازار جانا یہ خود سوال ہے۔ اگر جانا ہی ہو تو اتنا پکا ہو کہ کسی طرح میزبان کا پیسہ قبول نہ کرے، صاف کہہ دے کہ ہم اپنے پیسوں سے خریدیں گے۔ دیکھئے! کتنا پیارا اُصول ہے۔

بہ حیثیت مربی کے پھر کہتا ہوں کہ میرے کسی ساتھی کو آپ کوئی ہدیہ نہیں دے سکتے جب تک کہ میں اجازت نہ دوں اور میرا کوئی ساتھ ہدیہ قبول نہ کرے جب تک کہ مجھ سے اجازت نہ لے۔ یہ دین کی عظمت ہے ورنہ پھر کیا ہوگا؟ مولوی شبیر علی صاحب نے حکیم الامتؒ کے ایک مرید سے قرضہ لے لیا۔ مولوی شبیر علی حضرت کے سگے بھتیجے، متولی اور مہتمم خانقاہِ تھانہ بھون تھے، انہوں

نے حکیم الامتؒ کی کتاب چھاپنے کے لیے قرضہ لے لیا۔ بعد میں حضرت کو پتا چلا۔ حضرت نے بلایا اور فرمایا کہ آپ نے جو قرضہ لیا مجھ سے پوچھا تھا؟ میری اجازت کے بغیر میرے مریدوں سے آپ نے کیوں مالی فائدہ اُٹھایا لہٰذا سب واپس کرو، جب لوگ یہاں آئیں گے تو کہیں گے کہ بھائی! یہاں تو جیب کو کافی خطرہ ہے، دیکھو! ان کا بھتیجا ایسا کرتا ہے۔

دوستو! پیٹ پر پتھر باندھ لو لیکن عزتِ نفس اور عظمتِ دین کے خلاف کوئی کام نہ کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیٹ پر پتھر باندھے، نعمتیں کم کھائیں مگر نعمتوں کا شکریہ زیادہ ادا کیا۔ ہم نعمتیں زیادہ کھا رہے ہیں اور نعمتوں کا شکریہ ہمارا کم ہے۔ اس لیے عرض کرتا ہوں کہ اپنے نفس کو ہمیشہ عزت سے رکھو۔ چاہے سوکھی روٹی کھالو، مگر عزتِ نفس کے ساتھ رہو، کسی سے فرمائش نہ کرو کہ مجھے یہ چیز لا کے دو، وہ چیز لا دو۔ اللہ تعالیٰ نے بہت دیا ہوا ہے۔

ہاں! بعضے تعلقات مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ اس معاملے میں شیخ کی نقل مت کرو۔ بعض لوگ شیخ کی نقل کرتے ہیں۔ اگر شیخ کسی سے فرمائش کر دے تو وہ بھی فرمائشیں شروع کر دیتے ہیں حالانکہ شیخ کی نیت دوسری ہوتی ہے کہ مرید کا دل خوش ہو جائے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس مرید کے دل میں شیخ کی اتنی زیادہ محبت ہے کہ اس کی فرمائش سے اس کا دل باغ باغ ہو جائے گا اور اس کی شیخ سے محبت اور بڑھ جائے گی جو اس کے لیے دین کے فائدہ کا سبب ہوگی۔ اس لیے شیخ کبھی ایسے طالب سے معمولی سا ہدیہ طلب کر لیتا ہے لیکن ہر شخص شیخ نہ بنے اخلاص کے ساتھ اپنے کو مٹا کر رکھے۔ غرض ہر بات میں شیخ کی نقل نہ کرے، اس کو کیا معلوم کہ کسی کام میں شیخ کی کیا کیا نیت ہوتی ہے۔ اس پر تمام مشائخ کا اجماع ہے اور حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر شیخ دکھاوا بھی کر دے تو شیخ کی یہ ریا مرید کے اخلاص سے افضل ہے۔

اس کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ میں نے حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک بہت اچھا خواب دیکھا۔ حضرت پھولپوریؒ نے سب مریدوں کو بلایا اور فرمایا کہ اختر! خواب بیان کروتا کہ آپ کے دلوں میں شیخ کی عظمت اور محبت پیدا ہو، اس کے ساتھ نیک گمان پیدا ہو، اس میں ان کے دین کا فائدہ ہے۔ شیخ کا دکھاوا بھی اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ اس کی ریا مریدوں کے اخلاص سے افضل ہے، کیونکہ اس کی ریا کا مقصد دین کی ترغیب ہوتی ہے۔

اس لیے بھائی! ان اصولوں پر سختی سے کاربند رہو، میری اجازت کے بغیر کسی سے کچھ نہ لو اور نہ اشارۃً نہ کنایۃً کچھ طلب کرو اور نہ یہاں کے مقامی حضرات بغیر میری اجازت کے کسی کو کچھ دیں۔ ورنہ پھر عام جعلی پیروں میں اور ہم لوگوں میں کیا فرق رہے گا؟ پھر تو ان کی طرح مانگتے کھاتے رہو اور چھپ چھپ کر مال اُڑاتے رہو۔

جیسے ہمارے میر صاحب ہیں۔ اب یہ قریب ہیں اگر خدانخواستہ چپکے چپکے سے تعویذات وغیرہ دے کر پیسے لینا شروع کردیں اور کہیں کہ میں بہت زیادہ مقرب ہوں، تمہارے لیے حضرت سے خاص دعا کرادوں گا، لاؤ! مجھے کچھ رین لادو۔ بعض غیر مخلص اور دنیا دار چیلے اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ گرو کو بھی بدنام کردیتے ہیں اور اللہ کا راستہ بھی بدنام ہوجاتا ہے۔

دوستو! یہ بہت مہذب راستہ ہے۔ جتنا عظیم الشان اللہ ہے اتنا ہی اس کا راستہ عظیم الشان ہے اور راستے کے رہبر عظیم الشان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق دے۔

دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری نالائقیوں کو معاف فرمائے۔ میں اپنی کوتاہی کو بھی کہتا ہوں کہ اے خدا! اپنی رحمت سے اختر کو بھی کوئی کام ایسا نہ

کرنے دے جس سے آپ کے دین کی عظمت کو ایک ذرّہ نقصان پہنچ جائے، جو آپ نے ہمیں دیا، اس پر ہمیں قناعت نصیب فرما، حدیث پاک میں ہے کہ:

((اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ))

(کنز العمال، کتاب الاذکار، باب فی الدعا)

اے اللہ! جو آپ نے ہم کو دیا ہے اسی پر ہم کو قناعت نصیب فرما۔ بس دستِ مولیٰ سے جو ہم پا جائیں وہی ہماری چیز مبارک ہے۔ بندوں سے اپنی حاجت کو ہرگز مت ظاہر کرو اِلَّا یہ کہ اپنے پاس پیسہ بھی ہو، اپنی جیب سے پیسہ دو اور خریدو، ورنہ صبر کرو۔ جتنا اللہ نے دیا ہے اسی کی حدود میں رہو۔

بس کسی سے ایک فرمائش بھی مت کرو تاکہ یہ محسوس نہ ہو کہ اللہ والے چاہتے ہیں کہ ان کے چیلے چاپلوسی سے فرمائشیں کرتے پھریں۔ ایسا کرنے سے دین کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص عطا فرمائے، اللہ مل جانا ہی کیا کم ہے؟ پھر فرمائش کی کیا ضرورت ہے؟ جس کو اللہ مل گیا اس کو دونوں جہان مل گئے۔ میں کہتا ہوں اگر اس سفر میں ہمیں اللہ مل جائے اور دردِ دل مل جائے اور اللہ والی حیات مل جائے تو اس سے بڑھ کر کون سی بادشاہت ہے۔

میرے ساتھیوں کو یہ یقین کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سلطنت دے رہا ہے بلکہ سلطنت وتخت وتاج سے افضل چیز اللہ کی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے اور قبول فرمائے۔

۲۷؍رجب المرجب ۱۴۱۸؁ھ مطابق ۲۸؍نومبر ۱۹۹۷؁ء، بروز جمعہ، ۲؍بجے دوپہر، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشنِ اقبال کراچی

آخرت کی یاد دلانے والا ایک مضمون

ارشاد فرمایا کہ آج کل آخرت کی یاد دلانے کے لیے ایک عنوان اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے کہ دنیا سے مت چپکو اور اپنے گھر سے بھی مت چپکو کیونکہ اس

گھر سے ایک دن آپ کا خروج نہیں ہوگا اِخراج ہوگا، خروج تو جب ہو جب اپنی مرضی سے نکلو، جب روح کا خروج ہوگا تو گھر والے ہی تم کو گھر سے نکالیں گے، اس کا نام اِخراج ہے، خروج اور ہے اخراج اور ہے، خروج کے معنیٰ نکلنا اور اخراج کے معنیٰ نکالنا، بیوی بچے ہی کہیں گے کہ بابا کو جلدی قبرستان لے جاؤ لٰہذا دل کسی سے مت لگاؤ۔

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ ہر اعضاء کی غذا اللہ نے الگ رکھی ہے، کان کی غذا اچھی آواز ہے، آنکھ کی غذا اچھے نظارے ہیں، زبان کی غذا ذائقے دار کھانے ہیں، ناک کی غذا خوشبو ہے اور دل کی غذا محبت ہے۔ غذا ناقص ہوگی تو صحت خراب ہوجائے گی، اسی طرح اگر ناقص محبوب سے دل لگاؤ گے تو دل کی صحت خراب ہوجائے گی، دل بے چین رہے گا، اور سارے عالم کے محبوب ناقص ہیں کیونکہ ان سب کو موت آنی ہے، بیماری آنی ہے اور جب بیماری آتی ہے تو حسن کا جغرافیہ خراب ہوجاتا ہے تو یہ سب ناقص محبوب ہیں، بس حلال کی بیوی سے گذارا کرلو۔ جائز کاروبار، مکان، ماں باپ، بیوی بچے ان سب سے تو اللہ کے لیے محبت کرو لیکن اللہ کی محبت کو سب پر غالب رکھو، دنیا سے دل کو کاٹنے کا حکم نہیں ہے، بس دنیا کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو غالب رکھنے کا حکم ہے جیسے کشتی کے لیے پانی ضروری ہے مگر پانی نیچے رہے اور کشتی پانی کے اوپر رہے، اگر پانی کشتی میں داخل ہوجائے تو کشتی ڈوب جائے گی اسی طرح دنیا تو رکھو، مکان بھی ضروری ہے، کپڑا بھی ضروری ہے، کھانا بھی ضروری ہے مگر ان سب کو دل کے باہر رکھو، کاروبار بھی دل کے باہر اور کار بھی دل کے باہر، دل میں بس یار ہو یعنی اللہ دل میں ہو مگر اس کے لیے مشق ہے، زبانی جمع خرچ کافی نہیں ہے۔ اہل اللہ کی صحبت سے اس محبت کو غالب کرنا سیکھا جاتا ہے، اگر صحبت ضروری نہ ہوتی تو قرآن کافی ہوجاتا لیکن جب کتاب اللہ نازل ہوئی اس کے

ساتھ رجال اللہ یعنی انبیاء بھی اللہ نے پیدا کیے کہ کتاب تو نازل کردی لیکن کتاب پر عمل کرنے کی تربیت ہمارے پیغمبر دیں گے اور جب پیغمبر دنیا سے چلے گئے تو اللہ نے ان کے نائبین یعنی علماء اور اولیاء اللہ بھیجے جیسے صدر چلا جاتا ہے تو نائب صدر دستخط کرتا ہے۔

حسینوں کو دیکھنا بھی بت پرستی ہے

ارشاد فرمایا کہ ایک بات کہتا ہوں کہ جہاں دیکھنے سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوں ایسی صورتوں کو مت دیکھو چاہے کتنا ہی عمدہ ڈیزائن ہو اس کو فوراً ریزائن دو، ڈیزائن کو ریزائن کر دو تو اللہ تعالیٰ کے قرب کے خزائن برسیں گے اور اگر تم نے ان کے ڈیزائن کو دیکھا تو رام نرائن ہو جاؤ گے مطلب یہ کہ ان حسینوں کو دیکھنا بھی بت پرستی ہے۔ اس کو میں نے قرآنِ پاک سے ثابت کیا ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بت پوجنے سے پتھر کے بت پوجنا ہی مراد ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اپنی بری خواہش پر عمل کرتا ہے یہ بھی بت پرست ہے، غیر اللہ پرست ہے، اس نے لا الٰہ کا حق ادا نہیں کیا۔ اب یہ آیت دیکھئے:

﴿اَفَرَاَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ﴾

(سورۃُ الجاثیۃ، آیت: ۲۳)

اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے دیکھا کہ انہوں نے اپنی نفس کی خواہش کو الٰہ بنایا ہوا ہے، اپنا معبود بنایا ہوا ہے، نفس کی وہ خواہش جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو وہ الٰہ ہے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے نفس کی خواہش کو الٰہ بنایا ہوا ہے ان کو ہمارے حکم کا خیال ہی نہیں اور میرا حکم ان کو یاد بھی نہیں آتا یعنی یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ کا حکم جو قرآنِ پاک میں ہے، اس کو بھلا کر حسینوں کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے انتہائی انٹرنیشنل گدھا ہو جسے کچھ پتہ ہی نہیں کہ میں کس کا بندہ ہوں، کس کی زمین پر کھڑا ہوں اور کس

کے آسمان کے نیچے ہوں۔ اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ کیا یہ آیت میرے مدعا کو ثابت نہیں کررہی ہے کہ جولوگ اپنی خواہش کو خدا بنائے ہوئے ہیں یعنی جس طرح خدا کے حکم پر عمل کرنا چاہیے یہ اس طرح اپنی بری خواہشوں کی پیروی کرنے میں پاگل ہوجاتے ہیں، اُس وقت یہ ظالم اللہ کو یاد بھی نہیں کرتے اور یاد بھی کرتے ہیں تو اللہ کی محبت کو مغلوب اور معمولی رکھتے ہیں اور غلبہ اسی بت کا رہتا ہے کہ اسی کو دیکھتے رہتے ہیں بلکہ قصداً مولیٰ کو بھلا دیتے ہیں، بعض لوگ گناہ کرنے کے لیے، قصداً اللہ کو بھلانے کے لیے دماغ سے نکالتے ہیں کہ ابھی اس وقت خدا یاد نہ آئے تاکہ میں اس گناہ سے حرام مزہ لوٹ لوں اور تسبیح بھی جیب میں رکھ لیتے ہیں اور جلد توبہ بھی نہیں کرتے کہ ابھی تو اور ٹیڈیوں کو دیکھنا ہے، دیر سے توبہ کرتے ہیں، دیر سے توبہ کرنے والے کی چالاکی یہی ہے کہ ابھی کچھ اور حرام مزے لوٹ لو ورنہ توبہ کے بعد دوسرا گناہ کیسے کریں گے لہٰذا اللہ تعالیٰ کو دیر تک ناراض رکھنے پر یہ نالائق صابر ہے، یہ نفس پر صبر نہیں کرتا اپنے مولیٰ پر صبر کرلیتا ہے۔ صاحبِ قونیہ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے کہ صبرت نیست از فرزند و زن
صبر چوں داری ز ربّ ذوالمنن

تم کو اپنے بیوی بچوں پر صبر نہیں آتا اور احسان کرنے والا مولیٰ جس نے تم کو پیدا کیا اس کی جدائی پر صبر کرتے ہو۔ اور جس کے بیوی بچے نہیں ہیں وہ اپنے دوسرے مرغوبات کو سامنے رکھے، مولانا کا یہ شعر اس کے لیے کیسے مفید ہوگا جس کے پاس فرزند و زن نہیں ہے لہٰذا وہ اپنی ہری مرچ کو اور اپنے برف کے پانی اور دیگر مرغوباتِ طبعیہ کو سامنے رکھے کہ ان مرغوباتِ طبعیہ پر صبر نہیں تو اللہ پر کیسے صبر کرتے ہو۔

نفس کی جامع تعریف

کسی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ نفس کی تعریف کیا ہے؟ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ نفس کا تذکرہ ہے اور بزرگ بھی کہتے ہیں کہ نفس کی اتباع مت کرو تو یہ نفس ہے کیا چیز؟ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مرغوباتِ طبعیہ غیرِ شرعیہ یعنی طبیعت کی وہ رغبت، وہ خواہش جس پر عمل کرنے کی اللہ تعالیٰ کی اجازت نہ ہو اسی کا نام نفس ہے۔ اور شرح مشکاۃ میں ملا علی قاری محدثِ عظیم لکھتے ہیں کہ نفس نہ تو کثیف ہے نہ لطیف ہے، یہ روح اور جسم کے درمیان میں ہے، روح لطیف ہے اور جسم کثیف ہے ان کے درمیان میں نفس رہتا ہے، اگر نیک عمل کر لیے، روحانی اعمال کر لیے تو لطیف ہو جاتا ہے، روح جیسا ہو جاتا ہے اور اگر گناہ کر لیا تو جسم جیسا کثیف ہو جاتا ہے، اللہ کی فرمانبرداری سے نفس میں لطافت آجاتی ہے اور روح بھی ولی اللہ ہو جاتی ہے۔

نفس اور شیطان کی دُشمنی کا فرق

انسان کے دو دشمن ہیں، ایک نفس ایک شیطان، نفس داخلی دشمن ہے شیطان خارجی دشمن ہے۔ ان دونوں دشمنوں میں فرق کیا ہے؟ نفس وہ دشمن ہے جو اصلاح کے بعد ولی اللہ بھی ہو سکتا ہے لیکن شیطان وہ دشمن ہے جو مردودِ دائمی ہے، یہ کبھی ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ دونوں دشمنوں کا یہ فرق اللہ تعالیٰ نے میرے قلب کو عطا فرمایا، میں نے کتابوں میں کہیں نہیں دیکھا حالانکہ دونوں دشمن نصِ قطعی سے ہیں، دونوں دشمنوں کا ثبوت قرآنِ پاک اور حدیثِ پاک میں ہے لیکن دونوں دشمنوں میں فرق یہ ہے کہ تھوڑی سی محنت کر لو تو نفس ولی اللہ ہو جاتا ہے اور شیطان پر کتنی محنت کرو یہ کبھی ولی اللہ نہیں ہو سکتا یہ ہمیشہ مردود رہے گا، یہ فرق ہے دونوں دشمنوں میں۔

تو مشکاۃ شریف سے ملا علی قاری کی شرح ہوگئی کہ نفس متوسطہ ہے، بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجِسْمِ ہے یعنی روح لطیف ہے اور جسم کثیف ہے، اگر عمل اچھا ہوا تو اس میں لطافت آجاتی ہے یہاں تک کہ اسی نفس کے ساتھ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے یعنی ولی اللہ ہو گئے، عبادت یہ نفس ہی تو کرتا ہے، کام تو اسی ظالم سے لینا ہے، یہ تو مزدور ہے، گھوڑا ہے، اسی پر بیٹھ کر اللہ تک پہنچنا ہے، مگر ایسا گھوڑا جو سوار کو گرادے وہ منزل تک نہیں پہنچنے دیتا لہٰذا نفس کو اتنا مسٹنڈا مت کرو، اتنا مرغ و ماہی مت کھلاؤ کہ جس سے نفس تم پر سواری کرلے، سواری پر سوار ہونا چاہیے نہ کہ سواری ہی سوار پر سوار ہوجائے، تو جو نفس کی بات مانتا ہے اور اللہ کی نافرمانی کرتا ہے یہ دلیل ہے کہ نفس کی سواری اس پر سواری کر رہی ہے۔

اگر آپ گھوڑے پر جارہے ہیں اور دو ہزار گز گہری کھائی آگئی اور نیچے ہری ہری گھاس ہے، سبزہ اُگا ہوا ہے تو اگر آپ نے نہ روکا تو گھوڑا گھاس کے لالچ میں کھائی میں کود کر جان دے دے گا۔ یہاں سوال یہ ہے کہ اگر آپ روکتے ہیں تو چونکہ گھوڑا بھوکا ہے اور ہری گھاس کا عاشق ہے، لگام کھینچنے کے باوجود بے تابی سے کھائی میں کودنے کی کوشش کرے گا، سوار کو چاہیے کہ اس وقت پوری طاقت سے لگام کھینچے چاہے گھوڑے کا گال پھٹ جائے، اگر سوار پوری طاقت سے اسے روکنے کی کوشش نہیں کرے گا تو گھوڑا بھی مرے گا اور سوار بھی مرے گا لہٰذا ہمت سے کام لو اور لگام پوری قوت سے کھینچو، زیادہ سے زیادہ گھوڑے کا گال پھٹ جائے گا، اس کی اصلاح آسان ہے، مویشی کے ڈاکٹر کے یہاں لے جاؤ، وہ مرہم پٹی کردے گا، انجکشن وغیرہ لگادے گا لیکن اگر تم نے اس کے گالوں کی فکر کی تو تمہارا کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہوگا، تم ہلاک ہوجاؤ گے۔ تو جو لوگ گناہ میں نفس کی لگام ہلکی رکھتے ہیں وہ گناہ کر بیٹھتے ہیں اور اللہ کے قہر اور عذاب کے گڈھے میں نفس بھی گرتا ہے اور خود بھی گرتے ہیں لہٰذا

جسم کی فکر نہ کرو کہ گناہ چھوڑنے سے اس کو غم پہنچے گا بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے نام کی برکت سے اللہ تعالیٰ جسم کو صحت مند کر دیں گے۔ تو یہ مثال کیسی ہے، اب کوئی پاگل ہی ہوگا جو کہے گا کہ گھوڑے کو گھاس کھانے کے لیے کھائی میں کود جانے دو، عقلمند سوار گھوڑے کو پوری طاقت سے روکے گا۔ بس گناہ سے بچنے میں بھی دانت پیس کے پوری طاقت سے ارادہ کرلو کہ گناہ نہیں کرنا ہے۔

نہ دیکھیں گے نہ دیکھیں گے انہیں ہرگز نہ دیکھیں گے
کہ جن کے دیکھنے سے رب مرا ناراض ہوتا ہے
نہیں ناخوش کریں گے رب کو اے دل تیرے کہنے سے
اگر یہ جان جاتی ہے خوشی سے جان دے دیں گے

اور پھر یہ شعر پڑھیں۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نفس کی تیسری تعریف علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں بیان کی ہے:

((فَاِنَّ النَّفْسَ کُلَّھَا ظُلْمَۃٌ وَسِرَاجُھَا التَّوْفِیْقُ))

نفس ابتدا تا انتہا پورا پورا اندھیرا ہے اور نفس کے اندھیروں کے لیے روشنی کا چراغ کیا ہے؟ توفیق خداوندی۔ اور توفیق کی تین قسمیں ہیں: نمبر ا: تَسْھِیْلُ طَرِیْقِ الْخَیْرِ وَتَسْدِیْدُ طَرِیْقِ الشَّرِّ بھلائی اور نیکی کے راستے سامنے آجائیں اور برائیوں کے راستوں کو اللہ بند کردے۔ نمبر ۲: تَوْجِیْہُ الْاَسْبَابِ نَحْوَ الْمَطْلُوْبِ الْخَیْرِ بھلائی اور نیکی کے اسباب سامنے آجائیں جیسے کوئی مصیبت آگئی اب کسی اللہ کے ولی سے دعا کرانے گیا اور وہاں اس کا دل لگ گیا اور اس کی صحبت سے ولی اللہ ہو گیا تو یہ مصیبت جو کسی اللہ والے تک لے گئی یہ اس کے لیے مصیبت نہیں نعمت ہے جس نے اسے اللہ سے ملا دیا۔

آپ تک لائی جو موجِ رنج و غم
اُس پہ قرباں سینکڑوں ساحل ہوئے
دردِ عشقِ حق بھی تم حاصل کرو
لاکھ تم عالم ہوئے فاضل ہوئے
اخترِؔ بسمل کی تم باتیں سنو
جی اٹھو گے تم اگر بسمل ہوئے

مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

بر سر مقطوع اگر صد خندق است
پیشِ دردِ او مزاح مطلق است

اللہ کے عشق سے جن کی روح بسمل ہوئی وہ مجاہدات سے نہیں ڈرتے، جس مرغ کی گردن کاٹ دی گئی ہو اور اس کے سامنے سینکڑوں خندقیں ہوں تو وہ بھی اس مرغ کے درد کے سامنے کچھ نہیں ہیں۔ جب اللہ کی محبت دل میں آجاتی ہے تو پھر نافرمانی کی جتنی بھی خندقیں ہیں سب اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، وہ ہر وقت اللہ کو راضی کرتا ہے، جب تک اللہ کو راضی کرنے کا جذبہ عطا نہ ہو تو ایسا شخص مٹی کا ڈھیلا ہے کیونکہ یہ ڈِھیلا ہے۔ واہ! یہ حکیم الامت کا جملہ ہے کہ جو ڈِھیلا ہے تو سمجھ لو کہ یہ مٹی کا ڈھیلا ہے۔

اور توفیق کی تیسری تعریف ہے خَلْقُ الْقُدْرَۃِ عَلَی الطَّاعَۃِ اللہ عبادت کی طاقت پیدا کردے اور سستی اور کاہلی دور کردے یعنی فرمانبرداری کی طاقت دے، پست ہمتی، ضعف ہمتی اور لومڑیت ختم ہوجائے۔

اللہ کے راستے میں شیرانہ چال چلو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! جب تک تم

لومڑی رہو گے تم کو استقامت نصیب نہیں ہوگی، لومڑی بے وفا ہوتی ہے، وقت پر راہِ فرار اختیار کرتی ہے، جب مصیبت آتی ہے یا جب شکاری شکار کے لیے کہتا ہے تو وہ کھِنے لگتی ہے لہٰذا وَلَا یَرُوْغُ رَوْغَانَ الثَّعَالِبِ لومڑیوں کی طرح اللہ کے راستے میں مت چلو، شیرانہ چلو، مالک کی مرضی پر جان دینا سیکھو، یہ کیا کہ ذرا سانمک سامنے آیا اور پاگل ہو گئے، تم کیوں پاگل ہوتے ہو؟ تمہیں اس وقت خدا یاد نہیں رہتا؟ ابھی کوئی غنڈہ تمہیں دس جوتے مار دے اس وقت تمہیں کیوں ہوش آجاتا ہے، ایک جوتا کس کے پڑے تو وہاں سے بلبلا کر بھاگو گے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجھ میں نظر بچانے کی ہمت نہیں ہے، صاحب میں حسینوں کو دیکھ کر پاگل ہو جاتا ہوں لیکن سوچ لو کہ ایک بس اسٹاپ پر کوئی شخص کسی لڑکے یا لڑکی کو دیکھ رہا ہے اچانک وہاں کالا سانپ نکل آیا، اب کیوں دُم دبا کے بھاگتے ہو؟ تو معلوم ہوا کہ سانپ کا خوف ہے کیونکہ جان کی محبت ہے، جب اللہ کی محبت ہوگی تو ان شاء اللہ تعالیٰ گناہ سے اسی طرح بھاگو گے اور روؤ گے کہ اے خدا ہمیں لومڑیانہ مزاج سے نجات عطا فرما، ہم ایک لمحہ بھی آپ کو ناراض کرنے سے پناہ چاہتے ہیں، پھر ان شاء اللہ زندگی میں زندگی آجائے گی، جو زندگی خالقِ زندگی پر فدا ہوتی ہے اس کی زندگی پر بے شمار زندگی برستی ہے اور جو خالقِ حیات کو ناراض کر کے حرام لذتِ حیات کو درآمد کرتا ہے اس کی حیات پر بے شمار موت برستی ہے۔ کسی کے جسم کے لباس کو مت دیکھو، اس کے منہ میں کباب کو مت دیکھو، جو گناہوں میں مبتلاء ہے اس کے منہ میں کباب ہے لیکن دل پر عذاب ہے، اس نے چین کا خواب بھی نہیں دیکھا۔ اس وقت پوری دنیا بے چین ہے، جو حسینوں کو دیکھتا ہے اسی وقت اس کے قلب پر عذاب آتا ہے، جیسے ہی وہ گناہ کی طرف ایک اعشاریہ (زیرو پوائنٹ) آگے بڑھا تو گناہ کا نقطۂ آغاز اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔

پُرلطف حیات پانے اور مُعذب حیات سے بچنے کا نسخہ

دیکھئے! فرمانبرداروں کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَنُحۡیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً﴾

(سورۃُ النحل، آیت:۹۷)

جو ہم کو ایمان و اعمالِ صالحہ سے خوش رکھتے ہیں ہم ضرور بالضرور ان کو بالطف زندگی دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی طرف نسبت کی اور واحد نہیں فرمایا کہ ''میں دوں گا'' بلکہ فرمایا کہ ''ہم دیں گے'' کیونکہ قرآنِ پاک شاہانہ کلام ہے، بادشاہ کبھی ''میں'' نہیں کہے گا، وہ کہے گا کہ ہم یہ کریں گے، ہمارا حکم یہ ہے، ہم نے یہ نازل کیا، ہم نے یہ حکم نافذ کیا، اگر اس نے ''میں'' کہا تو سمجھ لو کہ یہ بادشاہ نہیں ہے، اسے اچانک کہیں سے بادشاہت مل گئی ہے، خاندانی بادشاہت نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ جو مٹی کے انسانوں کو سلطانیت بخشتا ہے اس کا مزاجِ سلطانیت کیسا ہوگا لہٰذا فَلَنُحۡیِیَنَّہٗ جمع نازل فرمایا کہ ہم ضرور بالضرور حَیٰوۃً طَیِّبَۃً دیں گے۔ اور جو میری نافرمانی کر کے حرام لذت چرائے گا، نمک چور، کام چور نوالہ حاضر، دسترخوان پر فوراً بیٹھے گا اور نماز میں سستی کرتا ہے اس کے لیے فرمایا:

﴿فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا﴾

(سورۃُ الجاثیۃ، آیت:۱۲۴)

یہاں یہ نہیں فرمایا کہ ہم ضرور بالضرور ان کی زندگی تلخ کر دیں گے بلکہ فرمایا کہ ان کی زندگی تلخ کر دی جائے گی، یہ شاہانہ کلام ہے، اس میں عظمتِ الٰہی ہے کہ جو سارے عالم کو شکر دیتا ہے وہ کڑوی بات کی نسبت اپنی طرف نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اختر کو یہ علمِ عظیم عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں زندگی کو کڑوی کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں کی، یہ عظمتِ کلامِ شاہی ہے جیسے ابا اگر عظیم الشان ہے تو بچوں سے یہ نہیں کہے گا میں ڈنڈے ماروں گا بلکہ یہ کہے گا کہ اگر تم نے

نافرمانی کی تو تمہاری پٹائی کی جائے گی، تمہیں ڈنڈے مارے جائیں گے۔

تو نفس کی تین تعریفیں یاد کرلو۔ پہلی تعریف حکیم الامت کی ہے یعنی مرغوباتِ طبعیہ غیرِ شرعیہ یعنی نفس کی وہ خواہشات جن پر عمل کرنے کی اللہ نے اجازت نہ دی ہو۔ دوسری ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اَلنَّفْسُ مُتَوَسِّطَۃٌ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجِسْمِ نفس جسم اور روح کے درمیان میں ہے، نہ کثیف ہے نہ لطیف ہے، انسان نیک عمل کرتا ہے تو نفس لطیف ہوجاتا ہے اور گناہ کرتا ہے تو کثیف ہوجاتا ہے، نیک عمل سے روحانیت بڑھے گی، گناہ کرنے سے کثافت بڑھے گی۔ اور تیسری تعریف علامہ آلوسی کی کہ نفس از ابتدا تا انتہا اندھیرا ہے اس کا چراغ توفیقِ خداوندی ہے۔

تو نفس کی تین قسمیں ابھی پیش کردیں۔ اب اختر کی تعریف سنئے! میں نے بھی نفس کی تعریف کی ہے مگر میری تعریف ذرا انگلش کی ہے کیونکہ یہ میں نے لندن اور امریکہ میں پیش کی تھی جب لوگوں نے پوچھا تھا کہ نفس کیا ہے؟ نفس کا مزاج کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ نفس کا مزاج ہے انٹرنیشنل پنچنگ ماسٹر یعنی گناہ کرنے سے جس کا پیٹ کبھی نہ بھرے، جو دوزخ کا مزاج ہے وہی نفس کا مزاج ہے۔

نفس کا مزاج دوزخ کا سا ہے

دوزخ میں سارے دوزخی ڈال کے اللہ پوچھے گا کہ تیرا پیٹ بھر گیا؟ هَلِ امْتَلَئْتِ وہ کہے گی هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ اے اللہ کیا اور بھی کچھ مال ہے؟ اللہ تعالیٰ بے گناہوں کو دوزخ میں تھوڑی ڈالیں گے لہٰذا دوزخ پر اپنا قدم رکھیں گے یعنی اپنی ایک خاص تجلی نازل کریں گے تب دوزخ کہے گی قَطْ قَطْ قَطْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَطْ قَطْ یعنی بس بس بس اے خدا میرا پیٹ بھر گیا۔ ایک روایت میں دو دفعہ ہے اور ایک روایت میں تین دفعہ ہے۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا تو جسم سے پاک ہے وہ دوزخ پر اپنا قدم کیسے رکھیں گے؟ لیکن حدیث پاک میں ہے فَلَمَّا یَضَعُ قَدَمَهٗ جب اللہ اپنا قدم رکھے گا تب دوزخ کا پیٹ بھرے گا تو علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ یہاں قدم سے مراد خاص تجلّی ہے۔ ایسے ہی جب انسان اللہ والوں کے پاس رہتا ہے، اللہ اللہ کرتا ہے تو اس کے نفس پر اللہ تعالیٰ کی تجلی بِبَرَکَۃِ ذِکْرِ اللّٰہِ نازل ہوتی ہے پھر اس کے نفس کا پیٹ بھر جاتا ہے، پھر گناہ کے تقاضے مغلوب ہوجاتے ہیں۔ اس پر اختر کا شعر ہے ؎

وہ مالک ہے جہاں چاہے تجلی اپنی دکھلائے
نہیں مخصوص ہے اس کی تجلی طورِ سینا سے

حکیم الامت نے فرمایا کہ ساری دنیا کی حسینوں سے کوئی بدنظری کرلے پھر اس کے کان میں کوئی کہے کہ ابھی ایک حسین باقی ہے تو وہ کہے گا کہ وہ بھی دکھادو۔ تو نفس کا مزاج یہ ہے، نفس کی خواہش قبر کی مٹی ہی ختم کرے گی، جب مٹی میں دفن کیا جائے گا تو مٹی ہی اس کا پیٹ بھرے گی لیکن اللہ والوں کا مزاج دنیا ہی میں اللہ کی تجلیات اور اللہ کے انوار و برکات سے بدل جاتا ہے ؎

اُف کتنا ہے تاریک گنہگار کا عالم
انوار سے معمور ہے ابرار کا عالم

اِنسان کا مقصدِ حیات کیا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ دیکھو! ایک ریل جارہی ہے، اس ریل میں ہتھکڑی لگے ہوئے مجرمین بھی ہیں اور اسی ریل کے فرسٹ کلاس میں وزیر اعظم بھی جارہا ہے تو دنیا بھی ایک مسافر خانہ ہے، اسی دنیا میں پیغمبران اور اولیاء بھی رہتے ہیں اور اسی دنیا میں ایک سے ایک خبیث الطبع بدمعاش بھی ہے، یہ دنیا بھی ریل ہے جو خاموش سے چل رہی ہے، سورج چاند سیارات سب چل رہے ہیں مگر کسی کو

احساس نہیں ہے۔

جنہوں نے امپورٹ ایکسپورٹ آفس کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھا ہے کہ کھائے جا، گو بنائے جا، یہ لوگ نہیں جانتے کہ ہم کس لیے پیدا ہوئے، رات کو امپورٹ کیا، صبح لیٹرین میں ایکسپورٹ کیا، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب کے سب امپورٹ ایکسپورٹ آفیسر ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تم کو امپورٹ ایکسپورٹ آفیسر نہیں بنایا میں نے تم کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، یہ جو کھاتے پیتے ہو یہ وسیلۂ حیات ہے لیکن مقصدِ حیات میری عبادت ہے، تم نے وسائل کو مقاصد سمجھ لیا، کپڑا مقصدِ حیات نہیں ہے وسیلۂ حیات ہے، مکان بنانا وسیلۂ حیات ہے، روٹی کا انتظام کرنا وسیلۂ حیات ہے اور مقصدِ حیات اللہ کی فرمانبرداری پر جان دینا ہے۔ اور فرمانبرداری دو قسم کی ہے، ایک تو اللہ پاک جس سے خوش ہوں اس کام کو کرو اور جس سے ناخوش ہوں اس کام سے بچو، جن باتوں سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتے ہیں ان سے نہ بچنا جرمِ محبت ہے، غداری ہے، وفاداری نہیں ہے۔ کیا وفاداری کے یہ معنیٰ ہیں کہ اپنے محبوب کو صرف خوش کرو اور اس کی ناخوشی سے نہ بچو؟ ایک ہی تار سے روشنی چاہتے ہو، اگر منفی اور مثبت دونوں تار نہ ہوں تو بجلی کا بلب نہیں جلتا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان کی روشنی کے لیے دو تار دیئے ہیں، نماز روزہ اور دیگر عبادات یہ مثبت تار ہے اور گناہ سے بچنا، حسین لڑکوں اور لڑکیوں سے سے بچنا، غیبت سے بچنا یہ منفی یعنی مائنس تار ہے، دونوں تاروں پر عمل کرو پھر بھول جاؤ گے ان سب مرنے والے حسینوں کی لاشوں کو۔

عشقِ مجازی سے بچنے کا ایک عجیب و غریب مراقبہ

جمعہ کو میں نے بیان کیا تھا کہ جن لوگوں کو حسینوں سے عشق بازی

لڑاتے ہوئے ایک زمانہ ہوگیا مگر ابھی تک سچی توبہ نہیں کی، کبھی کبھی چوری چھپے کچھ حرام لذت کی امپورٹنگ کی عادت پڑی ہوئی ہے تو میں نے کہا کہ دیکھ لو حسینوں کا انجام۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک جغرافیہ، ایک فیچر عطا فرمایا کہ پورے عالم سے زیادہ نہیں صرف سو حسین منتخب کیے جائیں، پچاس حسین لڑکیاں پچاس حسین لڑکے۔ شیطان تو ان کے گوموت کا سارا اسسٹم چھپا دیتا ہے اس لیے لوگ ان کے حسن پر پاگل ہو رہے ہیں، ان پر پاگل ہونے والے بھی گوخور ہیں، جو حسینوں کے پیشاب پاخانے کے مقامات سے مستفید ہونا چاہتا ہے۔ آپ خود سوچئے کہ اس شخص کا کیا مقام ہے اور یہ شخص کس قدر نمک حرام ہے۔ بتاؤ اگر اسے دس دن کھانا نہ ملے تو دیکھنے کی طاقت رہے گی؟ تو جس کا نمک کھاتے ہو اس کی مرضی کے خلاف کیوں چلتے ہو؟

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دمشق میں حسن پرستی عام ہوگئی تھی، ہر آدمی ایک ایک معشوق لیے چمّا چاٹی کر رہا تھا، اللہ کا غضب نازل ہوا، بارش روک دی، غلہ ختم ہوگیا، جب پندرہ دن کھانا نہیں ملا تو لوگوں نے ان عاشقوں سے پوچھا کہ میں اس وقت آپ کے لیے روٹی لاؤں یا آپ کا معشوق لاؤں؟ تو سب نے کہا کہ معشوقوں کے گالوں پر جھاڑو پھیرو، روٹی لاؤ، مجھے تو اتنی بھوک لگی ہوئی ہے کہ اب آنکھ سے نظر بھی نہیں آ رہا۔ اس پر سعدی شیرازی نے فرمایا۔

چناں قحط سالی شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

دمشق میں ایسی قحط سالی ہوئی کہ یاروں نے عشق بازی بھلا دی۔ یاد رکھو! جوتوں کا انتظار مت کرو، جلد توبہ کرو، واللہ! اللہ کا عذاب جب آئے گا تو اس کے مقابلے میں جوتے کچھ نہیں، ایسا عذاب آتا ہے کہ بس کچھ نہ پوچھو، بڑے بڑے

صحت مندوں کو میں نے دیکھا کہ سوکھ کے کانٹا ہوگئے، چار پائی سے لگ گئے۔

((اُذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى فِى الرَّخَآءِ يَذْكُرْكُمْ فِى الشِّدَّةِ))

(تفسیر روح المعانی تحت سورۃ الحج)

تم عافیت میں اللہ کو یاد کرو، دکھ میں اللہ تعالیٰ تم کو یاد کریں گے، ابھی غنیمت ہے سکھ میں اللہ کو یاد کرلو قبل اس کے کہ تمہاری آنکھیں نابینا ہوجائیں، قبل اس کے کہ تمہارے معدے میں کینسر پیدا ہوجائے، قبل اس کے کہ تمہارے گردوں میں پتھریاں ہوجائیں، قبل اس کے کہ تمہارے پیشاب روک دیئے جائیں، تم پر فالج گرجائے، تمہارے منہ پر لقوہ گرجائے اور تمہارے آنکھوں میں موتیا اُتر جائے، موتیا ایک کالا پانی ہوتا ہے پھر نظر بھی نہیں آتا، اُس وقت نہ دیکھنے کا کوئی ثواب ملے گا؟

تو میں فیچر پیش کررہا تھا کہ دنیا کے پچاس حسین لڑکے لو جن کی ڈاڑھی مونچھ نہ ہو اور پچاس لڑکیاں لو جو دنیا میں حسن میں اوّل نمبر آئی ہوں اور ایک ہزار مربع گز کے پلاٹ میں ان کو مقفل کردیا جائے تو جن حسین لڑکیوں پر، جن حسین لڑکوں پر تم ایمان ضائع کرتے ہو زندگی ضائع کرتے ہو اپنی مٹی کو مٹی کے کھلونوں پر مٹی کرتے ہو یہ تمہارے کچھ کام نہیں آئیں گے، ابھی تمہارے گردے میں کینسر ہوجائے یا بلڈ کینسر ہوجائے یا پھیپھڑوں میں کینسر ہوجائے اور ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوجاؤ تو بتاؤ کوئی حسین یا حسینہ کام آئے گی؟ ہے کسی لیلیٰ کے اختیار میں ہماری شفاء اور صحت اور رزق کی برکت اور سلامتی؟ جیسے فقیر مانگتا ہے کہ اللہ کے نام پر روٹی دو اور ایک بیوقوف اسی فقیر سے کہتا ہے کہ مجھے دو روٹی دو تو فقیروں سے کیا مانگتے ہو؟ حسینوں کا حسن تو اللہ تعالیٰ کی بھیک ہے، جس نے ان کو حسن دیا ہے اس سے تعلق قائم کرو، بھیک منگوں سے کچھ مت مانگو، بھیک منگوں سے بھیک مانگنے والا ایسا ہے جیسے ایک اندھا دوسرے اندھے کی

لاٹھی پکڑ لے کہ بھئی سہارا دو تو دونوں گریں گے یا نہیں؟

اسی لیے میں اس فانی حسن کی حقیقت کا ایک فیچر پیش کر رہا ہوں کہ فرض کرلو ایک ہزار مربع گز کا احاطہ ہو اور پچاس حسین لڑکیاں جو دنیا میں حسن میں اوّل آئی ہیں اور پچاس حسین لڑکے جن کے ڈاڑھی مونچھ نہیں ہے اور بلا کے حسین ہیں، ان حسینوں کے لیے چھوٹے چھوٹے سو خیمے لگا دیئے گئے اور ان کے عاشقین نے ان کے لیے اعلیٰ درجے کی بریانی کباب کا انتظام کر دیا، اب ہر وقت دیگیں چڑھی ہوئی ہیں اور یہ حسین ایک ہزار مربع گز احاطہ میں مقید ہیں اور تالا بند ہے تاکہ باہر نہ نکل سکیں اور دیوار بھی ایسی اونچی ہے کہ اس سے کود کر باہر نہ نکل سکیں۔ اب کھانے کا انتظام تو اعلیٰ سے اعلیٰ ہے مگر بیت الخلا نہیں ہے۔ تمام حسین خوب بریانی کباب کھا کر اس بڑے رہائشی احاطے کے گوشوں اور کناروں میں جا جا کے رات کو اندھیرے میں پاخانہ کریں گے، لازمی ہے کہ جب کھائیں گے تو ہگیں گے بھی، جب امپورٹ ہوگا تو ایکسپورٹ بھی ضروری ہے، درآمد ہوگی تو برآمد بھی ضروری ہے۔ اب رات کو جب بریانی کھائیں گے تو جب صبح تقاضا ہوگا تو بیچارے ہگنے کی جگہ تلاش کریں گے، ادھر ادھر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا یہاں عاشقوں نے بیت الخلاء تو بنایا ہی نہیں، اب جگہ جگہ ہگ رہے ہیں۔ جب وہاں روزانہ سو آدمیوں کا گو جمع ہوگا تو جب عاشق لوگ وہاں جائیں گے تو معلوم ہوگا کہ بد بو خانہ ہے، ہر جگہ ایک ایک فٹ پر پاخانے کا ایک ڈھیر لگا ہوا ہے اور دو چار مہینے کے بعد ایک دن ایسا آئے گا کہ ہگنے کے لیے کوئی زمین ہی نہیں رہے گی، گو پر گو اور پاخانے پر پاخانہ کریں گے، کوئی زمین خالی نہیں ملے گی، پھر عاشق لوگ وہاں سانس لے سکتے ہیں؟ ایسی بدبو آئے گی کہ پھر حسینوں کا انجام معلوم ہوگا کہ پیٹ میں یہ سب بھرا ہوا ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ ان مرنے والوں پر اپنی آخرت مت خراب کرو۔ خواجہ صاحب کو اللہ

جزائے خیر دے، فرماتے ہیں ؎

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پر مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

اچھا یہ تو موجودہ فیچر ہے کہ ایک ہزار مربع گز میں سب حسینوں کا گو نظر آیا، ناک بند کرو گے تب بھی بد بو گھس جائے گی لیکن اس کے بعد ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ سب کا جغرافیہ بدلا ہوا ہوگا، ہر پانچ سال کے بعد حسن کے جغرافیہ میں تبدیلی آتی ہے، پانچ سال کے بعد حکومت بدلتی ہے یا نہیں؟ پانچ سال کے بعد حسینوں کے حسن کی حکومت بھی بدلتی ہے، کچھ نہ کچھ فرق آجائے گا اور پندرہ سال کے بعد بیس سال کے لڑکے لڑکیاں چالیس سال کے ہو جائیں گے، اب وہی لڑکا سات بچوں کا دادا اور نانا بن جائے گا اور لڑکی بھی سات بچوں کی نانی بن جائے گی اور جن پر جان و مال قربان کرتے تھے ان کو دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہے گا۔

ایک مرتبہ لندن کی سڑک پر چلتی موٹر میں میر صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

کمر جھک کے مثل کمانی ہوئی
کوئی نانا ہوا کوئی نانی ہوئی

تو ایک صاحب زور سے چیخ مار کر روئے، میں نے پوچھا کہ بھئی آپ چیخ مار کر کیوں روئے؟ انہوں نے کہا کہ میں بچپن میں بہت حسین تھا اور اب گیارہ بچوں کا نانا ہوں تو میں اپنے جغرافیے پر رو رہا ہوں کہ اب کوئی سلام کرنے بھی نہیں آتا۔

عشقِ مجازی کا انجام ذلت و رسوائی ہے

مسلمان کو اسلام پھیلانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے، خالی مسلمانی کرانے سے تھوڑی مسلمان ہوتا ہے کہ بس سنت ادا ہوگئی۔ بھئی مسلمانی کی حفاظت بھی کرو تا کہ تمہارا اسلام محفوظ رہے۔ بتاؤ! اسلام میں سلامتی ہے یا

نہیں؟ تو اپنے کو ہر برائی سے سلامت رکھو اور اللہ کی مخلوق کی آبرو بھی مت ضایع کرو۔ جولوگ کسی حسین کو یوز (Use) کرتے ہیں تو اس کو ذلیل کرتے ہیں یا نہیں؟

اب ایک فیچر اور سن لو! ایک عاشق نے ایک معشوق کے حسن سے متاثر ہو کر اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور عاشق صاحب رو بھی رہے ہیں، آخر میں وہ بے قوف حسین پھنس گیا اور عاشق صاحب نے اس کے ساتھ بد فعلی کر لی، اس کے بعد اس معشوق نے کہا کہ آپ نے تو میرے قدموں میں سر رکھا تھا، کیا حسینوں کا یہی اکرام ہے کہ ان کے ساتھ بد فعلی کی جائے، آج آپ نے مجھ کو کیا بنا دیا۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ حسن و عشق کی دنیا والے نہایت احمق اور پاگل ہیں۔

دُنیاوی معشوقوں کی بے وَفائی کا حال

ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں علی گڑھ یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا تو ریل میں بیٹھا تھا اور بی اے، ایم اے کے دوسرے اسٹوڈنٹ بھی تھے، تو سب نے ایک دوسرے سے کہا آج سب اپنے اپنے معشوق کی وفاداری پیش کریں۔ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے خود سنا کہ ہر ایک نے اپنے اپنے معشوقوں کی بے وفائیاں پیش کیں کہ یہ بڑے طوطا چشم ہوتے ہیں، کوئی زیادہ پیسہ دیتا ہے تو پہلے عاشق کو چھوڑ کر ان کی گود میں پہنچ جاتے ہیں یہاں تک کہ معشوقوں نے دوسرے عاشق سے پھنسنے کے لیے پہلے عاشق کو زہر تک کھلوا دیا۔ اس لیے مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ۔

مار ڈالا تماش بینوں نے
زہر کِھلوا دیا حسینوں نے

یہ شعر اتنے بڑے اللہ والے سے میں نے بارہا سنا کہ جب دوسرے عاشق نے زیادہ رقم دِکھائی اور کہا کہ پہلے عاشق سے کیسے نجات پاؤ گے تو معشوق نے کہا کہ

میں زہر دلوا دیتا ہوں، ہوٹل کے بیرے سے کہوں گا کہ لے دس ہزار روپیہ اس کی چائے کی پیالی میں سنکھیا ملا دے۔

تو ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ جب میری باری آئی تو انہوں نے مجھ سے بھی پوچھا، اُس وقت ڈاکٹر صاحب کا لقب عارف باللہ تھوڑی تھا، اس وقت کالج کی زندگی تھی، ڈاکٹر بھی نہیں تھے، تو لڑکوں نے ڈاکٹر صاحب کا نام لے کر کہا کہ آپ کا معشوق باوفا ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ سب لوگوں نے کہا کہ سب کے معشوق بے وفا ہیں، ان کا کوئی بھروسہ نہیں، آج ہماری گود میں کل دوسرے کی گود میں اور کبھی زہر کھلوا کے ہمیں مار ڈالیں گے اور دوسروں کی گود میں چلے جائیں گے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میرا معشوق تو بہت باوفا ہے، اب سب کو حیرت ہوئی، سب نے کہا کہ صاحب بتائیے! آپ کا معشوق کیسے باوفا ہے؟ تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میرا معشوق تجارت ہے، میں تجارت کروں گا اور جب پیسہ میرے ہاتھ میں ہوگا تو جس لڑکی سے چاہوں گا شادی کرلوں گا، جب خوب مال ہوگا، پیسہ ہوگا تو لڑکیوں کے ماں باپ مجھ کو سلیکٹ کرنے کے لیے میری خوشامد کریں گے، میرے سامنے ہاتھ جوڑیں گے کہ آپ میری لڑکی سے شادی کر لیجئے لہٰذا میرا معشوق تجارت ہے اور تجارت بہت وفادار چیز ہے۔

حسن وعشق کی دُنیا کی بے چینیاں

اگر کسی کے پاس پیسہ نہیں ہے صرف عشق ہے، کسی حسین پر عاشق ہے اور اس نے اس کے والدین سے کہا کہ مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیجئے کیونکہ میں آپ کی بیٹی کا عاشق ہوں تو وہ کہیں گے کہ آپ کے پاس مکان ہے؟ آپ کہیں گے کہ مکان تو نہیں ہے، وہ کہیں گے روٹی کپڑے کا انتظام ہے؟ آپ

کہیں گے کہ روٹی کپڑا ابھی نہیں ہے، تو وہ کہیں گے کہ روٹی، کپڑا اور مکان یہ تین چیزیں تو بہت ضروری ہیں۔ تب آپ کہیں گے کہ میرے پاس یہ تینوں چیزیں نہیں ہے مگر میرے پاس ایک بہت قیمتی چیز ہے، میرے پاس آہ وفغاں ہے، اختر شماری ہے، میں رات بھر جاگتا ہوں، تارے گنتا ہوں، تمہاری بیٹی کے لیے اختر شماری، بے قراری، آہ وزاری، اشکباری کرتا ہوں، کیا تمہارے یہاں ان سب چیزوں کی کوئی قدر نہیں ہے؟ کیا میرے آنسوؤں کی تمہارے پاس کوئی قیمت نہیں ہے؟ میں جو رات بھر آہ کرتا ہوں، اس کی کوئی قیمت نہیں ہے؟ تو باپ کہے گا کہ ان چیزوں سے میری بیٹی کا پیٹ نہیں بھرے گا، آپ بے شک روتے رہو، اختر شماری، بے قراری، آہ وزاری کرتے رہو، آپ کی اشکباری سے کھانا تو نہیں ملے گا، کپڑا تو نہیں ملے گا۔ یہ حسن وعشق کی دنیا دیکھئے! یہاں سب کچھ ہے، بے چینیاں، تڑپنا مگر کچھ کام نہیں آتا، اللہ حلال روزی دے تو جہاں بھی پیغام دو گے تو وہ اللہ کا شکر ادا کریں گے، باقی کسی کو کچھ نہیں ملتا۔

لہٰذا تم لیلاؤں کے چکر میں نہ رہو، تمہارے لیے مولیٰ کافی ہے، کیا آپ لوگوں نے قرآنِ پاک میں نہیں پڑھا:

﴿اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ﴾

(سورۃ الزمر، آیت:۳۶)

کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ بس اس آیت کا مراقبہ کرو اور اپنے مولیٰ ہی سے دل لگاؤ، اللہ ہمارے لیے کافی ہے، وہ ہم کو خوش رکھنے پر بھی قادر ہے۔

۶/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ مطابق ۹/جولائی ۲۰۰۰ء، بروز اتوار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں۔ ان کی شادی حضرت

مغیث رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ وہ ایک باندی تھیں ان کے آقا نے انہیں آزاد کر دیا تو حضرت بریرہ نے کہا کہ اب میں آزاد ہو چکی ہوں، میں حضرت مغیث رضی اللہ عنہ، کو چھوڑتی ہوں کیونکہ مجھ کو ان سے مناسبت نہیں ہے اور آزادی کے بعد خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم حق دیتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دیں، لہٰذا میں اپنا حق استعمال کرتی ہوں۔ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے اتنے آنسو بہے کہ ڈاڑھی بھیگ گئی اور مدینہ شریف کی گلیوں میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی یاد میں رویا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے ارشاد فرمایا کہ مغیث تمہاری وجہ سے بہت غمگین ہے تم اس کو نہ چھوڑو اس پر رحم کرو۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کا مشورہ ہے یا حکم ہے؟ فرمایا کہ یہ مشورہ ہے، میرا حکم نہیں ہے۔ مشورہ اُمت کے لیے واجب العمل نہیں ہے۔ اللہ نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم چاہو تو اپنے شوہر کو باقی رکھو یا چھوڑ دو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کے باوجود حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے نکاح کو فسخ کیا، آزادی لی اور جان چھڑا لی۔ بظاہر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی لیکن درحقیقت خلاف ورزی نہیں کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرما دیا کہ یہ مشورہ ہے جو واجب العمل نہیں، لہٰذا اس حدیث کو سامنے رکھنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ تھا کہ حضرت مغیث پر رحم کرو جو مدینہ کی گلیوں میں روتے پھر رہے ہیں، لیکن انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ کا حکم ہو تو جان دے دوں گی اور آپ کا حکم بجا لاؤں گی، لیکن یہ مشورہ ہے جس پر عمل کرنا واجب نہیں۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ مشورہ واجب العمل نہیں ہوتا۔

امیر المؤمنین کا مشورہ کرنے کی سنت پر عمل کر کے اپنی صوابدید پر عمل کرنا

یہ بڑے بوڑھوں کے کان کھڑے کرنے والے مضامین ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ مشورہ پر عمل کرنا واجب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ کو مشورہ دیا لیکن ان میں مشورہ پر عمل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، مشورہ پر عمل نہیں کرتے، لہٰذا میں ان کی صحبت میں نہیں جاتا۔ حالانکہ مشورہ پر عمل واجب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ﴾

(سورۂ اٰل عمران، آیت:۱۵۹)

اے نبی! آپ صحابہ سے مشورہ کرلیں مگر جب عزم کرلیا تو اللہ پر بھروسہ کیجیے۔ یعنی توکلاً علی اللہ اپنے عزم پر عمل کریں خواہ مشورہ کے خلاف ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ مانگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اس وقت جہاد کا موقع نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا ہے اور نبی کے انتقال سے ہمارے دل پاش پاش ہیں، اس وقت ہم جہاد کے اہل نہیں ہیں۔ اگر آپ کو مدینہ شریف کی عورتوں کو بیوہ کر کے اُن کو خطرے میں ڈالنا ہو تو آپ جہاد کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں امیر المؤمنین ہوں، میں تنہا اللہ کے راستے میں جنگ لڑنے کا مکلف ہوں۔ امیر المؤمنین پر فرض ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں مشورہ کرنے کی سنت پر عمل تو کرے لیکن فَإِذَا عَزَمْتَ الخ جب عزم کر لے تو اللہ کے بھروسہ پر اپنی صوابدید پر عمل کرے اور کسی کے مشورہ کی پرواہ نہ کرے، لہٰذا میں اکیلے جہاد کروں گا اور جان

دے دوں گا۔ صدیق کی جان اور نبی کی جان ایک ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس عزم مصمم کے بعد تمام صحابہ کو شرح صدر ہو گیا اور سب نے عرض کیا کہ ہم آپ کے ساتھ مل کر جہاد لڑیں گے۔

شہادت کے درجے سے صدیقیت کا درجہ افضل ہے

جنگِ اُحد میں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ کے دندان مبارک سے خون بہتا ہوا دیکھا تو بے چین ہو گئے اور کافروں طرف جھپٹے اور اپنی جان دینا چاہتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جان نہیں دینے دی اور فرمایا اے صدیق! شِمْ سَيْفَكَ لَا تَفْجَعْنَا بِنَفْسِكَ اپنی تلوار کو میان میں رکھ لے اور اپنی جان کو ہلاک کر کے مجھ کو اپنی جدائی کا غم نہ دے۔ یہ صدیق کی شان ہے کہ نبی صدیق کی زندگی کا مشتاق ہوتا ہے کیونکہ صدیق کارِ نبوت کو انجام دیتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کو حق حاصل ہے کہ وہ جس کو چاہے جہاد کرنے کا حکم دے اور جس کو چاہے نہ دے۔ صدیق آئینۂ نبوت ہوتا ہے اور صدیق کے معنی ہیں کہ جو نبی کے کام کو انجام دے۔ لہٰذا شہادت کے درجے سے صدیقیت کا درجہ افضل ہے جیسا کہ آیت پاک کی ترتیب بتارہی ہے:

﴿مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾

(سورۃ النسآء، آیت:۶۹)

صدیقیت کے بعد شہداء کا درجہ ہے، صدیق کی زندگی شہید کی زندگی سے افضل ہے کیونکہ صدیق زندہ رہ کر نبوت کے کام کو انجام دیتا ہے۔ اپنے شیخ کو بھی صدیق سمجھنا چاہیے کہ ان کی زندگی موت سے بہتر ہے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زندگی بچا کر زندہ رہے اور مرے بھی تو بھی زندہ رہے یعنی شہید کا درجہ بھی ملا۔

مشورہ دینے والوں کے بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجیے

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾

(سورۂ آل عمران، آیت:۱۵۹)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جمہوریت باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی آپ صحابہ سے مشورہ کریں لیکن جب آپ عزم کرلیں تب آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ پھر آپ مشورہ دینے والوں پر بھروسہ نہ کریں، آپ خدا پر بھروسہ کیجیے اس سے معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین کے لیے مشیروں کے مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں، جب وہ عزم کرلے تو اللہ کے بھروسہ پر اپنے عزم پر عمل کرے، خواہ مشیروں کے مشوروں کے خلاف ہو، کیونکہ بعض ایسے نادان لوگ ہوں گے کہ ان کے مشورہ پر اگر فتح ہوئی تو عجب میں مبتلا ہوں گے کہ ہمارے مشورہ کی وجہ سے فتح ہوئی اور اگر شکست ہوئی تو مذاق اُڑائیں گے کہ ہمارے مشورے پر عمل نہیں کیا اس لیے شکست ہوئی، حالانکہ کہ فتح وشکست اللہ کی طرف سے ہے اور امیر المؤمنین جو فیصلہ کرے وہ اللہ کے یہاں حق پر ہے۔ ورنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اکیلے جہاد کے لیے نہ نکلتے جبکہ پوری قوم ساتھ نہیں تھی اور سب لوگ جہاد کے لیے منع کررہے تھے، اس وقت آپ نے فرمایا کہ غارِ ثور میں جب یہ آیت نازل ہوئی لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا تو اس وقت اے صحابہ! تم میں سے کوئی وہاں نہیں تھا، صرف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا، لہٰذا میرے ساتھ خدا ہے، میں تنہا لڑکر جان دے دوں گا، جب إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کی نصِ قطعی سے اللہ میرے ساتھ ہے تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں، سارے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اے صدیق اکبر! رضی اللہ عنہ، ہم پر حق واضح ہوگیا اور حق کو ہم نے تسلیم کرلیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان یہ ہے کہ جب حق واضح ہوگیا تو اپنی رائے کو فنا کردیا اور حضرت صدیق اکبر کے ساتھ ہوگئے کہ

جب امیر المؤمنین اللہ کے راستے میں مشورہ نہ لے تو سمجھ لو کہ وہ بات اللہ کی طرف سے ہے، ایسے وقت میں امیر المؤمنین کا حکم خدا کا حکم ہے، اس کے خلاف کرنا اللہ کی نافرمانی ہوگی، لہٰذا ہم سب آپ کے ساتھ ہیں اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تنہا تلوار لے کر نکلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ اے صدیق ٹھہریئے! ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ سب نے کہا کہ ہم تنہا امیر المؤمنین کو نہیں چھوڑ سکتے، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہیں۔

واقعی جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا پڑھی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو محسوس ہوا کہ گویا وہ آیت ابھی اُتری ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں مَعَنَا جمع کا صیغہ نازل فرمایا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق سے فرمایا تھا کہ گھبراؤ مت اللہ ہمارے ساتھ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جمع کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا تھا بلکہ فرمایا تھا کہ:

﴿اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ﴾

(سورۃ الشعرآء، آیت:۶۲)

میرا پروردگار میرے ساتھ ہے اور یہی آیت نازل ہوئی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نافرمان تھی اس لیے وہاں جمع کا صیغہ نازل نہیں ہوا۔ یہودی ایسے بے وفا اور نافرمان تھے کہ جہاد کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ﴾

(سورۃ المآئدۃ، آیت:۲۴)

آپ اور آپ کے اللہ میاں چلے جایئے اور دونوں لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں۔ (بیان القرآن)

اور صحابہ کیسے جان نثار تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر ہر وقت جان دینے کو تیار رہتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے جہاد کا عزم فرمایا تو صحابہ نے فوراً اپنی رائے اور مشورہ سے رجوع

کرلیا اور دل و جان سے امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد میں شریک ہو گئے۔

سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے ایک مخلص کے مشورہ کا جواب

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے عشا کی نماز پڑھی اور جہاد کا کام سرگرم ہوا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور سکھوں کی طرف سے ایک مسلمان کا خط آیا ہے اور وہ بہت مخلص معلوم ہوتا ہے، اس نے لکھا ہے کہ میں سید صاحب کو اخلاص کے ساتھ آگاہ کرتا ہوں کہ سکھوں کی بہت بڑی فوج حملہ کے لیے آرہی ہے، آپ روپوش ہو جائیں۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس وقت شہادت کے لیے تلوار اٹھا چکے تھے اور سپاہی کا لباس پہن چکے تھے جواب لکھا کہ مسلمان کی شان یہ نہیں ہے کہ جب اللہ کے راستے میں نکل پڑے تو پھر روپوش ہو جائے۔ روپوشی اور منہ چھپانا مجاہد کا کام نہیں ہے، اس لیے میں آج لڑتے لڑتے اگر شہید ہو جاؤں گا تو اللہ سے ملوں گا یا شہر لاہور پر قبضہ کروں گا اور لاہور پر اسلامی سلطنت قائم ہوگی، مسلمان کے دو کام ہیں یا غازی یا شہید۔ اور جب مؤمن ہتھیار سنبھال لیتا ہے تو اُس کی شان کے خلاف ہے کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے، وہ روپوش نہیں ہو سکتا۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی لاش کا بھی پتہ نہیں چلا۔ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا تو مزار ہے لیکن سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی لاش کو اللہ نے لا پتہ کر دیا۔

مشورہ دینے کے تین درجے

مشورہ دینے کے تین درجے ہیں:

(۱)...... ایک تو یہ کہ مشورہ دے کر بھول جائے اور سمجھ لے کہ میرا مشورہ

واجب العمل نہیں ہے اور بے فکر ہو جائے۔ مشورہ کا فریضہ بھی ادا کر دیا اور اپنی مشورہ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا۔ یہ درجہ شریعت کا ہے، شریعت میں یہی مطلوب ہے۔

(۲)...... دوسرا یہ کہ جو مشورہ دے کر انتظار کرے کہ میرے مشورہ پر عمل کیا جائے تو سمجھ لیجیے ایسا شخص مشورہ دینے کا اہل نہیں ہے۔

(۳)...... تیسرا درجہ یہ ہے کہ مشورہ دے کر اس پر عمل کیے جانے کا انتظار کرے اور اگر اس پر عمل نہ ہو تو ناراض ہو جائے اور ڈانٹ ڈپٹ بھی لگا دے، یہ شخص بھی مشورہ دینے کا بالکل اہل نہیں ہے کیونکہ یہ تَصَدِّی بالغیر ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ ''تَصَدِّی بالغیر'' ہے یعنی غیر کے درپے ہو جانا۔ غیر کی اصلاح کے درپے ہو جانا یہ حرام ہے اور ناجائز ہے اور دوسروں کی جوتیوں کے لیے اپنا دوشالہ گنوانا ہے۔

مشورہ دینے کے بعد انتظار کرنا اپنے دین کی بربادی ہے

اب اس میں مختلف بندے ہوتے ہیں۔ بعض بندے مغلوب الحال ہوتے ہیں۔ وہ محبت میں مشورہ دیتے ہیں اور محبت میں اُن پر حال غالب ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میرے مشورہ پر عمل ضرور ہو گا۔ عمل نہیں ہوا تو طبیعت وہاں سے کھٹی ہو گئی، پھر وہاں سے بھاگ نکلتے ہیں۔ یہ مغلوب الحال کا درجہ کامل درجہ نہیں ہے، کامل درجہ یہ ہے کہ مغلوب الحال نہ ہو، حال پر غالب رہے یعنی مشورہ بھی دے دے اور پھر ذہن کو فارغ کر لے، یہ انتظار نہ کرے کہ میرے مشورہ پر عمل ہوا۔ اگر مشورہ پر عمل کا انتظار کرتا ہے تو سمجھ لیجیے کہ اپنا دین برباد کرتا ہے اور دین کی بڑی شخصیتوں سے بھی اس کو فیض نہیں مل سکتا۔ وہ کہے گا کہ یہ عجیب آدمی ہے، اس نے ہمارا مشورہ نہیں مانا۔ پھر اس کو بڑی شخصیتوں پر بھی اعتراض اور بدگمانی پیدا ہو گی اور اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور

محروم وہ ہوجائے گا۔ پہلے مجلس میں آ کر دین کی چار باتیں سن لیتا تھا، اب وہ بھی نہیں سن پائے گا۔ اس لیے کہتا ہوں کہ حدودِ شریعت میں رہو، غیروں کی تربیت اور سرپرستی میں اتنا مصروف ہونا کہ اپنا نقصان ہوجائے۔ دین کے ہیرے و جواہرات اور سونا چاندی پر نظر نہ ڈالی جو بزرگوں سے حاصل کررہا تھا بلکہ اپنے چند مشوروں میں رہ گیا یعنی اُس کو اپنا مشورہ اتنا قیمتی معلوم ہوا کہ اس پر عمل ضروری سمجھا۔ پس ایسا شخص مشورہ دینے کا اہل نہیں۔ مشورہ دے کر اس پر عمل کیے جانے کا انتظار کرنا خودرائی، خود بینی اور خود نفسی ہے۔

مشورہ دینے کا اہل کون شخص ہے؟

یاد رکھو! وہی شخص مشورہ دینے کا اہل ہے جو مشورہ دے اور اس کے بعد بھول جائے کہ مشورہ پر عمل ہوا یا نہیں۔ اس کو دماغ ہی سے نکال دے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو اس کو ایسی محفل میں یا ایسے بزرگوں کے پاس نہیں جانا چاہیے کہ جن کو مشورہ دینے کا خیال پیدا ہو۔ ورنہ مشورہ دینے کا خیال اتنا ستائے گا کہ وہ پریشان ہوجائے گا اور مشورہ دینا شروع کردے گا اور جب اپنے مشورے پر عمل نہ دیکھے گا تو ان کا معتقد بھی نہ رہے گا اور اپنے مشورے پر عمل نہ ہونے سے اس کو اتنا رنج پہنچے گا کہ اپنے رَنج وغم سے مغلوب ہو کر وہاں سے بھاگ نکلے گا اور بزرگوں کے فیوض وبرکات سے محروم رہ جائے گا۔ میں یہ وہ باتیں نہیں کہہ رہا ہوں جو ایک مبتدی کہتا ہے یا جو متوسط کہتا ہے۔ یہ باتیں وہی بتا رہا ہوں جو منتہی اور کاملین کہتے ہیں۔ اور جو میں نے اپنے بزرگوں سے سنی ہیں جو منتہی اور کامل تھے۔

مشورہ پر عمل واجب نہیں

آپ اس کو سمجھ لیجیے کہ جہاں دیکھئے کہ میرے مشورے پر عمل نہیں

ہوتا، خاموش ہو جائیے اور سمجھ لیجیے کہ میرے مشورہ پر عمل واجب نہیں ہے اور یہ سوچئے کہ ہم کو یہاں جو فائدہ ہو رہا ہے وہ لینا چاہیے، اس کے سامنے مشورہ کیا چیز ہے؟ کیونکہ جب نبی کا مشورہ صحابی اور صحابیہ کے لیے واجب العمل نہیں ہے تو تمہاری کیا حیثیت ہے؟

مشورہ پر عمل نہ ہونے کے باوجود اپنی عبدیت کا توازن قائم رکھو

اور آج کل کیا حال ہے کہ اگر کوئی کسی بزرگ کو چند رقمیں اور چندہ دے دے یا کوئی اور نیک کام کر دے تو اپنے مشورے کو واجب العمل سمجھتا ہے۔ اور جب اس کے مشورے پر عمل نہیں ہوتا تو سمجھتا ہے کہ یہاں تو دال ہی نہیں گلتی، یہاں تو مشورہ دینا اپنے مشورہ کو ضائع کرنا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر عمل نہیں کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناگواری بھی ظاہر نہیں فرمائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو آپ نہیں ہیں۔ ہر شخص اپنی عبدیت کو قائم رکھے، اپنی عبدیت اور بندگی کا توازن ایک ذرہ برابر بھی حضور حق سے الگ نہ ہونے پائے۔ یہ دیکھو کہ اگر میرا مشورہ نہیں مانا گیا تو میرا مشورہ کیا حیثیت رکھتا ہے؟ یہ سوچو کہ میرے مشورہ میں کوئی شر ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بچا لیا۔ بس اپنی بندگی کے دائرے کو قائم رکھو، اپنے مشورہ کو اتنی اہمیت مت دو کہ نعوذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم سے ہٹ جاؤ۔ اکثر چندہ دینے والے تمام علمائے دین کو اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی مولوی صاحب ان سے مشورہ نہ کریں تو سیٹھ صاحب ناراض ہو جاتے ہیں۔ علماء کو چاہیے کہ ایسے متکبرین کا چندہ قبول ہی نہ کریں اور سیٹھ صاحب کو بتا دیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ نہیں مانا گیا تو تم کون ہو؟ تم کیا نعوذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ گئے ہو؟ تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم مشورہ دو۔

مشورہ کی حقیقت کو جانو

مشورہ دے کر بھول جائے اور سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ کو جو دولت دی ہے ہم کو اُسے حاصل کرنے کا محتاج بنایا ہے اور ابھی میرے پاس وہ دولت نہیں ہے اور ہمارے بڑے بھی زندہ نہیں ہیں کہ اُن سے یہ دولت مل سکے۔ اس لیے اس سے رجوع کرو جس نے شیخ کے ساتھ زیادہ زمانہ اُٹھایا ہے، زیادہ ساتھ رہنے سے اس کو سمجھ بھی زیادہ ہوگی۔ جب زیادہ سمجھ ہوگی تو زیادہ سمجھ کی باتیں کرے گا۔ اس لیے میں سیٹھ لوگوں کو ہوشیار کرتا ہوں کہ اپنی بندگی کو قائم رکھو، سنت نبوی کی پونجی اپنی نادانی اور ناسمجھی سے ضائع نہ کرو۔ مشورہ کا کیا درجہ ہے؟ جب مشورہ کا درجہ سمجھ لو گے جو ابھی بیان ہوا تب کبھی غلطی نہیں کرو گے۔

مشورہ کا حق کس کو ہے؟

اور یہ سمجھ لیں کہ مشورہ دینے کا حق صرف بالغ کو ہے نابالغ کو مشورہ دینے کا حق نہیں اور بالغ کون ہے اور کون نابالغ ہے؟ اس کو مثنوی مولانا روم سے سمجھاتا ہوں۔ کوئی بچہ پیدا ہوا اور بچہ ہی رہا تو بچپن میں وہ بلوغ کی کیفیت کو جان ہی نہیں سکتا کہ جوانی کیا چیز ہے اور عاشقی و معشوقی کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے اُس کا بالغ ہونا شرط ہے۔ بالغ آدمی کو حسن کی ہر نوک پلک اور ناک نقشوں کے نکتوں کی تفصیل معلوم ہوگی، مگر جو شخص نابالغ ہے، حسن کی تفسیر کیا کرے گا؟ لیکن اصل بالغ کون ہے؟ جو تقاضائے معصیت سے خلاصی پا گیا اور اُس کے تقاضائے معصیت مغلوب ہوگئے وہ بالغ ہے ؎

نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا
خلق اطفال اند جز مست خدا

اور وہ بالغ ہی نہیں ہے جو خواہشاتِ نفس سے مغلوب ہے اگرچہ وہ ظاہری طور پر

بالغ ہو اور پچاس سال کا بڈھا ہو وہ نابالغ ہے۔ تمام مخلوق بچے ہیں سوائے مست خدا کے۔ جو خدائے تعالیٰ کے مست ہیں، وہی بالغ ہیں اور جو خدائے تعالیٰ کے مست اور عاشق نہیں ہیں، اپنی نفسانی خواہشات میں مبتلا ہیں، وہ نابالغ بچے ہیں۔ نابالغ آدمی مٹی کے کھلونوں سے کھیلتا ہے، مٹی کے کھلونوں کو دیکھ کر واہ واہ کرتا ہے۔ اسی طرح یہ حسنِ فانی کے کھلونوں کو دیکھ کر واہ واہ کرتا ہے، جب جوانی چلی گئی تب آہ آہ کرتا ہے۔ تو نابالغ ہونے کی علامت یہی ہے کہ اُس کو آہ آہ کرنا پڑتا ہے اور حسنِ فانی کے کھلونوں میں اس کی جوانی ختم ہو جاتی ہے اور سوائے پچھتانے کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اِنتظامی اُمور میں مشورہ دینے کی شرط

اب بتاؤ! میں نے بالغین کے ساتھ اپنی عمر گذار دی تو میں نابالغوں کی بات کیسے مانوں؟ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بالغین کے بھی استاد تھے۔ اُن پر اللہ کی محبت اس قدر غالب تھی کہ کچھ نہ پوچھو۔ مشورہ دینے کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے لیکن بالغین کو نابالغ لوگ سمجھانے لگیں تو کیا ہوگا؟ نابالغ کو سمجھنا چاہیے کہ ہم مشورہ دینے کے قابل ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں، غور سے سن لو! نابالغ آدمی یعنی جو ہوائے نفس سے مغلوب ہے اور سنت و شریعت کا پابند نہیں وہ مشورہ دینے کا اہل نہیں ہے اور جو اہل ہے وہ انتظامی اُمور میں مشورہ دے سکتا ہے مگر یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ مشورہ واجب العمل نہیں ہے، دل میں سمجھ لے کہ میں نے مشورہ دے دیا، اب جو اُن کے سمجھ میں آئے وہ کریں، مجھے اس سے سروکار نہیں۔ اگر اس کا مشورہ قبول نہ کیا جائے تو نہ شکایت ہو، نہ غیبت ہو، نہ تنقید کرے اس قسم کے الفاظ بھی کبھی زبان پر نہ آئیں۔ خصوصاً شیخ کا معاملہ تو بہت نازک ہے، اگر اس سے بدگمانی ہوگئی یا اعتراض پیدا ہوگیا تو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

طبیعت پر عقل کو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھو

میرے جتنے مالدار دوست ہیں اور چندہ دیتے ہیں، ان کو میری طرف سے مبارک باد ہے اور مبارک بادی کا اعلان ہے لیکن اپنے مشورہ کو درجۂ عمل میں لانے کا انتظار کبھی نہ کریں، یہ مشورہ دینا قرآن پاک کی آیت سے مستند ہے۔ لیکن مشورہ واجب العمل نہیں ہے یہ بھی قرآن پاک کی آیت سے ثابت ہے فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ جس نے مشورہ دیا ہے اس پر واجب ہے کہ ہشاش بشاش رہے اور ظاہر کردے کہ میرے مشورے پر عمل نہ کرنے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اگر ایسا نہیں کرتا تو پھر عقل کو مغلوب اور طبیعت کو حاکم بنانا ہے۔ عقل کو طبیعت پر غالب رکھو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھو۔ جو شخص عقل پر شریعت کو غالب رکھے گا اس کو ان شاء اللہ کوئی وسوسہ نہیں آئے گا۔ یہ بہت قیمتی جملہ ہے۔ مشورہ کے خلاف ہونے کے باوجود طبیعت کو ویسے ہی راضی رکھتا ہے تو خدا کے یہاں اُس کا اَجر مستند ہے کیونکہ طبیعت پر عقل کو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھتا ہے۔ بس یہ فارمولا بتادیا۔ اگر آپ اس فارمولے پر رہیں گے تو کبھی ضائع نہیں ہوں گے اور شیطان کبھی برباد نہیں کرسکے گا۔

مشورہ پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے رنجیدہ نہ ہوں

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ عقل کیا چیز ہے۔ شریعت کا یہ حکم ہے، بس چپ چاپ دُم دبا کر بیٹھو، اگرچہ دُم نہیں ہے مگر دم دبا سکتے ہیں۔ کیسے دبا سکتے ہیں کہ خاموش رہیں اور طبیعت کو عقل پر اور عقل پر شریعت کو غالب رکھیں اور ہنستے بولتے رہیں، تعلقات پہلے جیسے ہی خوشگوار رہیں۔ ذرّہ برابر بھی فرق نہ آنے پائے اور اگر دل جل رہا ہے کہ میرے مشورہ پر عمل نہیں کیا تو کام خراب ہوگیا اگر میرے مشوروں

پر عمل کرتا تو اس طرح نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ یہ نفسانیت ہے اور اسی وجہ سے یہ ملولِ خاطر ہوا، ایسا کرنے سے اُس کی طبیعت اس کی عقل پر غالب آ گئی۔ اور یہ کہہ بھی دیا کہ میرے مشورہ پر عمل نہ کر کے آپ نے مجھ کو غمگین اور رنجیدہ کیا۔ رنجیدگی ظاہر کرنا، منہ پھلانا، غصہ کرنا یا لوگوں کو ڈانٹنا سب شریعت کے خلاف ہے۔

۵ / جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۴ / اگست ۲۰۰۲ء

پی- آر- ایف ہسپتال کے افتتاح کے موقع پر نصیحت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ!

ارشاد فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک ''علم الابدان'' اور دوسرا ''علم الادیان''۔ ''علم الابدان'' جس کی بنیاد پر یہ میڈیکل سینٹر قائم ہوا ہے، یہاں بدن کی بھی حفاظت رہے گی اور دین کی بھی حفاظت رہے گی۔ ''علم الابدان'' ''علم الادیان'' کے تابع ہے کیونکہ علم الابدان اگر علم دین کے تابع نہ ہو تو وہ آخرت میں وبال ہے کیونکہ جس کام کا نتیجہ مرنے کے بعد اچھا نہ ہو وہ کام بالکل بے کار ہے۔ یہاں دنیا میں بہت واہ واہ ہوئی اور مرنے کے بعد پٹائی شروع ہو گئی تو ایسا کام کس کام کا ہے۔ علم وہ ہے جو دنیا میں بھی عزت دے اور آخرت میں بھی عزت دے۔ ہر جگہ ''علم الادیان'' قائم ہو رہے ہیں۔ بہت کم ایسا ہے کہ ''علم الادیان'' اور ''علم الابدان'' کا جوڑ ہو۔ دیوبند میں اس کا اہتمام کیا گیا تھا کہ ''علم الادیان'' کے ساتھ ساتھ کچھ ''علم الابدان'' کا بھی انتظام تھا۔ ہر کام میں آخرت کو دیکھنا چاہیے جو کام یا قدم اٹھائے سب سے پہلے آخرت کو دیکھے کہ ہماری آخرت اس سے بنے گی یا بگڑے گی۔ ایسا کرنے والا عقلمند آدمی ہے۔ عقل کی بین الاقوامی تعریف یہ ہے کہ انجام پر نظر رکھے۔ چاہے دین ہو چاہے دنیا ہو، سب میں یہی دیکھنا ہے کہ اس کام کو کرنے سے ہمارا آخرت میں

کیا بنے گا۔ اس کام کے بعد ہماری آخرت بنے گی یا بگڑے گی۔ اگر ہم اپنی نیت درست کرلیں تو دنیا بھی ہماری دین ہوجائے گی۔ اگر ہم نیت درست کرلیں کہ اللہ کے بندوں کو فائدہ پہنچائیں گے، دوسروں کو دین دار بنائیں گے اور اللہ سب کو دیندار بنائے، تب سمجھ لو کہ ایسا کام اچھا ہے۔ ایسا کام اچھا نہیں ہے کہ آپ یہاں دنیا میں تو بہت بڑے بڑے کام کر رہے ہیں، سب کچھ کر رہے ہیں، مگر آخرت میں آپ کو کچھ نہیں ملا۔ ہر کام میں دیکھنا ہے کہ یہ مطلوبہ کام آخرت کے لیے بھی ٹھیک ہے یا نہیں، مگر دونوں میں نیت درست ہو۔ ''علم الادیان'' کے ساتھ اب یہاں ''علم الابدان'' کا بھی انتظام ہو رہا ہے۔ اگر یہاں دین سیکھیں تو اللہ کے لیے سیکھیں اور ''علم الابدان'' میں بھی نیت درست ہو کہ بدن کی خدمت کریں تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو۔

اگر اللہ ایسی خدمت سے ناراض ہوتا ہے تو ایسی خدمت سے باز آجاؤ، ہر صورت سے ہمارا مقصود آخرت ہے لہٰذا ہر طرح سے دیکھنا چاہیے کہ ہماری آخرت بھی صحیح ہے یا نہیں۔

لہٰذا یہ قاعدہ کلیہ ہے جو قدم اُٹھائیں اس میں دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے یا نہیں۔ جس کام سے اللہ ناراض ہو اس کام سے آپ بھی راضی نہ ہوں، جس کام سے اللہ راضی ہو اس سے آپ بھی راضی ہوں لہٰذا اپنی آخرت کو مقدم رکھیے۔ جو کام بھی کیجئے یہ دیکھئے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اگر ناجائز ہے تو ہم ہرگز نہیں کریں گے، مر جانا پسند کرلیں گے لیکن ناجائز کام نہیں کریں گے۔ دیر سویر سب کو مرنا ہے، لاکھ ڈاکٹر ہی کیوں نہ ہوں، ڈاکٹر خود کیوں اس دنیا سے چلے جاتے ہیں، دل کے ڈاکٹر بھی اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ بہرحال مسلمان کو ہر قدم پر یہی سوچنا چاہیے کہ ہم جو قدم اٹھا رہے ہیں کیا ہمارا مولیٰ اس سے راضی ہے یا نہیں؟ یہ نہ دیکھو کہ دنیا کا فائدہ ہے یا نہیں۔ سب

سے پہلے نظر اس پر جائے کہ اللہ کو پسند بھی ہے یا نہیں۔ دنیا تو تعریف کرے گی، اس کو فائدہ پہنچے گا لیکن وہ انسان بے وقوف ہے جو دنیا کی تعریف کو اہمیت دے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کو معمولی سمجھے۔

بس یہ ہسپتال اس بنیاد پر قائم ہو رہا ہے کہ سب کام شریعت کے مطابق ہوں۔ عورتوں کو عورتیں دیکھیں گی، مردوں کو مرد دیکھیں گے۔ اس لیے ہم کو خوشی بھی ہے۔ اب اس کے بعد دعا کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جس نیت سے بنایا ہے اس نیت کے مطابق کام لیں۔

اے اللہ! اس ادارے میں ''علم الادیان'' تو تھا ہی اب ''علم الابدان'' بھی اپنی رحمت سے قبول فرما لیجیے اور اپنی مرضی کے مطابق سب کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اپنی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہ اُٹھنے دیجئے۔ ہر قدم آپ کی مرضی کے مطابق اُٹھے۔ ہم کو زندگی بھی عزیز ہے اور آپ کی مرضی کے خلاف زندگی موت ہے۔ جس بات سے آپ ناخوش ہوں اس کے بدلے ہم کو موت عزیز ہے۔ ایک روز مرنا تو ہے ہی، ایسی زندگی لعنتی زندگی ہے جو اللہ کو ناراض کرے۔ اتنا ہی کماؤ جس میں اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوں اور اتنا ہی رفاہی کام کرو جس سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوں۔

اگر علمائے کرام بتاتے ہیں کہ فلاں کام میں فائدہ نہیں ہے کیونکہ اس کام سے اللہ ناراض ہے تو اس سے بہتر ہے کہ موت کو قبول کرو۔ موت سے کیوں گھبراتے ہو۔ ایک دن تو جانا ہی ہے، لاکھ انتظام کر لو لیکن جو دنیا میں آیا کیا وہ جانے سے بچ گیا؟ دیر سویر سب کو اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ قبول فرما لے۔ اپنی رحمت سے کچھ کوتاہیاں ہوں تو اس کو معاف فرما دے، آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

دُعائے صلوٰۃِ حاجت کی عجیب عاشقانہ تشریح

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری نظروں کو مجاریِ قضا کی طرف متوجہ کیا ہے یعنی جہاں سے فیصلے ہوتے ہیں عطاؤں کے، سزاؤں کے وہاں نظر رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ لہٰذا حکیم الامت تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ مَنْ یَّنْظُرُ اِلٰی مَجَارِیْ الْقَضَآءِ لَا یُفْنِیْ اَیَّامَہٗ فِیْ مُخَاصَمَۃِ النَّاسِ یعنی جس کی نظر مجاریٔ قضا پر ہوتی ہے وہ لوگوں کے لڑائی جھگڑے میں اپنی زندگی کو ضائع نہیں کرتا۔ مجاریٔ قضا کے معنیٰ ہیں جہاں سے فرمان جاری ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو فوراً معاف کر دیا، کیونکہ ان کی نظر مجاریٔ قضا پر تھی۔ لہٰذا فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ کہ تم پر کوئی الزام نہیں حالانکہ دل میں سمجھ رہے تھے کہ وہیں سے سب کچھ ہوا ہے جو ہونا تھا۔ خواجہ صاحب کا شعر یاد آیا ؎

نہ گھبرا کوئی دل میں گھر کر رہا ہے
مبارک کسی کی دل آزاریاں ہیں

اور جو شخص مجاریٔ قضا پر نظر نہیں رکھتا وہ ہمیشہ انسانوں سے لڑتا ہے کہ اس نے ہمیں یوں کہہ دیا اس نے ہمیں یوں کیوں کہا؟ ارے انسانوں سے کیا لڑتے ہو، مجاریٔ قضا پر نظر رکھو جہاں سے قضا جاری ہوئی، اس سے رجوع کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی غم یا پریشانی آتی تو آپ صلوٰۃ حاجت پڑھتے۔ لہٰذا جب کوئی غم یا پریشانی آئے تو پہلے دو رکعت صلوٰۃ حاجت پڑھ لیں، پھر حمد و ثناء کریں جیسے سورۂ فاتحہ یا تیسرا کلمہ سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پھر درود شریف پڑھیں، پھر یہ دُعا پڑھیں:

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَآئِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَّا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ))

(سنن الترمذی، باب ماجاء فی صلوٰۃ الحاجۃ، ج:۱، ص:۱۰۸-۱۰۹)

(سنن ابن ماجۃ، باب ماجاء فی صلوٰۃ الحاجۃ، ص:۹۸-۹۹)

(المستدرک، ج:۱، ص:۳۲۰)

ترجمہ: نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے جو حلیم و کریم ہیں۔ (حلیم ہے وہ ذات جو سزا دینے میں جلدی نہ کرے اور کریم وہ ذات ہے جو بدون استحقاق اور قابلیت عطا کرے) پاک ہے اللہ جو عرشِ اعظم کا ربّ ہے، ہر قسم کی تعریف اللہ ربّ العالمین کے لیے خاص ہے۔ اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں آپ کی رحمت کے موجبات کا اور آپ کی مغفرت کے ارادوں کا اور ہر نیکی کے مالِ غنیمت کا اور ہر بُرائی سے سلامتی کا، ہمارے کسی گناہ کو نہ چھوڑیئے مگر بخش دیجیے اور نہ ہمارا کوئی غم باقی رکھیے مگر اُس کو دور فرما دیجیے اور ہماری ہر حاجت کو جس سے آپ راضی ہوں اس کو پوری کر دیجیے، اے ارحم الراحمین۔

ہر دُعا کے قبل اور بعد درود شریف پڑھ لینا دُعا کی قبولیت کا نہایت قوی ذریعہ ہے۔

اس دعا کا شروع کا جملہ دیکھیں لَآ اِلٰهَ غیر اللہ سے نفی سکھلا دی کہ پہلے غیر اللہ سے دل کو کاٹو پھر ہر طرف اِلَّا اللّٰهُ ہی اِلَّا اللّٰهُ پاؤ گے۔ پھر حلیم سکھلایا کہ حلیم وہ ذات ہے اَلَّذِیْ لَا یُعَجِّلُ بِالْعُقُوْبَةِ جو سزا دینے میں جلدی نہ کرے یعنی کس سے مانگ رہے ہو جو ہم سے بدلہ نہیں لیتا۔ پھر کریم سکھلایا کہ کریم اَلَّذِیْ یُعْطِیْ بِدُوْنِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَالْمِنَّةِ حلیم اور کریم سکھلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گنہگاروں کی مایوسی کو دور کر دیا کہ کیوں مایوس ہوتے ہو تمہارا پالا

ایسے مالک سے ہے جو تم سے بدلہ نہیں لیتا اور جو نا اہلوں پر ان کی نا اہلی کے باوجود عطاؤں کی بارش کرتا ہے، پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندوں کی نظر کو مجاریٔ قضا تک لے گئے۔ کیا لفٹ تھی، کیا راکٹ تھا کہ زمین سے اٹھایا اور عرشِ اعظم تک پہنچایا سُبۡحَانَ اللہِ رَبِّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ اپنی امت کو تعلیم دے کر زمین والوں کو عرشِ اعظم تک پہنچا دیا کہ تم مجاریٔ قضا پر نظر رکھو، جہاں سے فیصلے جاری ہوتے ہیں وہیں سے تمہارا کام بنے گا۔ آگے فرمایا وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ اور تعریف کرو تم اللہ کی کیونکہ مضمونِ درخواست عرض کرنے سے پہلے بادشاہوں کو کچھ القاب سے خطاب کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ تو بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے القاب خود ان کے سکھائے ہوئے ہیں وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ سب تعریف اللہ کے لیے جو رب ہے تمام عالم کا۔ آگے ہے اَسۡأَلُكَ مُوۡجِبَاتِ رَحۡمَتِكَ ہم آپ سے رحمت کے موجبات کو مانگتے ہیں یعنی جن اعمال سے آپ کی رحمت ملتی ہے ان کو مانگتے ہیں یعنی جن اعمال سے عطا ملتی ہیں ان کو مانگو اور جن اعمال سے سزا ملتی ہے ان سے پناہ مانگو وَعَزَآئِمَ مَغۡفِرَتِكَ اور اپنی بخشش کے عزائم ہمیں عطا کیجئے یعنی ہمارے عزائم ایسے ہوں جو ہمیں آپ کی مغفرت دلوائیں نہ کہ آپ کے غضب کا موجب ہوں۔ اس کے بعد ہے وَالۡغَنِیۡمَۃَ مِنۡ کُلِّ بِرٍّ اور ہر نیکی کا غنیمت عطا فرمایئے۔ محدثِ عظیم ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مالِ غنیمت کب ملتا ہے؟ جب جہاد میں فتح ہوتی ہے یعنی نفس کے جہاد میں ہمیں ایسی فتح دیجئے کہ ہر وقت ہم اپنے نفس پر غالب رہیں اور مالِ غنیمت کی نیکیاں ہمیں ملتی رہیں یعنی ہم تہجد، اشراق، اوّابین، تلاوت اور ذکر میں غرق رہیں، نفس ہم کو سستی میں مبتلا نہ کرنے پائے تاکہ ہم فاتحانہ مالِ غنیمت لوٹتے رہیں۔ مالِ غنیمت کا لفظ لانے کی وجہ ملا علی قاریؒ نے بتائی کہ مالِ غنیمت جہاد میں فتح ہو جانے پر ملتا ہے یہاں غنیمت کے لفظ سے نفس پر فتح حاصل ہونے

کی بشارت ہے کہ تم اللہ سے مانگو کہ نفس پر مجھے فتح دے دیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ میرا نفس آپ کی نافرمانی میں مبتلا کر کے مجھے آپ کی رحمتوں سے محروم کر دے۔ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ اور مجھے تمام گناہوں سے سلامتی عطا فرمائیے، کیونکہ جب گناہوں سے محفوظ رہوں گا تو نیکیوں کا مالِ غنیمت باقی رہے گا اور آپ کی رحمتوں سے محروم نہ ہوں گا۔ اس کے بعد ہے لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ اِلٰى يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ آخر میں ہے کہ ہمارے سب گناہوں کو معاف کر دیجئے، ہمارے تمام غموں کو دور کر دیجئے، ہماری ہر وہ حاجت جس سے آپ راضی ہوں پوری کر دیجئے اور يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ آخر میں لگوایا، اور یہ کیوں لگوایا؟ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی سے پتہ چل گیا کہ جب بندہ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ کہتا ہے تو ایک فرشتے سے اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میرے بندے سے کہو کہ ارحم الراحمین تمہاری طرف متوجہ ہے مانگو کیا مانگتے ہو؟ یہ حدیث پاک ہے۔ تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس وحی کے پیشِ نظر صلوٰۃِ حاجت کی دعا کے آخر میں يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ لگوا دیا تا کہ ارحم الراحمین کی رحمت میرے اُمتی کی طرف متوجہ ہو۔ اس نبی رحمت اور اس نبی احسان و کرم پر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بے شمار صلوٰۃ وسلام نازل ہوں آپ کی شانِ رسالت کے مطابق اور حق تعالیٰ کی شانِ رحمت کے شایانِ شان غیر محدود رحمتیں نازل ہوں۔

لہٰذا یہ عرض کرتا ہوں کہ کوئی حاجت پیش ہو کوئی اضطراری کیفیت ہو تو تین مرتبہ صلوٰۃ الحاجت پڑھو کسی مخلوق سے کوئی کام اٹکے تو یہی دعا کرو جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ سے اسی انداز سے مانگا ہے۔ خود نبی نے مانگا اور اُمت کو سکھایا کہ ان الفاظ سے مانگو۔ اب آپ سوچئے کہ ان الفاظ میں کیا معجزہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ زندگی میں کوئی حاجت نہیں رکے گی، کوئی مصیبت ایسی نہیں جو نہ ٹلے، کوئی گناہ ایسا نہیں جو نہ

چھوٹے۔ رو کر تو دیکھو۔ اللہ تعالیٰ کی دستگیری ہوگی، غیب سے مدد آئے گی اور جتنی ذلتیں اور خواریاں ہیں اللہ اپنی شانِ کرم کے شایانِ شان ان کی تلافی کرتا ہے جیسے بیٹا اگر باپ کو راضی کر لے اور بیٹے سے کچھ خطائیں ہوگئی ہوں جس سے اس کی ذلت کا چرچہ ہو رہا ہو تو باپ کوشش کرتا ہے کہ میرے بیٹے کی ذلت نہایت اعلیٰ شان سے عزت میں تبدیل کر دی جائے۔ تو اپنے ربّا کو جو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کی خطاؤں کی ذلتوں کی اپنے شانِ کرم کے شایانِ شان تلافی فرما دیتے ہیں۔ چاہیں تو اس سے کوئی کرامت صادر کرا دیں گے یا کوئی عظیم الشان کام لے لیں گے جس سے امت قیامت تک اس کا چرچا ذکرِ خیر سے کرے گی۔ حضرت وحشیؓ سے اتنی عظیم خطا ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی وحشیؓ کے ہاتھ سے مسیلمہ کذاب کو قتل کروایا اور ملا علی قاریؒ نے اور مفسرّین نے لکھا ہے کہ حضرت وحشیؓ نے جب مسیلمہ کو قتل کیا تو فرمایا کہ قَتَلۡتُ فِیۡ جَاھِلِیَّتِیۡ خَیۡرَ النَّاسِ وَقَتَلۡتُ فِیۡ اِسۡلَامِیۡ شَرَّ النَّاسِ کہ میں نے اپنے جہالت کے زمانے میں یعنی کفر کی حالت میں بہترین انسان کو قتل کیا وَقَتَلۡتُ فِیۡ اِسۡلَامِیۡ شَرَّ النَّاس اور میں نے حالتِ اسلام میں اس کو قتل کیا جو انسانوں میں سب سے بڑا شر تھا۔ تِلۡكَ بِتِلۡكَ اس شر کی تلافی میں اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم الشان خیر کا کام لے لیا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر ہماری آبرو کو کون سنوارے گا۔

چلی شوخی نہ کچھ بادِ صبا کی
بگڑنے میں بھی زُلف اس کی بنا کی

شیطان تو ہم سے خطائیں کرا کے ہمیں ذلیل کرنا چاہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے اگر ہم ندامت کے ساتھ توبہ کریں تو ہماری زلفوں کو بکھیرنے کے لئے شیطان نے جو ہوائیں چلائی تھیں حق تعالیٰ ہماری ذلتوں کے بکھرے ہوئے بالوں کو پھر

سے سنوار دیتے ہیں ؎

چلی شوخی نہ کچھ بادِ صبا کی

میں کہتا ہوں ؎

چلی شوخی نہ کچھ اس بے حیا کی

یعنی شیطان نے تو کوشش کی تھی کہ اس کو ذلیل کردو مگر ؎

بگڑنے میں بھی زُلف اس کی بنا کی

بس یہ عرض کرتا ہوں کہ تین مرتبہ دو دو رکعت پڑھ کر یہ دعا کرو کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے مَا مِنْ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ لَا يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ الخ یعنی جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے بوجہ خشیت الٰہی جو آنسو نکلتے ہیں اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں تو اللہ تعالیٰ اس بندہ پر دوزخ کی آگ حرام فرما دیتے ہیں۔ تو محدث عظیم ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ کم سے کم تین آنسو تو گراؤ کیونکہ حدیث میں جمع کا لفظ دُمُوْعٌ آیا ہے اور عربی کا جمع کم از کم تین ہوتا ہے، اس لیے کم از کم آنسو کے تین قطرے تو گراؤ، حدیث میں ہے کہ خواہ وہ آنسو مکھی کے سر کے برابر چھوٹے ہی ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جائے گا۔ اور کبھی زمین پر آنسو گراؤ، سجدے میں رولو ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ غرض کوئی بہانۂ رحمت نہ چھوڑو۔ آنسو پر تین روایتیں ہیں ایک تو یہ کہ مکھی کے سر کے برابر آنسو نکل آئے تو دوزخ کی آگ اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ نمبر دو جہاں جہاں آنسو لگتے ہیں وہاں آگ حرام ہو جاتی ہے تو آنسوؤں کو مل بھی لینا چاہئے، چہرے پر پھیلا لو، داڑھی میں خوب لگا لو تاکہ زیادہ سے زیادہ حصے پر جہنم کی آگ حرام ہو جائے۔ اور پھر جب وہ جُز کو جنت کے لئے اُٹھائیں گے تو کُل بھی لے لیں گے کیونکہ کریم کی شان کے خلاف ہے کہ ہمارے جُز کو جنت میں داخل کردے باقی کو جہنم میں پھینک دے۔ نمبر تین یہ کہ ایک روایت میں

ہے کہ کچھ آنسو زمین پر گر جائیں، لہٰذا کبھی کبھی بغیر مصلّٰی کے زمین پر نماز پڑھ کے آنسو گرالو۔ اور زمین کے حکم میں موزیک کا فرش بھی داخل ہے کیونکہ جس پر تیمم جائز ہو وہ سب زمین کی جنس ہیں اور سیمنٹ کے پکے فرش پر اور موزیک کے فرش پر تیمم جائز ہے۔ لہٰذا قالینوں سے ہٹ کر کہیں ایسی جگہ رولو۔ اور اگر اتنا آنسو نہ نکلے تو سجدے میں رولو تاکہ ایک قطرہ بھی گر جائے۔ اور اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی شکل بنالو۔

حضرت امام بخاریؒ بچپن میں نابینا ہو گئے تھے، آپ کی والدہ صاحبہ کثرت سے دعا کرتی تھیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا کہ قَدْ رَدَّ اللّٰهُ بَصَرَ وَلَدِكِ بِكَثْرَةِ دُعَآئِكِ تیرے بچے کی بینائی کو اللہ نے واپس کر دیا تیری دعاؤں کی کثرت کی وجہ سے۔ تو معلوم ہوا کہ کثرتِ دعا سے کام بنتا ہے۔ بس دو چار دن دعا کر کے چھوڑنا نہیں چاہئے، دعا میں لگے رہو۔ جو شخص کثرت سے دعا کر کے پھر مایوس ہو جاتا ہے اور دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے کہ ارے! اتنے دن مانگتے ہوئے ہو گئے ابھی تک میری دعا کو قبول نہیں کیا۔ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے ناراض ہو جاتے ہیں کیوں؟ کیوں ناراض ہوتے ہیں؟ گویا اس شخص نے اعتراض کیا کہ ہمارا کام اتنے دن میں بن جانا چاہئے تھا، آپ نے اتنے دن میں نہیں بنایا۔ یہ اللہ پر اعتراض ہے، ایسا شخص نادان ہے، عارف نہیں ہے، اسے پتہ ہی نہیں کہ یہ مانگنا کیا کم نعمت ہے۔

امید نہ بر آنا امید بر آنا ہے
اک عرضِ مسلسل کا کیا خوب بہانا ہے

اگر دعا میں ہماری امید پوری نہیں ہو رہی یا دیر سے پوری ہو رہی ہے تو تم کو تو دعا کی توفیق سے اللہ تعالیٰ سے گفتگو کا شرف مل رہا ہے۔ روزانہ کہہ رہے ہو اے

اللہ! یا اللہ! یہ کیا معمولی نعمت ہے؟ ؎

امید نہ بر آنا امید بر آنا ہے
اک عرضِ مسلسل کا کیا خوب بہانا ہے

دیکھئے! اپنے موقع پر اشعار کی فٹنگ، یہ میرا رب مجھے عطا کرتا ہے۔ اس لئے دعا کرتے رہیں، بندے کی کوئی حاجت، کوئی پریشانی ایسی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ دفع کرنے پر قادر نہ ہوں۔ دیر ہو تو گھبراؤ مت۔ لگے رہو اور اس صبر پر اجر الگ ملے گا۔ بچے کو تکلیف ہے تو اس کو بھی اجر ملے گا، باپ کو غم ہو رہا ہے اس کو بھی اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو، ایک دن ایسا آئے گا کہ اچانک کام بن جائے گا۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ڈاکٹروں نے مجھے مایوس کر دیا ہے کہ تمہاری یہ بیماری اچھی نہیں ہوگی۔ میں نے کہا ڈاکٹروں نے مایوس کیا ہے نا! اللہ تعالیٰ نے تو مایوس نہیں کیا۔ کہا پھر کیا کروں؟ میں نے کہا روزانہ تین مرتبہ نماز حاجت پڑھ کر یہی دعا پڑھو، تین مرتبہ روزانہ پڑھو۔ چند مہینے پڑھا، اس کے بعد ایک دن آئے اور کہنے لگے کہ بغیر دوا کے میرا مرض اچھا ہو گیا، اس مرض کا پتا ہی نہیں چلا کہ کہاں گیا۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو، ہماری ہر حاجت کا یہی علاج ہے۔

ایک دفعہ میرا پوتا اسماعیل بیمار ہو گیا۔ میں ان دنوں ڈھاکہ میں تھا۔ مولانا مظہر میاں نے مجھے فون کیا کہ آپریشن تجویز ہے، میں نے ہسپتال میں اس کے لئے کمرہ لے لیا ہے۔ میں نے کہا ایک ہفتے کے لئے مہلت دو، مجھے اللہ سے مانگنے کا موقع دو، ایک ہفتے کے بعد تمہیں اختیار ہے، تمہارا بچہ ہے جو چاہو کرو، لیکن ہمارا بھی تو کچھ ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے رو رو کے عرض کیا کہ یا اللہ! میرے بچے کو آپریشن کے بغیر اچھا کر دیجئے۔ آج چار پانچ سال ہو گئے آپریشن نہیں ہوا، بالکل مرض ہی غائب ہو گیا۔ اللہ سے مانگ کر کے تو دیکھو۔

اگر اپنے ربّا کے اوپر ہم ناز نہیں کریں گے تو کس پر ناز کریں گے اور کوئی ہے کیا؟ کیا کوئی اور دروازہ بھی ہے جس پر ہم جائیں؟ ؎

نہ پوچھے سوا نیکو کاروں کے گر تو

کہاں جائے بندہ گنہگار تیرا

کوئی بھی مرض ہو، چاہے جسمانی ناسور ہو یا روحانی ناسور ہو، پرانے سے پرانا پاپی اور مجرم ہو، مجرمانہ عادت رکھتا ہو اللہ سے رو رو کر مانگے، نہ ٹھیک ہو تو کہنا اختر کیا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ غیب سے اسباب پیدا کریں گے۔ جیسے کہ ماں دیکھتی ہے کہ میرا بچہ مٹی کھاتا ہے اور اس نے چھپ کر کے مٹی کھالی اور ماں کو پتہ چل گیا تو حلق میں انگلی ڈال کر مٹی نکال دے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ گناہوں کا لیا ہوا مزہ آنکھوں سے آنسو نکلوا کر اگلوا دیتے ہیں اور اگر مٹی بچہ کے پیٹ میں پہنچ گئی تو ماں آپریشن بھی کراتی ہے۔ اسی طرح جو گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پھر اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیں گے جس سے اس کے دل کے ذرّے ذرّے میں اضطراری کیفیت پیدا ہو جائے گی، یہ اضطرار غیبی آپریشن ہے۔ ایسے مسائل آجائیں گے جس سے گھبرا کر وہ توبہ کرے گا، اللہ تعالیٰ کے سامنے روئے گا۔ نمبر تین: گھر میں جہاں کہیں مٹی ہوتی ہے تو ماں اس کو جھاڑو سے صاف کر دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو اپنا مقبول بناتے ہیں اس سے اسبابِ معصیت دور فرما دیتے ہیں۔ نمبر چار: اگر محلّے کا کوئی لڑکا مٹی چھپا کر لائے اس کے بچہ کو کھلانے کے لئے تو ماں اس لڑکے کو تھپڑ مارتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ان لوگوں کو ہلاک اور برباد کرتے ہیں جو ان کے خاص بندوں کے لیے گناہوں کے اسباب پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی کس طرح حفاظت کرتے ہیں اس کے یہ چار طریقے میں نے عرض کر دیئے اور یہ حدیث اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ کی شرح ہے۔

دوسری شادی کے متعلق ملفوظات

(ماخوذ از: تربیت عاشقان خدا)

ارشاد فرمایا کہ چار شادی کی اجازت ہے، حکم نہیں ہے اور یہ اجازت مطلق نہیں اس شرط سے مقید ہے کہ شوہر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کمالِ ایمان اور تقویٰ کے ساتھ یہ شرط نازل ہوئی اور آج کل تو ایمان کا کیا حال ہے۔ اس لیے اس زمانے میں ایک ہی پر صبر ضروری ہے ورنہ دو شادی کر کے اگر دونوں میں برابری نہ کی تو سخت گناہ گار ہوگا۔ پھر اس زمانے میں صحت اور قوت بھی کمزور ہے۔ اُس زمانے میں خون نکلوانا پڑتا تھا اور اب خون چڑھوانا پڑتا ہے۔ اور موجودہ زمانے میں جس نے بھی دو شادی کی دل کا چین وسکون غائب ہوا۔ لیلیٰ کی تعداد بڑھا کر مولیٰ کی یاد کے قابل نہ رہے۔ نظر کی حفاظت نہ کرنے کا یہ وبال ہے کہ ایک لیلیٰ پر صبر نہیں۔

☆...... ایک صاحب نے دوسری شادی کی اجازت مانگی کہ میں فتنۂ نساء سے محفوظ رہنے لئے دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔

ارشاد فرمایا کہ جب بیوی موجود ہے تو کیا یہ فتنۂ نساء سے اسبابِ حفاظت میں سے نہیں ہے؟ اس زمانے میں دو بیویوں میں عدل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا کہ زندگی تلخ ہوگئی اور آخرت کے مواخذہ کا اندیشہ الگ۔ اس زمانے میں ایک ہی بیوی کا حق ادا ہو جائے تو غنیمت ہے۔

☆...... ایک صاحب نے مستورات میں خانقاہی کام اور مدرسہ کی ترتیب کے لئے دوسری شادی کی اجازت مانگی۔

ارشاد فرمایا کہ مستورات میں خانقاہی کام اور مدرسہ کی ترتیب بھی نفس کا بہانہ معلوم ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ دوسری شادی کے پیغام بھیجنے کے لئے مشورہ

بھی نہیں کیا شائد اس لئے کہ مشورہ میں احتمال تھا کہ آپ کی رائے کے خلاف ہوتا۔ مشائخ کا کام دین کا کام کرنا ہے، لوگوں کو اللہ والا بنانے میں اپنے اوقات کو صرف کرنا ہے نہ کہ شادیاں کرنا۔ مشورہ تو پہلے کیا جاتا ہے، موجودہ صورت میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا، خود کو فتنہ میں نہ ڈالیں یعنی دوسری شادی ہرگز نہ کریں۔

☆ ...... ایک صاحب نے خط لکھا کہ مجھے شدت کے ساتھ الہام ہو رہا ہے کہ دوسری شادی کرلوں۔

ارشاد فرمایا کہ دوسری شادی کے متعلق جو آپ نے لکھا ہے کہ لگتا ہے یہ اللہ کا الہام ہے تو آپ کا خیال غلط ہے یہ الہام شیطانی ہے۔ غالباً آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سنت پر عمل کرنا عام سنتوں کی طرح مستحب ہے، لیکن اس سنت پر عمل مقید ہے ایک بہت سخت شرط کے ساتھ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً پس اگر تم کو غالب احتمال ہو کہ کئی بیویاں کر کے عدل نہ رکھ سکو گے بلکہ کسی بیوی کے حقوق واجبہ ضائع ہوں گے تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کرو۔ (بیانُ القرآن) اس زمانے میں ایک ہی بیوی کے حقوق ادا نہیں ہو پاتے چہ جائیکہ دوسری بیوی کے بھی ادا ہوں۔ یہ صحابہ ہی کا ایمان تھا جو چار چار بیویوں میں عدل اور برابری کر سکتے تھے ہم لوگوں میں اب نفس ہی نفس ہے، جس میں حسن زیادہ ہوگا اس کے ساتھ کم حسین کے حقوق میں عدل کرنا آسان نہیں۔ اندیشہ ہے کہ آخرت میں گردن نپ جائے۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو شادیاں کی تھیں۔ کسی نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ نے دو شادیاں کر کے مریدوں کے لیے دو شادیوں کا دروازہ کھول دیا فرمایا کہ نہیں، میں نے دروازہ بند کر دیا۔ دیکھو یہاں دروازہ پر ترازو لٹکی ہوئی ہے کوئی پھل آتا ہے تو یہ نہیں کہ ترازو میں

صرف ہم وزن کر کے دونوں بیویوں کو دوں بلکہ مثلاً اگر دو تربوز ایک ہی وزن کے آئے تو ہر تربوز کو کاٹ کر آدھا آدھا کر کے دیتا ہوں کیونکہ اگر آدھا نہ کروں تو ڈر ہے کہ ایک کے پاس میٹھا چلا جائے اور دوسری کے پاس کم میٹھا جو خلاف عدل ہے، اسی طرح اگر کپڑا دینا ہو تو دونوں کو بالکل ایک طرح کا دیتا ہوں اور کسی بیوی کے پاس اگر چھ گھنٹہ رہا ہوں تو دوسری کی باری پر چھ گھنٹہ گھڑی دیکھ کر اس کے پاس رہتا ہوں وغیرہ۔ اتنا عدل کوئی کر سکتا ہے؟ اس عدل کے باوجود فرمایا کہ دو شادیاں کرنا آسان نہیں، دو شادیاں اتنی مشکل محسوس ہوئیں کہ بعض وقت خودکشی کا وسوسہ آ گیا۔

ارشاد فرمایا کہ دوسری شادی سے بیوی بچوں کے جدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور صرف اندیشہ ہی نہیں اس زمانے میں یہ جدائی یقینی ہے، زندگی تلخ ہو جائے گی، ہمارے سامنے بہت سے واقعات ہیں کہ جن بیویوں نے خوشی سے اجازت بھی دی شادی کے بعد اپنی اولاد کے ساتھ شوہر کے خلاف محاذ قائم کر دیا۔ اگر دل میں کوئی عورت سمائی ہوئی نہیں ہے ہونا نہ ہونا برابر ہے تو دوسری بیوی کی چاہت کا اتنا سخت تقاضا کیوں؟ جبکہ قضائے شہوت کا محل (بیوی) موجود ہے، نفس سے ہوشیار رہیں، اس کے کید بہت باریک ہوتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ دو بیویاں رکھنا اور ان میں برابری کرنا خصوصاً اس دورِ نفس پرستی اور ہوس انگیزی میں سخت دشوار بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بشرطِ مساوات اجازت دی ہے، حکم نہیں دیا کہ کئی کئی شادیاں کرو۔ پس اگر مساوات نہ کر سکے جس کا قوی امکان ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب مول لینا ہے۔ اس لیے دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس اقدام سے باز رکھے کہ ان کے لیے بڑی آزمائش اور بڑا امتحان ہوگا جس میں مواخذہ کا اندیشہ زیادہ ہے۔

ارشاد فرمایا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بہت حسین تھے، مگر ان کی شادی ایسی

عورت سے ہوئی جس پر حسن کا اطلاق ممکن نہ تھا۔ پہلے زمانے میں بچے اتنے شریف ہوتے تھے کہ ماں باپ جہاں رشتہ لگا دیں وہ ماں باپ سے لڑتے نہیں تھے کہ میں کیسا ہوں اور آپ نے انتخاب کیسا کیا؟ خون کے رشتوں کی وجہ سے ترجیح دے دی کہ خون کا رشتہ ہے، اس کا حق ادا ہوجائے گا، صلہ رحمی ہوجائے گی، ایک لڑکی کا گھر بس جائے گا۔ ایک دن ایک شاگرد سے کھانا منگوایا، تیز ہوا سے امام محمدؒ کی بیوی کا نقاب ذراسی دیر کو ہٹ گیا تو دیکھا کہ بیوی امام صاحب کے بالکل برعکس ہے۔ کھانا تو لے آیا، مگر الگ بیٹھ کے رونے لگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کی قسمت پر رو رہا ہوں۔ آپ جس قدر حسین ہیں آپ کی بیوی اتنی ہی غیر حسین ہے۔ امام محمدؒ ہنس پڑے اور فرمایا کہ اے بیٹے! میں اس وقت فقہ پر چھ کتابیں لکھ رہا ہوں زیادات، مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر اور تم لوگوں کو پڑھا بھی رہا ہوں۔ اگر بیوی حسین ہوتی تو اپنی بیوی کے پاس بیٹھا ہوا اس کے حسن کا مشاہدہ، معاینہ اور ملاحظہ کرتا۔ تم کہتے کہ استاد کنزالدقائق کا گھنٹہ ہوگیا، میں کہتا کہ میں حسن الدقائق میں مشغول ہوں۔ پھر جوش میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنے دردِ دل کے لیے منتخب فرماتے ہیں اس کو فانی کھلونوں میں ضائع نہیں کرتے۔

بیوی کے لیے ناک بھوں مت چڑھاؤ کہ ایسی ناک چپٹی ہے، اس کا منہ کالا ہے، مجھے حسین بیوی ملنی چاہیے۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی کے پیٹ سے کوئی عالم، حافظ، ولی اللہ پیدا کردے جو قیامت کے دن تمہارے کام آئے، اس لیے ان کو حقیر مت سمجھو۔ صورت کو مت دیکھو۔ بعض وقت زمین کالی ہوتی ہے، مگر غلہ بہت بڑھیا نکلتا ہے۔ بعض وقت کالی کلوٹی عورت سے ولی اللہ پیدا ہوتے ہیں اور گوری چٹیوں سے شیطان پیدا ہوتے ہیں، اس لیے بیویوں کو حقیر مت سمجھو، ان کے رنگ و روغن کو مت دیکھو۔

کئی مرتبہ لوگوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ اگر کسی کو دوزخ کا عذاب چکھنا ہوتو دوسری شادی کر لے۔

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بندیوں کے لیے سفارش نازل کی عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کہ ان کے ساتھ اچھے سلوک سے رہنا، یہ بتاؤ کہ اگر شیخ کہہ دے کہ میری بیٹی کا خیال رکھنا، تم میرے داماد بھی ہو اور میرے خلیفہ بھی ہو، اگر تم نے میری بیٹی کو ستایا تو خلافت چھین لوں گا تو بتایئے وہ خلیفہ شیخ کی بیٹی کو ستائے گا؟ وہ تو روزانہ ہاتھ جوڑتا رہے گا کہ اپنے ابا سے کچھ مت بتانا، اگر کبھی خطا ہو بھی جائے تو اس کو منا لے گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اگر تم نے دوسری شادی کی تو میری بیٹی فاطمہ کو غم ہوگا اور اگر فاطمہ کو غم ہوگا تو مجھ کو غم ہوگا لہٰذا میں حقِ ضابطہ سے نہیں کہتا حقِ رابطہ سے کہتا ہوں کہ تم دوسری شادی مت کرنا۔ معلوم ہوا کہ ہر جگہ قانون بازی نہیں چلتی، خشک ملائیت ٹھیک نہیں ہے، حقِ رابطہ سیکھو اور حقِ رابطہ سے اللہ سے رابطہ ملتا ہے، اللہ کا دین محبت کا راستہ ہے خشک قانون کا راستہ نہیں ہے مگر اہلِ رابطہ اور اہلِ محبت کی صحبت میں رہنے سے یہ خشکی دور ہو جاتی ہے جیسے کسی کو نیند نہیں آتی، دماغ میں خشکی بڑھ جاتی ہے تو اطباء لکھتے ہیں کہ اس کی کشتی دریا میں ڈال دو اور رات بھر وہاں سلاؤ تا کہ پانی کی رطوبت اس کی ناک سے داخل ہو کر اس کے دماغ کی خشکی دور کر دے تو اہل اللہ کے دریاؤں کے پاس رہو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے قلب میں جو اللہ کی محبت ہے وہ آپ کے قلب میں منتقل ہو جائے گی۔

ارشاد فرمایا کہ اسلام میں بیوی کا دل خوش کرنا اور خوش رکھنا بہت بڑی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے متعلق قرآن پاک میں سفارش کی عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی اپنی بیویوں سے نیک برتاؤ کرو۔ ایک شخص نے

کھانے میں نمک تیز کر دینے پر بیوی کو معاف کر دیا، مرنے کے بعد ایک بزرگ نے خواب دیکھا کہ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اِسی عمل کی برکت سے بخش دیا کہ میں نے اپنی بیوی کے نمک تیز کرنے کو معاف کر دیا تھا۔

ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو چالیس سال کی تھیں شادی کی اور آپ کی ۵۲ ؍سال کی عمر مبارک تک زندہ رہیں مگر اُن کی تکلیف کے خیال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہیں کی کہ بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تکلیف ہوگی۔

شیخ کے ادب کی تعلیم

حضرت والا دامت برکاتہم کے ایک مُجاز نے عرض کیا کہ جب میں خانقاہ آتا ہوں تو بہت سے احباب اور جاننے والے اور مریدین گھیر لیتے ہیں اور مصافحہ شروع کر دیتے ہیں اور بعض ہاتھ چومنے لگتے ہیں اور ایک مجمع سا لگ جاتا ہے جو خانقاہ میں مجھے خلافِ ادب معلوم ہوتا ہے، بہت منع کرتا ہوں لیکن لوگ نہیں مانتے۔ مجھے اس معاملہ میں بہت تشویش ہے۔

ارشاد فرمایا کہ شیخ کا ادب یہ ہے کہ خانقاہ میں جانے کے بعد اپنا وجود ہی نظر نہ آئے کہ ہم کیا ہیں۔ سب مریدین اور معتقدین کو سمجھا دو کہ شیخ کے سامنے میں شیخ نہیں ہوں، شیخ کے سامنے میں شیخ کا غلام ہوں۔ لہٰذا یہاں کوئی میرا ہاتھ چومے گا یا نصیحت سننے کے لیے مجمع لگائے گا یا جوتے اُٹھائے گا تو میں سختی سے پیش آؤں گا، چاہے کوئی مرید ہو یا غیر مرید ہو سب کو ڈانٹ دو کہ مجھے برباد مت کرو اور بدنصیب مت بناؤ کیونکہ اگر میں بے ادب ہوں گا تو بے نصیب ہوجاؤں گا کیونکہ باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح شیخ کے ساتھ سفر میں جاؤ تو خادم بن کر جاؤ، مخدوم بن کر مت جاؤ کہ مریدوں

کے مجمع کو لے گئے، کوئی ہاتھ دبا رہا ہے، کوئی پاؤں دبا رہا ہے، جب مخدوم بنو گے تو شیخ کی خدمت کیسے کرو گے اور نفس کیسے مٹے گا۔ نفس کی چالیں بہت باریک ہوتی ہیں، مخلوق میں عزت دکھا کر نفس اندر اندر خوش ہوتا ہے۔ نفس بہت مشکل سے مٹتا ہے، شیخ کے سامنے ذلیل ہو جاؤ، اس کے پاؤں میں خود کو خوب رگڑ ڈالو۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ حُبِّ جاہ صدیقین کے سر سے بھی سب سے آخر میں نکلتی ہے۔

شیخ کے انتقال کے بعد بھی اس کا اور اس کی اولاد کا، اس کے بیٹوں کا، اس کے پوتوں کا ادب لازم ہے۔ خصوصاً اس کی اولاد، بیٹے پوتے اگر عالم اور حافظ بھی ہوں تو سونے پر سہاگہ ہے کہ ان کو شیخ کی نسبت بھی ہے اور علمِ دین کی نسبت بھی ہے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جہاں بیٹھتے تھے تو پہلے ایک کپڑا بچھاتے تھے لیکن اپنے شیخ حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر حاضر ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ادب کی وجہ سے بغیر کچھ بچھائے زمین پر بیٹھ گئے اور رو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی اور آپ کو بھی اور سب کو باادب بنادے اور بے ادبی سے بچائے، آمین۔ آخر میں فرمایا کہ شیخ کے ادب کا یہ مضمون کبھی کبھی مجلس میں سنوا دیا کرو۔

احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ چند سال پہلے حضرت والا نے ایک صاحب کو اجازت بیعت عطا فرمائی۔ انہوں نے اپنی مجلس کا وہی وقت رکھا جو رات کو حضرت والا کی مجلس کا وقت ہوتا ہے اور مجلس میں نہیں آئے۔ حضرت والا نے ان کے بارے میں دریافت فرمایا کہ کہاں ہیں؟ معلوم ہوا کہ ان کے گھر پر ذکر کی مجلس ہو رہی ہے۔ حضرت والا نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ جو میری مجلس کو چھوڑ کر اپنی مجلس کو گرم کرے گا اس کی گرمیاں بھی سردیاں ہوں گی۔

ایک اجازت یافتہ نے عرض کیا کہ سخت عذر و معذرت کے باوجود اور علم و عمل کے اعتبار سے بے مائیگی کے باوجود لوگ حسنِ ظن کی وجہ سے احقر کو بیانات پر مجبور کرتے ہیں۔ اس وقت یہ ہفتہ واری سلسلہ شہر کی مختلف مساجد میں جاری ہے، پتہ نہیں یہ سلسلہ مجھے جاری رکھنا چاہیے یا نہیں؟

ارشاد فرمایا کہ غور کریں کہ ''لوگ مجبور کرتے ہیں'' کوئی چیز آپ کو اپنے شیخ کی مجلس میں آنے پر مجبور نہیں کرتی؟ ہمارے بزرگوں کا کیا طریقہ رہا ہے؟ اپنے بیانات کی مجالس سجانا یا شیخ کی مجلس میں خود کو مٹانا؟ بیانات کے لیے وقت نکل آنا اور اپنے شیخ کے پاس آنے کی فرصت نہ ملنا قلت محبت کی علامت ہے۔ اولیاء اللہ کی تاریخ شاہد ہے کہ جنہوں نے اپنے مشائخ کی قدر کی، اللہ نے ان ہی سے دین کا کام لیا۔

چندے سے متعلق حضرت والا دامت برکاتہم کی نصیحتیں

واللہ! اختر اپنے بزرگوں کے اعتماد پر، حرم کے اندر کہتا ہے کہ جس کے دل میں اللہ آتا ہے کائنات اس کی نگاہوں سے گر جاتی ہے، اس کے سامنے سلاطین کیا بیچتے ہیں۔ یہ ملاؤں کو حقیر سمجھنے والے ہوش کے ناخن لیں۔ ان کو خبر ہی نہیں کہ اللہ والوں کے قلب میں کیا نعمت ہوتی ہے۔ ورنہ تجربہ کرلو آج کسی کو گورنری مل جائے تو وہ صدرِ مملکت کے جوتوں پر پالش کرے گا اور اللہ والے ہیں کہ خاطر میں نہیں لاتے سلاطین کے تخت و تاج کو۔ اپنے مولیٰ کی یاد میں مست ہیں ؎

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

جس کو اللہ ملتا ہے تو وہ ساری کائنات پر غالب ہوتا ہے اور اگر یقین نہ آئے تو بزرگوں کے اس ادنیٰ غلام کے ساتھ ایک سفر کر کے دیکھو کہ کیسے کیسے رئیس اور مالدار اس فقیر کے سامنے اور بڑے بڑے علماء عزت کرتے ہیں۔ کل جنہوں نے مجھ پر بیت العلم میں پڑھنے پر طنز کیا تھا اور مذاق اڑایا تھا کہ ''ارے تم کو کون پوچھے گا؟ بیت العلوم کو کون جانتا ہے؟'' آج علمائے دیوبند اس فقیر کی بات نوٹ کر رہے ہیں خوب سمجھ لو اللہ والوں کی غلامی معمولی بات نہیں ہے۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست ہوتا ہوں تو میں آسمانوں پر ناز کرتا ہوں ستاروں پر حکومت کرتا ہوں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اصل میں کچھ غیر تربیت یافتہ دنیا دار مولویوں نے امیروں کے دروازے پر جا جا کر چندہ مانگ کر مالداروں کا دماغ خراب کر دیا، ورنہ میں سچ کہتا ہوں کہ اللہ والوں کی دولت کا اگر پتہ چل جائے تو یہ ساری دنیا کے بادشاہ اپنے تخت و تاج ان کے قدموں میں رکھ دیں اور کہیں کہ یہ دولت جو آپ کے اندر ہے ہمیں بھی دے دو ورنہ ہم تلوار سے ابھی حملہ کر دیں گے۔ لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تلواروں سے یہ دولت نہیں ملتی، یہ تو ان کی جوتیاں اٹھانے سے ملے گی۔ جو لوگ کہتے ہیں ان بزرگ پیروں سے کیا ملتا ہے؟ میں کیا کہوں اپنے بزرگوں کی غلامی کے بعد جو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش دیکھ رہا ہوں ایک لاکھ قسمیں کھا لوں تو بھی حق ادا نہیں کر سکتا۔

جو دل پر ہم ان کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کا واقعہ

حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک سرکاری مولوی رام پور ریاست کا ملازم آیا۔شاہ صاحب اس وقت بخاری شریف کا درس دے رہے تھے اس کی بے ادبی دیکھو کہ شاہ صاحب کی تقریری کے درمیان فوراً بول پڑا کہ آپ کو نواب صاحب نے بلایا ہے اور کہا ہے کہ اگر آپ تشریف لائے تو نواب صاحب آپ کو ایک لاکھ اشرفی نذرانہ دیں گے۔اب مولوی سمجھا کہ جیسا میں ہوں ویسے ہی ابھی شاہ صاحب کے منہ سے بھی پانی بہنے لگے گا۔لیکن شاہ صاحب نے کیا فرمایا او مولوی صاحب! سن لاکھ روپے پر ڈالو خاک اور سنو میری بات،اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

جو دل پر ہم ان کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں

وہ مولوی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کو لوگوں نے پہچانا نہیں ؎

اشقیا را دیدۂ بینا نبود
نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

بدبختوں کے دل کی آنکھیں اندھی تھیں، ان کو اچھے اور برے ایک سے نظر آئے۔میرا بھی ایک اردو شعر ہے ؎

لب ہیں خنداں جگر میں ترا درد و غم
تیرے عاشق کو لوگوں نے سمجھا ہے کم

یہ دردِ دل معمولی نعمت ہے؟ اگر ایک کروڑ کی سلطنت بھی شاہ صاحب کو نذر کرتا تو ان کے دردِ دل کی قیمت ادا نہ کرسکتا۔آج بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد اللہ والوں کی جوتیوں کے صدقے میں ملتا ہے، پھر مولوی مولوی ہوتا ہے مولیٰ والا، پھر

اسے خود بھی احساس ہوتا ہے کہ میں رئیس الکائنات ہوں۔ اللہ والا حافظ قرآن ہے، عالم ہے، گھر میں چٹنی روٹی ہے، کپڑوں پر پیوند لگے ہیں مگر اس کا دل مست ہوتا ہے کہ میں رئیس الکائنات ہوں کہ مولائے کائنات میرے دل میں ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ تم شاہ صاحب بنے ہوئے ہو، شاہوں کے پاس تو خزانہ ہوتا ہے تمہارے پاس کتنا سونا ہے؟ اس نے کہا ؎

بخانہ زر نمی دارم فقیرم

ولے دارم خدائے زر امیرم

میرے گھر میں سونا نہیں ہے، میں فقیر ہوں لیکن میرے دل میں سونے کا خالق ہے میں ایسا امیر ہوں۔

حضرت والا دامت برکاتہم کا طرزِ عمل اور سلسلے کی برکات

ارشاد فرمایا کہ میرے سفر افریقہ، امریکہ، کینیڈا، نیویارک، شکاگو، ڈے ٹو رائٹ اور ایڈمنٹن میں ہو رہے ہیں۔ اللہ کی رحمت سے آج سارے عالم میں مجھے یہ توفیق اور سعادت اللہ پاک کی رحمت سے اور بزرگوں کی دعاؤں کے صدقے میں حاصل ہو رہی ہے کہ میرا سفر ہو رہا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے میرے ساتھ سفر کیا ہے ان سے پوچھو کہ میری تقریر کا رنگ مالداروں کے سامنے کیا ہوتا ہے اور علماء کے سامنے کس طرح تقریر کرتا ہوں۔ جن کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ وہ کمپیوٹر سے اپنا پیسہ معلوم کرتے ہیں۔ گن نہیں سکتے۔ جو مجھے جنوبی افریقہ بلاتا ہے اس نے خود ہی بتایا کہ میرے پاس اتنی دولت ہے کہ مجھے خود پتا نہیں، کمپیوٹر سے معلوم کرتا ہوں۔ لیکن اس نے میرا پیر دبایا، تو سارے علمائے جنوبی افریقہ نے کہا کہ اس کو ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی مولوی کا پیر دبایا ہو، لیکن آپ کے پیر کیوں دبا رہا ہے؟ میں نے کہا اس نے میرا اس لئے پیر دبایا کہ میں اس کی جیب نہیں دباتا ہوں، وہ مجھے اپنی دکان

پر لے گیا تھا جو اتنی بڑی تھی جیسے ائیر پورٹ۔اس نے مجھ سے کہا جو چیز آپ کو پسند ہو وہ لے لیں، مجھے بہت خوشی ہوگی۔ میں نے کہا کہ مجھے تو آپ پسند ہیں، اگر آپ میری مجلس میں آئیں اور اللہ کی محبت کی بات سنیں تو میں سمجھوں گا کہ آپ نے ساری دکان میرے نام لکھ دی۔مولانا حسین بھیات بھی ساتھ تھے۔ آپ بتائیے کہ سفر میں میں نے کسی مدرسے کا نام لیا؟ کسی مسجد کے منبر پر، کسی جلسے میں میں نے اپنے مدرسے گلشن اقبال کا نام نہیں لیا،اس لیے کہ کہیں ان کے دلوں میں یہ وسوسہ نہ آجائے کہ اچھا ''آمدم برسرِ مطلب''۔ میں نے کہا کہ یہ اللہ کی محبت ہے اگر میرے پاس مدرسہ بھی نہ ہو اور بالفرض عمارت بھی خانقاہ کی نہ ہو تو ان شاء اللہ اختر جنگل میں بھی بیٹھ جائے گا تو دیکھنا وہاں کیا عالم ہوگا اور دیکھ لیا جنگل میں آپ نے۔ بتاؤ مولوی حسین! جب میں تالاب و دریا کے کنارے جنگل گیا ہوں تو کیا مخلوق کا ایک جم غفیر نہیں پہنچا؟ ؎

چوں بنالم چرخ ہا نالاں شوند
چوں بگریم خلقہا گریاں شوند

مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ شعر ہے اس کو میرے شیخ سناتے تھے اکثر مال میرا میرے شیخ شاہ عبد الغنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جب میں اللہ کی محبت میں روتا ہوں تو ایک مخلوق میرے ساتھ روتی ہے اور جب میں آہ و نالہ کرتا ہوں تو آسمان میرا ساتھ دیتا ہے اور ایسی جگہ پہ آہ کرتا ہوں کہ جہاں کوئی مخلوق میرے ساتھ نہیں ہوتی۔ ؎

آہ را جز آسماں ہم دم نبود
راز را غیر خدا محرم نبود

جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے دنیا والو! جلال الدین جب اللہ کی محبت میں آہ کرتا ہے تو پوری کائنات وہاں نہیں ہوتی میری آہ کا ساتھی

صرف آسمان ہے اور میری محبت کے راز کو سوائے اللہ کے کوئی اور نہیں جانتا۔

ہمارے اکابر کا طریقہ

میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی صاحبِ باطن چندے کے لئے دروازے دروازے نہیں پھر سکتا۔ اگر اس کے قلب میں مولیٰ ہے تو اسے غیرت آتی ہے، بتایئے! آپ نے مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ دروازے دروازے پھر رہے ہوں؟ مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھو زکوۃ کا دس ہزار چندہ آیا تھا مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے واپس کر دیا کہ اس سال جتنے طلباء ہیں ان کے لئے جتنی رقم سال بھر کے لیے چاہیے وہ میرے پاس ہے اس لیے کسی اور مدرسے میں دے دو جہاں ضرورت ہو۔ مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، مفتی محمود الحسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں جامعہ اشرفیہ کے بانی، ہمارے جتنے اکابر گزرے ہیں آپ بتاؤ یہ رسید بک لے کر دروازوں پر گئے ہیں؟ کراچی کے ایک مشہور مولانا جن کی مسجد کراچی میں مشہور ہے، انھوں نے ہمیشہ قربانی کی کھالیں جمع کرنے کے لیے میٹرک پاس لڑکوں کو بلایا اور کہا کہ تم لوگ پتلون پہنتے ہو پتلون ہی میں جانا تاکہ عربی پاجامے اور لمبے کرتے کی توہین نہ ہو کیونکہ تمہارا تو لباس ہی یہی ہے۔

تو انھوں نے کبھی کسی مولوی کو قربانی کی کھال کے لئے نہیں بھیجا، مسٹروں کو بھیجا کہ تم لوگ مسٹر ہو تم جاؤ گے تو تم کو حقیر بھی نہیں سمجھیں گے۔ کیونکہ ڈاڑھی والے کو تین چیزیں جمع کرنا بعض اہلِ فتاوی کے نزدیک مکروہ ہے۔ ڈاڑھی، رمضان اور وہ بیگ جس میں رسید بک ہوتی ہے، کیونکہ اسے دیکھ کر اہلِ مال گھبرا جاتے ہیں اور ظاہر بات ہے کسی مومن کو پریشان کرنا منع ہے۔ ایک لطیفہ بھی ہے کہ ایک مولوی صاحب نے ایک سیٹھ صاحب سے کہا کہ مدرسے میں چندہ دو تو اس نے کہا کہ بھئی دیکھو! آپ ہی لوگوں سے سنا ہے کہ کسی مومن کو

اذیت دینا حرام ہے اور پیسوں کی گفتگو سے مجھے اذیت ہوتی ہے۔ یہ حرام کام مولانا کیوں کررہے ہو آپ؟ آئندہ مال کی بات مت کیا کرو۔

رنگون کے ایک مولوی صاحب کا واقعہ اور حضرت تھانوی ؒ کا جواب

ایک مولوی صاحب رنگون گئے تھے، ان کو چندہ نہیں ملا تو حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے رو رہے تھے کہ حضرت اہلِ رنگون نے میرے ساتھ بہت ہی بے وفائی کی کہ چندہ نہیں دیا۔ فرمایا: مولانا! رنگون کیوں گئے تھے؟ رنگین ہونے؟ حجرے میں دو رکعت پڑھ کر روتے تو اللہ تعالیٰ غیب سے انتظام کرتے اور اگر عزت نفس اور عظمت دین سے کام نہ ہو تو ہرگز دین کا کام مت کرو۔ ہم اس کے مکلف نہیں ہیں، ہم جھونپڑی میں اللہ کی محبت سکھائیں گے، آسمان کے نیچے سکھائیں گے، درخت کے نیچے سکھائیں گے، جنگل اور پہاڑوں کے دامن میں دین سکھائیں گے۔ اختر کو جغرافیائی اعتبار سے تین چیزیں عزیز ہیں: لبِ دریا، دامنِ کوہ اور سکوتِ صحرا۔ الحمدللہ کوئی یہ بات ثابت نہیں کرسکتا کہ اختر یا اس کی اولاد کسی کی دکان پر گئے ہوں۔ بتاؤ دین کا کام ہو رہا ہے یا نہیں؟ یہ میں نے اپنے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری ؒ کا طرزِ عمل

ہمارے شیخ کی مسجد پھولپور میں آج بھی نور میں ڈوبی ہوئی ہے۔ جہاں حضرت کئی کئی گھنٹے روزانہ کبھی پانچ پارے کبھی دس پارے، قصیدہ بردہ مکمل، مناجات مقبول کی ساتوں منزلیں زبانی پڑھا کرتے تھے۔ حضرت نے مسجد کے ایک حصہ پر چھت ڈالی تھی دوسرے حصہ میں چھت نہیں تھی، تہجد عموماً اسی حصہ میں پڑھتے تھے پوری زندگی اس میں گذار دی اور وہیں سے پاکستان

ہجرت کی۔ مگر کبھی کسی سیٹھ سے نہیں کہا کہ یہ چھت خالی ہے اس پر چھت ڈالنا ہے۔ اپنی زندگی میں میں نے حضرت کو دیکھا بڑے بڑے نوابوں نے بلایا ریاست رام پور کے نواب ہوں یا نواب چھتاری ہوں، حضرت والا سب سے مستغنی رہے میں نے خود دیکھا کہ حضرت کے رعب کی وجہ سے نواب چھتاری کے ہونٹوں پر لرزش تھی۔ زندگی اسی درویشی میں گذاردی، بڑے بڑے مالدار بھی آتے تھے، مگر واہ رے میرے شیخ عجیب وغریب حالات تھے یہاں تک کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کہنا پڑا کہ اے پھولپور والو! مولانا کے مدرسے کو چندہ دو، ان کا نام عبدالغنی ہے۔ یہ کسی سے نہیں کہیں گے کہ تم چندہ لاؤ۔ لیکن یاد رکھو اگر تم لوگوں نے چندہ نہ دیا تو تمہاری گردن قیامت کے دن پکڑی جائے گی۔

یہ بات شیخ نے مجھے سنائی اور میں آپ کو بتارہا ہوں۔ جو بات میری زبان سے سنو گے چاہے کوئی کتنا ہی بڑا مقرر ہو لیکن چونکہ وہ ساتھ نہیں رہا لہٰذا روایت درروایت میں روایت کی صحت اور معانی کا صحیح تحفظ مشکل ہوتا ہے اور میں چونکہ بڑی للچائی اور بہت ہی حرص اور طمع کے ساتھ حضرت کی بات سنتا تھا میری آنکھیں بھی شیخ پر حریص تھیں اور کان بھی حریص تھے کہ کوئی لفظ نہ رہ جائے، لہٰذا میرے شیخ نے مجھے سنایا کہ حکیم الامتؒ سرائے میر تشریف لائے تھے اور فرمایا کہ اس مدرسے کا نام بیت العلوم رکھتا ہوں، اللہ اس کو دارلعلوم بنادے اور یہ مصرع پڑھا۔

ہر کجا پستی ست آب آں جا رود

جہاں پستی ہوتی ہے پانی اسی جگہ آجاتا ہے اس لئے جو تواضع سے رہتا ہے اسی کو اللہ ملتا ہے اور جو اکڑ کر رہتا ہے، اہل اللہ سے مستغنی رہتا ہے اس کو اللہ نہیں ملتا اور حضرت حکیم الامت نے پھولپور کے لیے فرمایا کہ پھول کے لفظ کی رعایت سے پھولپور کے مدرسہ کا نام روضۃ العلوم رکھتا ہوں پھولپور کی مناسبت سے۔

پھر عوام سے فرمایا کہ بھئی! عبدالغنی ہے ان کا نام، ان سے امید مت رکھنا کہ یہ تم سے مانگیں گے۔ واقعی میں نے ساری زندگی دیکھا کہ کبھی کسی سیٹھ سے سوائے دردِ دل اور اللہ کی محبت کی باتوں کے ان کی زبان سے پیسے کا نام نہیں سنا۔ اگر کوئی اس زمانے کا شمس الدین تبریزی ہوسکتا تو وہ شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ ہوتے۔

بعض مہتمم حضرات کے طرزِ عمل پر نکیر

ارشاد فرمایا کہ جتنی چادر ہے اتنے پاؤں پھیلاؤ، جتنی استطاعت ہے اس کے بقدر دین کا کام کرو۔ یہ کیا کہ طلباء سے مدرسہ بھرلیا اور چندے کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں، جو مالدار آیا اس سے کہا: دیکھو! اس سال طلباء زیادہ لے لئے ہیں، بجٹ میں پیسے بھی نہیں ہیں ذرا مدرسہ کا خیال رکھنا، یہ کیا ہے؟ اگر دل میں نسبت مع اللہ نہیں ہے تو بجائے اللہ کی محبت کے درد کے تمہاری زبان سے طلبِ زر اور مال کی طلب نکلے گی۔ اور یہاں تک کہ اگر اس مال دار نے کرتے کے اندر ہاتھ ڈال کر کھجلایا تو وہ سفیر سمجھے گا کہ کوئی بڑا نوٹ نکالنے والا ہے۔ ایک سفیر نے خود بتایا کہ ایک سیٹھ سے میں نے کہا کہ چندہ لاؤ تو اس کے کھجلی لگ گئی۔ اس وقت اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا کھجلانے کے لیے سفیر صاحب سمجھے کہ بڑی جیب ہے کوئی بڑا نوٹ نکالے گا لیکن جب اس نے خالی ہاتھ نکالا تو اتنا غصہ آیا کہ بس۔ دوستو ہم نے تو اپنے شیخ سے یہ سیکھا ہے کہ پیٹ میں چٹنی روٹی ڈال لو مگر اہلِ مال سے مستغنی رہو۔ میں واللہ کہتا ہوں جو مہتمم کتنا ہی بڑا خلیفہ ہو لیکن اگر کبھی اس نے مالداروں سے چندہ کے لیے کہا تو اس سے دین کی بات لوگ نہیں سنیں گے، بلکہ صورت دیکھتے ہی ڈر جائیں گے کہ آ گئی کالی بلا، یہ پھر کچھ مانگے گا۔ بس اللہ کی محبت سکھانے کے لئے اپنی زندگی کو وقف کردو، شعبہ تزکیہ نفس بہت حساس مضمون ہے۔ اللہ کی محبت سکھانا بہت حساس

مضمون ہے یہ اتنا نازک مضمون ہے، یہ اتنا مبارک مضمون ہے کہ اس کے ساتھ چندہ اور طلب زر جمع نہیں ہو سکتے۔ بتایئے اگر دن بھر کوئی چندہ مانگے اور کسی رئیس سے کہے کہ میرا بیان کراؤ تو رئیس سنے گا اس کی بات؟ رئیس تو کیا عوام بھی ایسے مولوی کی بات نہیں سنتے۔

ایک عالم کا افسوسناک واقعہ

میں نے ڈھاکہ میں ایک محدث کے لئے ایک رئیس سے کہا کہ یہ بہت بڑے محدث ہیں آپ ان کے مدرسے میں جا کر خود چندہ دے دیں۔ کیونکہ انھوں نے مجھے بتایا کہ ہے وہ مقروض ہیں۔ اس رئیس نے کہا کہ ان محدّث صاحب سے کہئے گا کہ وہ آ کر میرے گھر سے پیسے لے لیں۔ میں نے کہا کہ آپ گھر کیوں بلا رہے ہیں؟ کیا اس میں دین کی عظمت ہے؟ کہا نہیں وہ ہر مہینہ رسید بک لے کر خود آتے ہیں۔ تو آپ ہی بتایئے یہ کیا ہے؟ بس ہم کچھ نہیں کہتے ہیں، جن کے نزدیک اس طرح سوال کرنا جائز ہے وہ جانیں مگر اخترؔ نے جو اپنے بزرگوں سے سیکھا ہے کہ اُمراء کے سامنے استغنا سے رہو لیکن جو لوگ میرے مزاج سے واقف ہیں اور بعض دفعہ میرے ساتھ سفر میں رہے ہیں، افسوس ہے کہ میرے مزاج کی رعایت نہیں کرتے، ان سے کہتا ہوں میرے مزاج کے خلاف کوئی بات ایسی میرے کان میں مت ڈالو کہ جس سے میں تمہاری محبت میں مجبور ہو کر لوگوں کو توجہ دلاؤں یہ میری غیرت اور میرے دینی مزاج کے خلاف ہے۔

علمائے کرام کے لیے آبِ زر سے لکھنے کے قابل بات

آپ بتایئے! سندھ بلوچ سوسائٹی کراچی میں ڈیڑھ سال تک زمین کے اوپر آسمان کے نیچے روزانہ دوستوں کے ساتھ نوافل پڑھ کر دعا کی کہ یا اللہ

یہاں خانقاہ کے لیے کوئی زمین دلوا دیجئے جہاں اللہ کا نام لوں اور دوستوں کو تصوف اور آپ کی محبت سکھاؤں۔ مگر میں نے اس کے لئے کوئی اعلان نہیں کیا کہ مجھے خانقاہ کے لیے پیسے دو۔ تو بھئی میں نے اپنے بزرگوں سے یہی سیکھا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کے لئے مامور فرمایا ہے وہ بہت محتاط رہیں۔ چاہے کوئی کتنا ہی خاص ہو، اخص الخواص ہو اس سے بھی کبھی سوال نہ کریں ورنہ اس کے قلب سے بھی ایسے عالم کی عظمت ختم ہو جاتی ہے۔ دو لفظ میں نے علماء کو بتائے کہ عزتِ نفس اور عظمتِ دین سے کام کرو یہ دو لفظ یاد کرلو، ڈائری میں نوٹ کرلو کہ عزتِ نفس اور عظمتِ دین۔ کوئی تمہارا خاص سے خاص بھی ہو، اس سے بھی نہ کہو تجربہ یہی ہے کہ جو مستغنی رہتا ہے لوگ اس کے دردِ دل کی بات سنتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ ہم بڑا مدرسہ بنائیں اور سوال کر کے اپنے دردِ دل کو مٹی کریں۔ جس کو سو دفع غرض ہوگی انشاء اللہ ہم اسے دین سکھائیں گے، باقی جو اس کام کو دوسرے انداز سے کر رہے ہیں ان پر میرا کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کے مختلف حالات ہیں۔ لہٰذا ہم سب علماء کی عظمتوں کو علی الرأس والعین رکھتے ہیں۔ مدارس کا وجود یقیناً بہت ضروری ہے، لیکن ہم کو جو تعلیم دی گئی میں وہی تعلیم پیش کر رہا ہوں۔ جس کو اس تعلیم سے مناسبت نہ ہو وہ میری تعلیم کو چھوڑ کر دوسرے طبقے سے تعلق کر لے لیکن میں نے جو سبق لیا ہے وہ یہی لیا ہے اور میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔

اِستغناء کی برکات کا واضح ثبوت

کتنے سال سے میں جنوبی افریقہ جا رہا ہوں۔ کتنے بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کبھی میں نے بتایا ہو کہ میرا ایک مدرسہ بھی ہے۔ یہی میں نے شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا ہے۔ ان شاء اللہ شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ کا نام قیامت تک روشن رہے گا۔ اگر مالداروں سے ربط

ہوتا، تو نام ختم ہو جاتا۔ اگر کسی سے مدرسہ نہ چل سکے تو استعفیٰ دے دو یا مدرسہ بند کر دو لیکن امیروں کے سامنے ہاتھ مت پھیلاؤ۔ صاحبِ باطن کو بہت زیادہ حساس رہنا چاہیے اور دیکھو اسی کی برکت سے کام ہو رہا ہے۔ اور مجھے طبعی طور پر اسی ذوق سے مناسبت ہے۔ اور میرے بزرگوں کی برکت ہے کہ جنوبی افریقہ میں تربیت یافتہ کتنے لوگ اس ذوق کے نتیجے میں میرے ہاتھ پر داخلِ سلسلہ ہوئے میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوں اور اپنے بزرگوں کی دعاؤں کا صدقہ سمجھتا ہوں۔

اللہ والوں سے چندے کی سفارش کرانے کی قباحت

مجھے کوئی مالیاتی معاملے میں مجبور نہ کرے۔ یعنی بعض لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے مریدوں میں سے سیٹھ لوگوں کو ایک خط لکھ دیں، کوئی کہتا ہے ٹیلی فون کر دیں، کوئی کہتا ہے چندے کی سفارش کر دیں۔ میں نے کہا میں اپنے لئے نہیں کرتا تو کسی کے لیے کیوں کروں؟ میں چھ سال تک مقروض رہا ہوں۔ جب خانقاہ بنی تھی مجھ پر چھ لاکھ روپے کا قرضہ تھا۔ لیکن یہ طریقہ کہ چندے کی سفارش کرنا اور مالداروں کے دَر پر جانا، بھائی! میرے حلق سے نہیں اترتا۔ اس لئے میں نے اپنے ایسے دوستوں سے کہا کہ مجھے چندے کے لئے مجبور نہ کرو، مجھ سے کبھی مت کہو کہ اتنے روپے کا انتظام کر دو۔ اس بات سے میرے قلب کو اختلاج شروع ہو جاتا ہے، میرے مزاج کو سخت دھچکا لگتا ہے، کیونکہ جب میں اپنے لئے ہی چندہ نہیں کرتا تو دوسروں کے لیے کیوں ذلت اُٹھاؤں؟ ہم مہتمم لوگ تو خود غم میں اور ہزاروں ہموم میں رہتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے نہ میں اپنے لئے چندہ کرنا چاہتا ہوں نہ مجھے کوئی علماءِ دین میں سے مجبور کرے۔

اہل اللہ کی اصل میراث اُن کا دردِ دل ہے

یہ بتا رہا ہوں کہ اہلِ علم حضرات سے بہت ہی مؤدبانہ گذارش ہے کہ

اللہ کے لئے کوئی مجھ سے رقومات اور مالیاتی گفتگو نہ کرے کہ میرے لئے اتنا انتظام کرو، جو میں نے زندگی بھر سیکھا، اللہ کی محبت سیکھی، یہ مجھ سے سیکھنا ہے تو میرے ساتھ رہو ورنہ مجھے متروکِ عنادل قرار دے دو۔ پھول مرجھا جاتے ہیں تو سارے بلبل بھاگ جاتے ہیں۔ ان کا نام متروکِ عنادل رکھا ہے۔ مجھے متروکِ عنادل قرار دے دو لیکن جو بات میں نے اپنے بزرگوں سے سیکھی ہے وہ سکھاؤں گا۔ وہ میراث حاصل کرو جو اختر نے اپنے بزرگوں سے پائی ہے۔ پیسہ اور ساری دنیا، پوری کائنات اگر اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو خدا کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا:

((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً))

(مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ الرقاق، ص:۴۴۱)

آج مچھر کا پر مجھ سے مانگ رہے ہو۔ میرے ساتھ سفر کر کے دیکھو کہ دریاؤں کے کنارے، تالابوں کے کنارے، درختوں کے جھرمٹ میں صحراؤں میں اور پہاڑوں کے دامنوں میں میں نے اللہ کا نام لیا ہے یا سیٹھوں سے مچھر کا پر طلب کیا ہے؟ سچ کہتا ہوں کہ جو مزہ مجھے صحراؤں میں آتا ہے وہ مجھے شہر میں نہیں آتا، میرا ذوق یہ ہے ؎

آہ را جز آسماں ہم دم نبود
راز را غیر خدا محرم نبود

میرے بیٹے مولانا مظہر سلمہٗ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے خلیفہ ہیں۔ وہ کبھی کبھی مقروض بھی ہوئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اس بیٹے کو جزائے خیر دے، کبھی اس نے نہیں کہا کہ ابا آج کل میں مقروض ہوں، کسی مرید سے، آپ اہلِ خیر سے کچھ اشارہ کر دیں تا کہ میرا قرضہ ادا ہو جائے۔ مدرسہ وہی چلاتا ہے، یہ جو ڈیڑھ ہزار طلباء ہیں اس میں حافظ اور عالم ہو رہے

ہیں، اس مدرسہ سے میرا تعلق مولانا کی محنتوں سے ہے۔ میرا تو وہی ذوق ہے کہ جہاں کسی ملک نے اللہ کی محبت میں بلایا فوراً پاسپورٹ ویز الگوایا اور کبھی لندن، کبھی کنیڈا اور کبھی انگلینڈ روانہ ہو گیا۔

سارا عالم حضرت والا کے دردِ دل کا قدردان ہے

ایڈمنٹن والوں سے میں نے کہا جو کینڈا کا بڑا شہر ہے۔ میں تم سے چندہ مانگنے نہیں آیا ہوں۔ ہم تمہارے لئے ایڈمن یعنی دل کی امداد لایا ہوں، ایڈ معنیٰ مدد اور من معنیٰ دل اور ٹن معنیٰ خوشی۔ ایڈمنٹن میں تمہارے دل کی خوشیوں کا ایڈ یعنی امداد لایا ہوں۔ میں اللہ کی محبت سکھانے آیا ہوں۔ میرے دردِ دل کو غنیمت جان لو۔ مجھے اس سے نیچی چیزوں پر مت مجبور کرو، کیونکہ میں عزتِ نفس اور عظمتِ دین پر عمل کرتا ہوں، جنوبی افریقہ کے علماء کو یہی دو لفظ سکھائے کہ عزتِ نفس اور عظمتِ دین کے ساتھ جتنا کام کرسکو کرو ورنہ کام نہیں کرو۔ مولانا مظہر میاں سے بھی میں نے کہا ہے کہ مدرسہ اتنا چلاؤ جتنا عزتِ نفس اور عظمتِ دین سے چلے اور بابا سے یہ توقع نہ رکھنا کہ تم کہہ دو کہ آج کل مقروض ہو گیا ہوں اور باپ سب مریدوں کی جیب تلاش کرے۔ اس مضمون سے مجھے دور رکھو اللہ کے لئے کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا درد بخشا ہے کہ سارے عالم میں جہاں بھی جا رہا ہوں اس وقت ساری دنیا میرے درد کی خریدار ہے۔

شیخ کے ساتھ معاملہ کا ایک سبق

دیکھئے! ایک بات کہتا ہوں کہ ایک زمانے تک مجھ پر قرضہ تھا۔ حضرت شیخ کے حکم پر چھ سال تک خانقاہ تعمیر ہوئی میں نے ایک دفعہ حضرت والا ہردوئی سے عرض کیا کہ حضرت دعا فرما دیجئے کہ میرا قرضہ ادا ہو۔ بس حضرت

نے کہا دعا کرتا ہوں۔ دوسری دفعہ لکھا تو وہاں سے بڑا کڑوا جواب آیا کہ خبردار! آئندہ سے اب مت لکھنا، دعا کے لئے بھی مت لکھنا۔ میں حیران رہ گیا کہ یہ عجیب جلالی شیخ ہے، لیکن معلوم ہوا کہ واقعی شیخ کو بار بار نہیں کہنا چاہیے۔ اس میں ایک قسم کا انشائیہ تو ہے، مگر اس میں دوسرا رخ بھی ہے کہ شیخ کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ شیخ کو اتنا پریس (Press) کرو کہ وہ کسی پریس والے کے پاس جائے کہ چھاپو نوٹ۔ تو میرے کان کھڑے ہو گئے وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ میں نے کبھی مالیاتی معاملے میں شیخ سے دعا بھی نہیں کروائی اور سندھ بلوچ میں کتنی زمینیں خرید رہا ہوں لیکن میں نے شیخ سے کبھی نہیں کہا کہ حضرت! دعا کر دیجئے کہ فلانی زمین بہت اہم ہے اس کے لئے پیسے کا انتظام ہو جائے۔ میں نے سوچا بھئی! دعا کی درخواست کر کے ایک دفعہ مزہ چکھ لیا۔ معلوم ہوا کہ اس معاملے میں شیخ کو استعمال کرنا صحیح نہیں۔ جو اس کے پاس اللہ کی محبت کا تربوز ہے اس کو یوز (use) کرو۔ لہٰذا دوسرے معاملات میں اس کو مت چھیڑو۔ یہ اس کی قدر و منزلت ہے۔ اگر کسی کے پاس ایک کروڑ کا موتی ہے تو اس سے ہلکی اور ادنیٰ چیزیں مت مانگو۔ عزت نفس اور عظمت دین کی خاطر اپنے شیخ کو، اپنے بڑوں کو مجبور مت کرو جس کی وجہ سے ان کی زبان تمہاری محبت میں مغلوب ہو کر کہیں کھل نہ جائے اس سے بہتر ہے کہ مدرسہ کم کر دو اور استطاعت نہ ہو تو کام نہ کرو۔ جھونپڑی میں رہ کر دین کا کام کرو مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔

حضرت والا کی شانِ استغناء

میرے شیخ حضرت پھولپوری نے ایک جھونپڑی بنائی تھی۔ جو بانس اور پھونس کی تھی اس میں بیٹھ کر حضرت پانچ پانچ پارے تلاوت کرتے تھے۔ کوئی شیروانی ہو یا نواب کا بچہ ہو آؤ اسی جھونپڑی کے نیچے بیٹھو اور عبدالغنی سے

دین سیکھو، استغناء سے رہو۔ میں نے اپنے شیخ سے یہی سیکھا ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ مجھے سارے عالم میں لے چلو بس مالیاتی معاملے میں مجھے مت اُلجھاؤ۔ مجھ سے جنوبی افریقہ میں میرے بعض پیر بھائیوں نے کہا کہ آپ چندے کے لیے کسی سے نہ کہیے مگر ہم آپ کے مدرسہ کے لیے چندہ کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میری موجودگی میں آپ ہرگز ایسا نہ کریں۔ لوگ کہیں گے کہ یہ خود تو منبر پر خاموش ہے، اللہ کی محبت کا درد سکھا رہا ہے لیکن اپنے ایجنٹ چھوڑے ہوئے ہیں جو مال گھسیٹ رہے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ اچھا تمہارے جانے کے بعد ہم چندہ کر کے بھیجیں گے۔ میں نے کہا جانے کے بعد بھی چندہ مت کرنا، اس لئے کہ جانے کے بعد اگر تم کہو گے کہ فلانے جو آئے تھے ان کے مدرسے کے لئے چندہ دو تو پھر لوگ یہ سمجھیں گے کہ اس مرغے نے اپنی ککڑوں کوں سنائی مگر مرغیاں چھوڑ گیا جو کٹ کٹ کٹاک کر رہی ہیں۔ اور ہر طرف کٹ کٹ کٹاک کر کے اسٹاک جمع کر رہی ہیں۔ آج ان کے دلوں میں میری کتنی عزت ہے۔ چندہ کی طلب سے سب خاک میں مل جائے گی اور پھر وہ مجھ سے دین کی بات نہ سنیں گے میں اپنے دردِ دل کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کرسکتا۔ مولانا نے کہا کہ آپ نے تو کمال کر دیا۔ میں نے کہا یہ میرا کمال نہیں یہ شاہ عبدالغنی کا کمال ہے۔ کیا کہیں! اُنھوں نے اپنی آہ و فغاں کے سوا کبھی کسی سے اس قسم کی گفتگو نہیں کی۔ لیکن اللہ نے ان کی عزت رکھی۔ اللہ کی رحمت سے مدرسہ چلتا رہا اگرچہ غریب تھا۔ مگر اس غریبی سے جو لوگ پیدا ہوئے اور جو نور عطا ہوا کیا کہنے۔ اب آج کل اسی مدرسہ بیت العلوم میں ناشتے بہت مل رہے ہیں مگر مجھے میرے مدرسے میں بے ناشتہ رکھا، لیکن میں اسی میں خوش تھا۔ میرا ناشتہ مناجات مقبول، نماز اشراق اور میرے شیخ کا بتایا ہوا ایک ہزار مرتبہ اللہ اللہ

تھا اور کوئی ایک قطرہ چائے نہیں دیتا تھا، باسی روٹی بھی نہیں ملتی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پورے مدرسے میں مجھے جو تجلیات وانوارات حضرت شاہ عبدالغنی کے نظر آتے تھے وہ کسی کو دکھائی نہ دیتے تھے۔ مولانا سجاد صاحب نے تقریر میں وہاں کہا یہ طالب علم ہے جس نے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ لیکن میں آج اس تربیت پر اور ان مجاہدات پر شکر ادا کرتا ہوں کہ اے میرے پالنے والے اللہ! تیری ادائے محبوبیت پر اختر فدا ہے۔ جوانی میں مال ودولت آجائے اور شہوات اور نفسانیت کی طغیانی ہو تو کیا ہوگا۔ تنگی میں رکھنا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جس سے میری جوانی محفوظ رہی، اس وقت تنگی کی وجہ سے ہم پیر چنگی بن گئے۔ (حضرت والا کی طبعی ظرافت کی وجہ سے اس طرح کے شگفتہ جملے بے اختیار نکل جاتے ہیں۔ مرتب)

مدرسۃ البنات سے متعلق ضروری ہدایات

(حضرت مولانا مظہر صاحب دامت برکاتہم اور اُن کی اولاد کے لیے)

مرشدنا ومولانا ومقتدانا شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم مدرسۃ البنات قائم کرنے کے حق میں نہیں تھے اس لیے مدرسۃ البنات کا قیام موقوف کر دیا گیا تھا لیکن بہت عرصہ بعد جب حضرت والا کو اطلاع ملی کہ بعض حضرات کے اصرار پر مدرسہ قائم کر دیا گیا ہے تو مندرجہ ذیل ہدایات تحریر فرمائیں۔ (جامع)

(۱)......دار الاقامہ نہ قائم کیا جائے کہ احتیاط میں مشکلات کا سامنا ہوگا۔

(۲)......خواتین استانیوں کو مہتمم یا اساتذہ کرام براہِ راست کوئی ہدایت نہ دیں، نہ بات چیت کریں نہ پردہ سے، نہ فون پر۔ مہتمم کو اپنی بیوی یا خالہ یا بیٹی کے ذریعہ استانیوں کو کوئی ضروری پیغام، ہدایت یا تنخواہ وغیرہ دینے کا اہتمام

ضروری ہے۔ کسی بھی مرد کا استانیوں سے براہ راست ہرگز کوئی بات چیت اور رابطہ نہ ہو اور مہتمم اور اولادِ مہتمم اور مرد استاد کے براہِ راست بات چیت کرنے سے مدرسۃ البنات کے بجائے عشق البنات میں ابتلا کا اندیشہ ہے۔

(۳)......کوشش کی جاوے کہ پانچ سال سے نو سال تک کی طالبات کے لیے ناظرۂ قرآنِ پاک اور حفظِ قرآنِ پاک اور تعلیم الاسلام کے چار حصے اور بہشتی زیور تک تعلیم پر اکتفا کیا جاوے۔ اگر عالمہ نصاب پڑھانا ہو تو عربی کے مختصر نصاب سے تکمیل کرائیں، مگر پردہ شرعی کا سخت اہتمام ضروری ہے ورنہ لڑکیوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ ناظرۂ قرآنِ پاک، بہشتی زیور اور حکایاتِ صحابہ وغیرہ پر اکتفا کیا جاوے اور خواتین معلمات بھی باپردہ ہوں۔

(۴)...... عالمہ نصاب کی لڑکیوں کو شوہر کی خدمات اور آدابِ شوہر کا اہتمام سکھایا جاوے اور عالم شوہر کی تلاش ان کے لیے ہو، ورنہ اگر ڈاکٹر اور انجینئر یا تاجر ہو تو دیندار ہونے کی شرط ضروری ہے۔

(۵)...... پورے مدرسۃ البنات میں عورتوں کا رابطہ صرف عورتوں سے رہے۔ مہتمم اپنی محرم یعنی بیوی یا والدہ اور بہن وغیرہ سے دریافتِ حالِ تعلیمی یا دریافتِ حالِ انتظامیہ کرے۔ اگر اتنی ہمت نہ ہو تو مدرسۃ البنات مت قائم کرو اور مدرسہ بند کردو۔ دوسروں کے نفع کے لیے خود کو جہنم کی راہ پر مت ڈالو۔ مخلوق کے نفع کے لیے مردوں کا لڑکیوں کو پڑھانا یا پردہ سے بھی بات چیت کرنا فتنہ سے خالی نہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ پردہ سے گفتگو کرنے والے بھی عشق مجازی میں مبتلا ہو گئے، لہٰذا اسلامتی کی راہ صرف یہی ہے کہ خواتین سے ہر طرح کی دوری رہے۔

احقر محمد اختر عفا اللہ عنہٗ

اخلاقیات

مندرجہ ذیل ملفوظات کو فیروز میمن صاحب نے کیسٹ سے نقل کیا اور احقر نے مرتب کیا۔ (سید عشرت جمیل میرؔ عفا اللہ عنہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ مبارک

ایک شخص آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آرہا ہے پورے خاندان کا سب سے برا آدمی ہے۔ یہ بہت اہم بات بتا رہا ہوں، یہ بھی دیکھو کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کیا مضمون عطا فرما رہے ہیں، دنیاوی بارش کا تو موسم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کوئی موسم نہیں جب چاہے برسا دیں۔ اس وقت اس کا حکم بتا رہا ہوں کہ اگر دل میں بیوی کی محبت نہ ہو تب بھی محبت کا اظہار کرو جس کی آپ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے دلیل بھی مل جائے گی۔ تو اس شخص کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! یہ جو شخص آرہا ہے یہ اپنے خاندان کا بدترین انسان ہے، اس کے اخلاق اچھے نہیں ہیں، مگر جب وہ قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آیئے آیئے یعنی شاباشی دی کہ آؤ بھئی آؤ، بیٹھو، ان کو کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ آپ اس سے اچھے اخلاق سے پیش آئے۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ ابھی تو آپ فرما رہے تھے کہ یہ اپنے خاندان اور قبیلے کا سب سے بُرا آدمی ہے لیکن آپ نے تو ایسا استقبال فرمایا اور خوب اکرام فرمایا، یہ کیا معاملہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ مدارات کے لیے پیدا کیا گیا ہوں اور مدارات سکھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں کہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤں:

((بُعِثْتُ بِمُدَارَاةِ النَّاسِ))

(الجامع الصغیر للسیوطی)

میں مبعوث کیا گیا ہوں اچھے اخلاق سے پیش آنے کے لیے۔

اب اس میں کیا فائدہ ہے کہ دل تو نہیں چاہتا مگر زبان سے کہتا ہے کہ آیئے آیئے بیٹھیے! اس میں دو فائدے ہیں:

(۱)...... ایک یہ کہ آپ اس کے شر سے بچے رہیں گے، آپ کے دُشمن نہیں بڑھیں گے، وہ آپ کو ستائے گا نہیں۔ وہ سمجھ جائے گا کہ آپ کو اس سے بغض نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کسی بستی سے واپس ہوتے تھے تو وہاں کے کافر روتے تھے کہ آہ! یہ برکت والے لوگ ہمیں چھوڑ کر جارہے ہیں۔ لہٰذا اس طرح رہو کہ کافر بھی آپ کی جدائی سے روئیں۔

(۲)...... دوسرا فائدہ یہ کہ وہ اسلام سے اور ہدایت سے قریب ہوجائے گا، جب آپ دین کی کوئی بات بتائیں گے تو سن لے گا، لیکن اگر آپ نے اس کو کہا کہ نالائق، اُلو کہیں کا، بدتمیز، تو خاندان کا سب سے بُرا آدمی ہے تو کبھی ہدایت قبول کرے گا؟

بعض لوگ ڈاڑھی منڈانے والے کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ کیا کہوں ساری زندگی کے لیے اس کو ڈاڑھی سے محروم کردیتے ہیں۔ ایسے عالم کی زندگی بھی سنت کے خلاف ہے۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق

ایک ہندو پنڈت کا لڑکا چھت سے گرگیا۔ میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ ہسپتال میں اس کو دیکھنے گئے اور فرمایا کہ کافر کی عیادت بھی سنت ہے کیونکہ اس سے وہ اسلام سے قریب ہوجائیں گے کہ مولوی صاحب کو دیکھو ہم جیسے کافر کے بچے کو دیکھنے آئے ہیں۔ ہمارے بڑے بزرگ اخلاق کی بلندیوں کے مینارے تھے۔ سب سے بڑی چیز اصلاحِ اخلاق ہے۔

کامل ایمان والا کون ہے؟

حدیث شریف میں ہے کہ سب سے کامل ایمان اُس شخص کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں جبکہ ہمارے ذہنوں میں یہ ہے کہ جو زیادہ عبادت کرتا ہے، زیادہ حج اور عمرہ کرتا ہے، زیادہ تسبیح وظیفے پڑھتا ہے اس کا ایمان کامل ہے مگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ جس کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں اس کا ایمان سب سے زیادہ اعلیٰ اور اکمل ہوتا ہے۔ اعلیٰ اخلاق نہ ہونے کی وجہ سے کم گھرانے ہیں جو سکون سے رہتے ہیں ورنہ کہیں شوہر کی طرف سے زیادتی ہے تو کہیں بیگم کی طرف سے زیادتی ہے جو شوہر کو بےغم نہیں رکھتی، اس کا نام تو بیگم ہے مگر اپنے شوہر کو بےغم رکھنا نہیں جانتی۔ اس لیے آج آپ جو کچھ سنیں وہ اپنے بیٹوں، بیٹیوں اور بیویوں کو بھی سنائیں۔

عورتوں پر شوہر کے حقوق

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہشتی زیور حصہ نمبر چار میں ''شوہر کے ساتھ نباہ کرنے کا طریقہ'' میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات تحریر فرمائے ہیں کہ عورتوں کو شوہر کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیے۔ اگر بیویاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کریں تو شوہر ان پر مہربان ہوجائے گا۔ ان ارشادات کو بار بار اپنے گھروں میں بھی سنائیے، ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے میاں بیوی میں نہایت ہی محبت اور اُلفت کا تعلق قائم ہوجائے گا اور احقر کے تین مواعظ ہیں ''خوشگوار ازدواجی زندگی''، ''حقوق النساء'' اور ''حقوق الرجال'' ان کو بھی پڑھیے لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیوی آپ سے محبت کرے، اکرام سے رہے، شرارت نہ کرے تو ''خوشگوار ازدواجی زندگی اور حقوق النساء'' پڑھیے

اور اس کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آیئے اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ میری بیٹی اپنے شوہر کے حقوق صحیح ادا کرے تو اس کو ''حقوق الرجال'' پڑھایئے۔

شوہر اور بیوی میں مساوات کا مسئلہ کم عقلی کی دلیل ہے

آج کل عورتوں میں مساوات کا مسئلہ چل رہا ہے کہ ہم شوہر سے کم نہیں ہیں، آپ بتایئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تو یہ ارشاد ہے کہ خدا کے سوا اگر کسی اور کو سجدہ کرنے کے لیے کہتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، یہ مساوات ہے؟ اگر مرد اپنی بیوی کو حکم دے کہ ایک پہاڑ کے پتھر کو اٹھا کر دوسرے پہاڑ پر لے جائے اور دوسرے پہاڑ کے پتھر کو تیسرے پہاڑ پر لے جائے تو اس کو یہی کرنا چاہیے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے اچھی بیوی وہ ہے کہ جب اس کا میاں اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے اور جب کچھ کہے تو اس کا کہا مان لے اور اپنے جان اور مال میں شوہر کے خلاف ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے اس کو ناگواری ہو، بیوی کو شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہیں رکھنا چاہیے اور نفل نماز بھی نہ پڑھے، ہوسکتا ہے اس کو کوئی ضرورت پیش آجائے۔ اب بتائیں یہ مساوات ہے؟ بیوی شوہر کے برابر ہے؟ یہ تکبر ہے اور اس کی وجہ کم عقلی ہے۔

بہشتی زیور میں یہ بھی لکھا ہے کہ کوئی کام شوہر کے مزاج کے خلاف نہ کرو، شوہر اگر دن کو رات بتلادے تو تم دن کو رات کہنے لگو، اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مقصد بہشتی زیور کے حاشیہ میں لکھا ہوا ہے یعنی اس کی انتہائی فرماں برداری کرو۔

سسرال سے نباہ کرنے کا طریقہ

حضرت حکیم الامت لکھتے ہیں کہ جب تک ساس سسر زندہ ہیں بہو کو

چاہیے کہ اپنے ساس سسر کی خدمت اور تابعداری کو فرض سمجھے اور اس میں اپنی عزت سمجھے، ساس نندوں سے الگ ہوکر رہنے کی ہرگز فکر نہ کرے کہ ساس نندوں سے بگاڑ ہونے کی یہی جڑ ہے۔ خود سوچو کہ بچے کو ماں باپ نے پال پوس کر جوان کیا، اب جہاں میاں جوان ہوئے بیوی صاحبہ آتے ہی بوڑھے ماں باپ سے اس کو الگ کرنے کی سازش شروع کر دیتی ہے حالانکہ ماں باپ اس امید پر شادی کرتے ہیں کہ ہم بوڑھے ہوگئے ہیں، بہو آئے گی تو ہمیں ایک گلاس پانی دے گی، کچھ پکا کر کھلائے گی لیکن وہاں معاملہ اُلٹا ہوتا ہے، جب بہو آئی تو ڈولے سے اُترتے ہی یہ فکر کرنے لگی کہ میاں آج ہی ماں باپ کو چھوڑ دے، پھر جب ماں کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرے بیٹے کو مجھ سے چھڑا رہی ہے تو فساد شروع ہو جاتا ہے اور پھر بہو شکایت کرتی ہے کہ ساس بڑی ظالم ہے۔ ذرا خود بھی تو سوچو کہ تمہاری بھی کوئی زیادتی ہے یا نہیں؟ جب تمہارا بیٹا جوان ہوگا، تمہاری بہو آئے گی اور تمہارے بیٹے کو تمہارا مخالف بنائے گی تب پتہ چلے گا لہٰذا آج اپنے بڑوں کا ادب کر لو کل ہماری بیویاں بھی ساس بنیں گی یا نہیں پھر جتنا ادب اپنے ساس سسر کا کرے گی اتنا ہی ادب اللہ تعالیٰ ان کی بہو سے کرائے گا۔ یہ بات حدیث سے ثابت ہے اور راوی بھی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہیں کہ جو اپنے بڑے بوڑھوں کی عزت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے چھوٹوں سے اس کو عزت دلائیں گے، جو جوانی میں اپنے بڑوں کی عزت کرتا ہے جب یہ جوان بڈھا ہوگا اور اس کے چھوٹے جوان ہوں گے تو وہ اس کا ادب کریں گے کیونکہ اس نے اپنے بڑوں کا ادب کیا تھا۔

بڑوں کا ادب کرنے پر دو انعامات کی بشارت

محدثین لکھتے ہیں کہ بڑے بوڑھوں کا ادب کرنے پر دو انعام ملتے

ہیں، نمبر ا: زندگی بڑھ جائے گی کیونکہ جب یہ بڈھا ہوگا تب اس کے چھوٹے اس کا ادب کریں گے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت میں یہ علم موجود ہے کہ یہ بوڑھا ہوگا، تو جس کو شوق ہو کہ بوڑھا ہو کر مرے وہ اپنے بڑے بوڑھوں کا ادب کرے، اگر چاہتا ہے کہ میری زندگی میں خدا برکت دے، مجھے جوانی میں موت نہ آئے تو اپنے بڑے بوڑھوں کا ادب کرے اور دوسرا انعام یہ ہے کہ جب یہ بوڑھا ہوگا تو اس کے چھوٹے اس کا ادب کریں گے تو جو شخص اپنے چھوٹوں سے عزت چاہتا ہو وہ اپنے بڑے بوڑھوں کا، ماں باپ کا، اساتذہ کا، شیخ کا غرض کوئی بھی اپنی عمر سے بڑا ہو اُس کا ادب کرے اور اگر کسی بڑے کو نصیحت بھی کرنی ہے تو ادب سے نصیحت کرو یہ نہیں کہ غصہ سے چڑھ دوڑے کہ آپ نے سنت کے خلاف وضو کیا ہے، آپ کو وضو کرنا بھی نہیں آتا، اب صاحب زادے بیس سال کے ہیں اور جو وضو کر رہا ہے وہ ساٹھ ستر سال کا ہے، چھوٹے مولوی صاحب جو ابھی مدرسہ سے نکل کر آئے ہیں اس کو ڈانٹ لگا رہے ہیں۔ اسی لیے شیخ عبد القادر جیلانی بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولوی کو چاہیے کہ مدرسہ سے نکل کر فوراً مسجد کے منبر پر نہ بیٹھے، کچھ دن اللہ والوں کی صحبت میں رہے اور نفس کو مٹا کر ادب اور انسانیت اور اخلاص سیکھے پھر وہ نصیحت کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو اپنے بڑوں کا ادب کرے گا تو جب یہ بوڑھا ہوگا تو اس کے چھوٹے اس کی عزت کریں گے۔ تو بڑوں کی عزت کرنے سے دو نعمتیں ملیں، عمر میں برکت اور چھوٹوں سے عزت، اور بڑوں کو بھی چاہیے کہ اپنے چھوٹوں پر رحم کریں، یہ حدیث کا جز ہے، پہلے مقدم ہے:

((مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا))

(سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب رحمۃ الصبیان)

جو اپنے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور اپنے بڑوں کا ادب نہیں کرتا، یہاں چھوٹوں پر رحم کرنا پہلے ہے تو ہم لوگوں پر بھی لازم ہے کہ اپنے چھوٹوں کو پیار دیں، محبت پیش کریں، اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((وَمَنْ لَّمْ يُبَجِّلْ عَالِمِيْنَا فَلَيْسَ مِنَّا))

(سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، ج:۴، ص:۳۲۲، دار احیاء التراث العربی)

جو اپنے علماء کی عزت نہ کرے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

بار بار عرض کرتا ہوں کہ جب تقریر ہو رہی ہو تو ادھر ادھر مت دیکھو مقرر کی طرف دیکھو ورنہ آپ کی آنکھیں اِدھر اور کان اُدھر ہوں گے۔ ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے ۔

قدم سوئے مرقد نظر سوئے دنیا
کہاں جا رہا ہے کدھر دیکھتا ہے

لہٰذا اِدھر اُدھر مت دیکھو، کوئی آتا ہے آنے دو، کوئی جاتا ہے جانے دو ۔

کوئی مرتا کوئی جیتا ہی رہا
عشق اپنا کام کرتا ہی رہا

دنیا میں سب کچھ ہوگا، موت ہوگی، پیدائش ہوگی، غمی ہوگی، خوشی ہوگی لیکن ہمارا کام اپنے مالک کو راضی رکھنا ہے، جو اپنے مالک کو راضی رکھے وہ بالکل بے فکری سے سوئے، اس کو خوش رکھنا اللہ کے ذمہ ہے، جو غلام اپنے مالک کو خوش رکھتا ہے مالک کی ذمہ داری ہے کہ اس غلام کی خوشی کا انتظام کرے، اس غلام کو اپنی فکر ہی بھول جانی چاہیے، ہماری فکر بس اتنی ہو کہ ہم اپنے مالک کو ناراض نہ کریں، اپنے مالک کو خوش رکھو کہ ہم سے کوئی خطا تو نہیں ہو رہی، کہیں آنکھیں بغاوت تو نہیں کر رہیں، کان بغاوت تو نہیں کر رہے، دل میں خبیث خیالات تو نہیں آ رہے، اللہ کی مخلوق کے ساتھ بداخلاقی کے تصورات تو نہیں آ رہے ہیں، سوچ لو کوئی دوست

اپنے دوست کی اولاد کے بارے میں گندے خیالات لا رہا ہو تو کیا وہ ایسے شخص کو اپنا دوست بنائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص کو ولایت سے محروم رکھتے ہیں جو قصداً کمینہ پن اختیار کرتا ہے، بلا ارادہ برا خیال آجائے تو توبہ کرلو۔

اچھے اور بُرے اخلاق کے ثمرات

حدیث پاک میں ہے کہ:

((لَاخَیْرَ فِیْمَنْ لَّا یَأْلَفُ وَلَا یُؤْلَفُ))

(مشکاۃ المصابیح، کتاب الآداب، ج:۳، ص:۱۳۹۲، المکتب الاسلامی)

اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ کسی سے محبت کرتا ہے اور نہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس بارے میں ایک حدیث اور سن لیجئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عورتیں تھیں، ایک عورت بہت عبادت کرتی تھی، صحابہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس عورت کے متعلق عرض کیا کہ ایک عورت بڑی عبادت گذار ہے مگر اس کے اخلاق نہایت خراب ہیں، زبان کی نہایت کڑوی ہے، ہر ایک سے ذرا ذرا سی بات پر لڑتی ہے، ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی، سارا محلہ اس سے تنگ ہے۔ آپ نے فرمایا هِیَ فِی النَّارِ یہ جہنم میں جائے گی۔ آہ! کہاں گیا تہجد، کہاں گئی تلاوت، کہاں گئی نماز، کہاں گیا روزہ، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہنم کی وعید سنادی تو جو اخلاق کا کڑوا ہو اور اس کا کڑواپن لوگوں میں مشہور ہو کہ یہ آدمی غصے کا تیز اور اخلاق کا بدتمیز ہے، مغلوب الغضب ہے، ہر آدمی اس سے پناہ مانگتا ہو، ڈرتا ہو تو سمجھ لو کہ ایسا شخص انسان نہیں بھیڑیا ہے۔ اور دوسری عورت کے بارے میں خبر دی گئی کہ یا رسول اللہ! ایک عورت ہے جو فرض، واجب اور سنت مؤکدہ ادا کرتی ہے، ضروری ضروری اعمال کرتی ہے لیکن اس کے اخلاق سے سارا محلہ خوش ہے، اس کا ایسا ٹھنڈا مزاج اور نرم دل ہے کہ سارا محلہ اس سے خوش ہے، کسی کے مصیبت میں کام آنا، کسی کے غم

میں غم زدہ ہوجانا، ہر وقت اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھنا اور سن لو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے، مسکراتے چہرے سے ملاقات کرنا صدقہ ہے، اگرچہ مال نہیں خرچ ہوا لیکن مفت میں صدقہ کا ثواب مل گیا۔ اگر آپ غمگین بھی ہیں تو بھی اس وقت قصداً تبسم لے آیئے، دل نہیں چاہتا مسکرانے کو لیکن ایک مسلمان کو خوش کرنے کے لیے اس سے مسکرا کر پوچھ لیں کہ بھائی کیا حال ہے؟ خیریت ہے؟ جب پیٹ کے لیے تبسم کر سکتے ہو تو اللہ کو خوش کرنے کے لیے تبسم تو مفت کا صدقہ ہے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اچھے اخلاق والی عورت کے بارے میں فرمایا هِيَ فِي الْجَنَّةِ یعنی وہ جنتی ہے۔

مسلمان کے لیے مجلس میں جگہ بنانا اس کا حق ہے

اسی طرح اگر کوئی ملنے آئے تو وہیں اپنی جگہ پہاڑ کی طرح نہ بیٹھے رہیں، ذرا سا کھسک کر اسے جگہ دے دیں، ایسا نہ ہو کہ وہ بے چارہ تنگی سے بیٹھا رہے کیونکہ آگے دوسرا بیٹھا ہوا ہے اور اس کو کچھ ہوش نہیں، یہ بے خودی والے لوگ ہیں، اتنا ہوش نہیں کہ ذرا سا کھسک کر جگہ دے دیں اگر جگہ نہیں ہے پھر بھی تھوڑا سا حرکت کر لو کہ آیئے آیئے تشریف لایئے۔ یہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

ایک صحابی مسجدِ نبوی میں آئے، مسجد میں بہت جگہ تھی مگر پھر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا آؤ آؤ مرحبا اور اپنی جگہ سے ذرا سا کھسک گئے، صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! مسجد میں تو بہت جگہ تھی پھر آپ نے اپنی جگہ سے کیوں حرکت فرمائی؟ فرمایا مسلمان پر مسلمان کا حق ہے کہ جب وہ ملنے آئے تو تھوڑا سا جسم کو حرکت دے دے، ذرا سی جگہ بنا دے تاکہ معلوم ہو کہ اس نے ہمارا اکرام کیا، دیکھا آپ نے! اسلام اس کا نام ہے:

((اَکْمَلُکُمْ اِیْمَانًا اَحْسَنُکُمْ خُلُقًا))

(تہذیب التہذیب، کتابُ النسآء، ج:۲،ص:۱۲۹، دار الفکر)

سب سے کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ آج تصوف کی بنیاد تسبیحات، وظائف، اذکار، نوافل اور مختلف ختمات پر رکھ دی گئی اور اخلاقیات میں یہ معاملہ ہے کہ جب دیکھو بس غصہ چڑھا ہوا ہے۔ بارہا اپنے دوستوں کو دیکھتا ہوں کوئی ملنے آیا ذرا سا حرکت نہیں کرتے کہ آیئے آیئے تشریف لایئے، بیٹھ جایئے۔ یہاں تک کہ بعض کو دیکھا کہ تنگی سے بیٹھے ہیں تو مجھے کہنا پڑا کہ ذرا جگہ دے دو بھائی، تھوڑا سا کھسک جاؤ، ادھر جگہ موجود ہے، لیکن انہیں خود سے ہوش نہیں آتا، عالمِ بے خودی سے خدا نہیں ملتا، دین سراسر بیداری کا نام ہے، ہر لمحۂ حیات، ہر سانس یہ خیال ہو کہ میرا اللہ اس سانس میں ہم سے خوش ہے یا نہیں یہ اصلی پاس انفاس ہے، پاس معنیٰ خیال رکھنا اور انفاس جمع ہے نفس کی، نفس معنیٰ سانس، بعض لوگوں کے ہر سانس میں ذکر جاری ہے مگر کسی گناہ سے پرہیز نہیں ہے، ایسا پاس انفاس اللہ والوں کا شیوہ نہیں ہے۔

مخلوق کے ساتھ بھی اخلاص مطلوب ہے

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصلی پاس انفاس یہ ہے کہ ہر سانس میں خیال رکھو کہ کون سی سانس اللہ کی مرضی کے مطابق گذری اور کون سی سانس اللہ کے تحت الغضب اور نافرمانی میں گذری، جس شخص کو یہ خیال ہو جائے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ والا ہو گیا، اس کو اللہ تعالیٰ سے نسبت قائم ہو گئی لہٰذا دل کی نگرانی کرو کہ دل میں کیسے خیالات آ رہے ہیں، ان خیالات سے اللہ خوش ہے یا نہیں یا اپنی ہی حرام لذت سمیٹ رہے ہو، جب دل میں کوئی خیال آئے فوراً سوچو کہ اس خیال سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے یا ناراض جب دل فیصلہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کو تو گندے خیالات سے

خوشی نہیں ہوتی تو فوراً کہو یا اللہ ان خیالات سے ہم توبہ کرتے ہیں، معافی چاہتے ہیں اگر یاد ہوتو یہ دعا بھی پڑھ لو اَللّٰھُمَّ اَخْلِصْنِیْ بِذَاتِكَ وَبِمَخْلُوْقَاتِكَ اے اللہ! میں آپ کی ذات کے ساتھ بھی اخلاص چاہتا ہوں اور آپ کی مخلوق کے ساتھ بھی اخلاص اور اچھے اخلاق چاہتا ہوں۔

آپ بتاؤ! کسی کی بیٹی کو کوئی بری نظر سے دیکھ رہا ہو، کسی کے بیٹے کو کوئی بری نظر سے دیکھ رہا ہو تو کیا اس وقت باپ کی دوستی کا حق ادا ہو رہا ہے؟ جو اس کی اولاد کا نہیں ہے وہ باپ کا بھی نہیں ہے، جو اللہ کی مخلوق کا نہیں ہے وہ اللہ کا بھی نہیں ہے، جو اللہ کی مخلوق کو بری نظر سے دیکھتا ہے یا مخلوقِ خدا کے ساتھ بدگمانی اور بدخیالی اور خیانت کے خیالات میں مشغول ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوں گے یا ناراض ہوں گے؟ بتاؤ! کیا اللہ تعالیٰ کو پتہ نہیں چلتا؟ اللہ تعالیٰ سینوں کے راز سے باخبر ہیں۔

میری گذارشات غور سے سنیے! آنکھ بند کرکے مت سنیے، آنکھ کھول کر سنیے، کان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، کان کے اوپر کوئی پردہ نہیں ہے، آنکھ کے اوپر پردہ ہے تاکہ آنکھ نامناسب جگہ نہ دیکھے، اس لیے اللہ نے پلکوں کا پردہ لٹکا دیا کہ جب میرے بندہ کو ضرورت پڑے اور نامناسب جگہ آنکھ جانے کی کوشش کرے تو جلدی سے پردہ لٹکا لے لیکن جہاں دیکھنا عبادت ہو وہاں یہ پردہ اٹھالے، بتاؤ! عالم کو دیکھنا عبادت ہے یا نہیں؟

((اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْهِ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ))

(کنزل العمال، ج:۱۵، ص:۱۷۳، دار الکتب العلمیۃ)

عالم کو دیکھنا عبادت ہے، بیت اللہ کو دیکھنا عبادت ہے، اپنے ماں باپ کو محبت واکرام سے دیکھنے کا ثواب مقبول حج کے برابر ہے لہٰذا میری باتیں جتنی محبت سے سنیں گے اور مجھے غور سے دیکھتے رہیں گے اتنا ہی آپ کی برکت سے مضمون کی آمد ہوگی۔

مخلوق کی تکلیف دُور کرنے پر جنت کی بشارت

تو میں عرض کررہا تھا کہ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن ہم کامل ایمان کے ساتھ اُٹھیں اَکۡمَلُکُمۡ اِیۡمَانًا بلکہ کامل نہیں اکمل ایمان جو کامل سے اعلیٰ درجہ کا ہے تو اپنے اخلاق کی اصلاح کرائیے، ہم سب اپنے اخلاق کی فکر کریں، بعض وقت ایک خُلق اللہ کو پسند آ گیا، کوئی ایک عبادت بھا گئی اور اسی سے جنت مل گئی۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ ایک بدکار عورت جنگل میں جارہی تھی، ایک کنویں کے پاس ایک کتا پیاس سے مررہا تھا، اس بدکار عورت نے اپنا موزہ نکالا اور اسے اپنے دوپٹہ سے باندھا۔ بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوپٹہ اوڑھتی تھی، آج تو شریف لڑکیاں بھی سر سے دوپٹہ اتار چکی ہیں، اگر کسی نے بہت زیادہ شرافت دِکھائی تو گلے میں لپیٹ لیا یا کندھے پر ڈال لیا مگر سر کھلا ہوا ہے جبکہ بالوں کا کھولنا حرام ہے، حرام کاموں سے امت کو فلاح کیسے ملے گی؟ لاکھ رات دن وظیفے پڑھ لو، وظیفوں سے کام نہیں بنے گا، جب تک اللہ کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوگا، اللہ خوش نہیں ہوگا وظیفہ کچھ نہیں کرسکتا۔ گھر میں وی سی آر، ٹیلی ویژن، ننگی فلمیں، لڑکے لڑکیوں کا مخلوط نظامِ تعلیم جہاں لڑکیاں ننگے سر پڑھ رہی ہیں آپ بتاؤ کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کے اعمال ہیں یا نہیں؟ جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو نابینا صحابی سے پردہ کرایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی دو بیویوں حضرت میمونہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تشریف فرما تھے کہ اتنے میں ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے پردہ کرو، دونوں بیویوں نے کہا کہ

اے اللہ کے نبی یہ تو اندھے ہیں، فرمایا یہ اندھے ہیں تم تو اندھی نہیں ہو۔

تو دوستو! میں کہہ رہا تھا کہ اس بدکار عورت نے اپنا موزہ نکال کر دوپٹے سے باندھا پھر اسے کنویں میں ڈال کر پانی سے موزہ بھگویا اور کتے کے منہ میں نچوڑ کر اس کی پیاس بجھائی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسی عمل پر اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت عطا فرمادی۔ اخلاق کا درجہ دیکھا آپ نے! لیکن افسوس ہے کہ جو تصوف سیکھ رہے ہیں وہ بھی اخلاقیات کی طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں، جو خانقاہوں سے جڑے ہیں وہ بھی اخلاقیات کو اہمیت نہیں دیتے، حج اور عمرے تو خوب کرتے ہیں لیکن کسی مسلمان کو اذیت پہنچ جائے تو ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی کہ لاؤ کم از کم اس سے معافی تو مانگ لیں، کسی کو اذیت پہنچانا حرام ہے، تکلیف دینے والا کبھی اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا، ولی ہونا تو درکنار ابرار کے رجسٹر سے، نیک لوگوں کے رجسٹر سے بھی خارج ہوجاتا ہے۔

مخلوق میں محبوبیت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے

حدیث شریف میں ہے کہ اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ کسی سے محبت کرتا ہے اور نہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخلوق میں محبوب ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو دو دعائیں دیں:

((اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَحَبِّبْهُ اِلَی النَّاسِ))

اے خدا! اس کو دین کا علم عطا فرما اور اپنی مخلوق میں محبوب کردے، یہ جملہ بتاتا ہے کہ انسان کا اپنی بیوی میں، ماں میں، باپ میں، دوستوں میں اور اپنے ماحول میں محبوب ہونا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی دعا ہے:

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً﴾

(سورۃُ البقرۃ، آیت:۲۰۱)

کہ اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی حَسَنَۃً یعنی بھلائی دے اور آخرت میں بھی حَسَنَۃً دے۔ مفسرین حَسَنَۃً کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آخرت کے حسنہ سے مراد بے حساب مغفرت اور جنت میں داخلہ ہے اور دنیا میں حَسَنَۃً کی دس تفسیریں ہیں:

(۱) نیک بیوی	(۶) صحبتِ صالحین
(۲) نیک اولاد	(۷) تفقہ فی الدین
(۳) علمِ دین	(۸) صحت وعافیت
(۴) اعمالِ صالحہ	(۹) نصرۃ علی الاعداء
(۵) رزقِ حلال	(۱۰) ثناء الخلق

یعنی مخلوق میں تعریف ہو کہ بہت اچھے آدمی ہیں لیکن جب مخلوق میں کسی کا ہر وقت برائی سے تذکرہ ہو رہا ہو تو سمجھ لو کہ اس کے اخلاق خراب ہیں مگر متکبر انسان اس کو تسلیم نہیں کرتا، وہ کہتا ہے کہ ہم کسی کی پرواہ نہیں کرتے، ہم تو اللہ پر نظر رکھتے ہیں، اس جیسا بدتمیز اور متکبر انسان کوئی نہیں ہوگا کہ اللہ پر نظر ہے مگر مخلوق کو ستا رہا ہے، جیسے کوئی کسی کو ستائے اور اس سے کہے کہ مجھے تمہاری پرواہ نہیں، مجھے تمہارے ابا کو خوش کرنا ہے تو بتاؤ کسی کا ابا اپنی اولاد کو ستانے والے سے خوش ہوگا؟ تو ربا بھی اپنی مخلوق کو ستانے والوں سے خوش نہیں ہوتا اس کے برعکس ایک بدکار عورت کتے کو پانی پلا کر اس کی زندگی کا سبب بن کر جنت لے لیتی ہے۔

میں خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بہت پیاری دعائیں دیں، آج ہم اپنے لیے، آپ سب کے لیے اور یہاں جو پردہ نشین عورتیں بیٹھی ہیں ان کے لیے یہ دعا مانگتے ہیں اَللّٰھُمَّ فَقِّهْنَا فِي الدِّيْنِ اے اللہ! ہم سب کو علمِ دین عطا فرما اور خالی علمِ دین مراد نہیں ہے ورنہ فرماتے اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الدِّيْنَ اللہ تعالیٰ اس کو دین کا علم دے دے بلکہ فرمایا اَللّٰھُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ اے اللہ! دین کی فہم، دین کی سمجھ عطا

فرما۔ اب ہم ان دعاؤں کو اپنے لیے کیسے مانگیں اَللّٰھُمَّ فَقِّھْنَا فِی الدِّیْنِ وَحَبِّبْنَا اِلَی النَّاسِ اے اللہ! ہمیں دین کی تفقہ اور سمجھ عطا فرما اور ہم سب حاضرین و حاضرات کو مخلوق میں محبوب کر دے اور ہماری ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو تب سمجھ لو کہ وہ اللہ کا پیارا بندہ بن گیا، مخلوق کو ستانے والا اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا تو یہ دونوں دعائیں یاد کر لیجئے۔ ثناء خلق پر ایک بات یاد آئی، میدانِ عرفات میں سب سے اعلیٰ دعا جو حدیث سے ثابت ہے، وہ ہے:

((لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ
یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ))

(کنز العمال، کتاب الحج، ج:۵،ص:۴۷، دار الکتب العلمیۃ)

آپ بتاؤ اس کلمہ میں کوئی دعا ہے سوا اس کے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لَہُ الْمُلْکُ سلطنت اسی کی ہے وَلَہُ الْحَمْدُ سب تعریف اسی کی ہیں غرض اس میں کوئی دعا نہیں ہے، اس میں کچھ نہیں مانگا گیا سوائے اللہ کی تعریف کے، اگر کوئی پوچھے کہ یہ کیسی دعا ہے جس میں نہ دنیا مانگی گئی نہ آخرت مانگی گئی پھر بھی اسے سب سے اعلیٰ دعا قرار دیا گیا تو اس کا جواب فقہاء کرام نے دیا ہے کہ ثَنَآءُ الْکَرِیْمِ دُعَآءٌ کریم کی تعریف کرنا دعا ہے مثلاً کوئی کسی کریم کی تعریف کرے تو گویا اس نے اپنی ہر حاجت مانگ لی کیونکہ کریم خوش ہو کر اس کی حاجت روائی کرے گا اور اللہ تعالیٰ تو اصلی کریم ہیں لہٰذا اس کی تعریف میں ساری دعائیں آ گئیں۔

تو مخلوق میں کسی بندہ کا تذکرۂ حَسَن ہونا کہ ماشاء اللہ بڑے حلیم الطبع ہیں، بڑے ٹھنڈے مزاج کے ہیں، بڑے ضبط اور صبر والے ہیں، اپنی بیوی کو بھی آرام سے رکھتے ہیں اور دوستوں سے بھی آرام اور اخلاق سے رہتے ہیں، صاحب میں نے تو ان پر کبھی غصہ دیکھا ہی نہیں الا یہ کہ شریعت کا کوئی معاملہ ہو، شریعت کے خلاف غصہ کرنا بھی تو ضروری ہے تو یہ شخص رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا

حَسَنَۃً کی تفسیر ہے کہ ثناء الخلق کی نعمت اس کو حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں دعائیں قبول فرمالیں۔آج کی مجلس میں آپ نے بھی یہ دو دعائیں سیکھ لیں، آج آپ کا آنا سولہ آنہ ہوگیا ان شاء اللہ، اللہ سے یہ دونوں دعائیں مانگ لو اَللّٰھُمَّ فَقِّھْنَا فِی الدِّیْنِ وَحَبِّبْنَآ اِلَی النَّاسِ اے خدا ہم سب کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اپنی مخلوق میں ہمیں محبوب کردے۔اب خواجہ حسن بصری کی ایک تفسیر سنیئے۔

ابرار کون لوگ ہیں؟

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ○ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ○﴾

(سورۃ الانفطار، آیات: ۱۴،۱۳)

یعنی نیک بندے جنت میں جائیں گے اور نافرمان جہنم میں جائیں گے تو ہمیں ابرار بننا چاہیے یا نہیں؟ لیکن ابرار کون لوگ ہیں؟ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ابرار کی تفسیر کرتے ہیں کہ ابرار کون بندے ہیں؟ قَالَ الْحَسَنُ الْبَصَرِیُّ فِیْ تَفْسِیْرِ الْاَبْرَارِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْذُوْنَ الذَّرَّ ابرار وہ ہیں جو چیونٹی کو بھی تکلیف نہ دیں، سن لو اس کو، بعض لوگ بے خیالی میں چیونٹیوں پر پیر رکھے چلے جاتے ہیں۔سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کوئی چیونٹی پر پیر رکھتا ہے تو چیونٹی کا وہی حال ہوتا ہے جیسے انسان پر ہاتھی پیر رکھ دے۔پس اگر ابرار بننا ہے تو بیوی بچوں اور ماں اور باپ کو ستانا تو بہت بڑی بات ہے چیونٹیوں کو بھی تکلیف نہ دو اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْذُوْنَ الذَّرَّ وَلَا یَرْضَوْنَ الشَّرَّ۔

(عمدۃ القاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، جلد:۱، صفحہ:۱۲۳، داراحیاء التراث العربی)

ابرار وہ بندے ہیں جو کسی چیونٹی کو بھی تکلیف نہ دیں اور کسی گناہ سے خوش نہ ہوں۔ آہ! گندے گندے خیالات پکا کر اندر اندر حرام خوشی لی جا رہی ہے اور ابرار بنے ہوئے ہیں جبکہ ابرار کی تفسیر یہ ہے کہ ابرار وہ بندے ہیں جو اللہ کی نافرمانی سے خوش نہیں ہوتے۔ آپ بتائیے! دل میں گندے گندے خیالات پکانا یا پرانے گناہوں کو سوچ سوچ کر حرام مزہ لینا، گھنٹوں اس میں مشغول رہنا اور توبہ نہ کرنا، کیا یہ شخص اللہ کا مقبول ہے؟ اگر یہ اللہ کا مقبول ہوتا تو فوراً تنبیہ ہوجاتی کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں، کیسے خیالات لا رہا ہوں اور نفس سے کہتا کہ نالائق خبیث کیا سوچ رہا ہے، جس گناہ پر اللہ نے ایک قوم پر عذاب نازل کیا اس گناہ کے خیالوں سے مزہ لیتا ہے، تو جس پر اللہ کی مہربانی ہوتی ہے اسے فوراً توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے، جس کو توفیقِ توبہ نہ ہو تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔ علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا﴾

(سورۃ التوبۃ، آیت: ۱۱۸)

یعنی اللہ نے ان پر اپنی مہربانی فرمائی، اس کا کیا مطلب ہے؟ اَیۡ وَفَّقَهُمۡ لِلتَّوۡبَةِ (تفسیر روح المعانی، ج:۱۱، ص:۴۲، دار احیاء التراث العربی) اللہ نے مہربانی فرمائی یعنی توفیقِ توبہ بخشی۔ معلوم ہوا کہ توفیقِ توبہ آسمان سے آتی ہے اور زمین والوں پر یہ اللہ کی رحمت کی علامت ہے کہ اس کو توفیقِ توبہ نصیب ہوجائے۔ اختر قرآن پاک کی آیت پیش کر رہا ہے تَابَ عَلَيۡهِمۡ اللہ نے اپنی مہربانی کی۔ واہ! اس آیت کی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تفسیر کی ہے اَیۡ وَفَّقَهُمۡ لِلتَّوۡبَةِ اللہ نے آسمان سے توفیقِ توبہ زمین والے کو بھیج دی، تو جس کو توفیق توبہ نصیب ہوجائے، یہ اس زمین والے پر اللہ کی رحمت کی علامت ہے لِيَتُوۡبُوۡا تاکہ وہ توبہ کریں اور ہمارے بن جائیں، گناہ کرکے نفس کے بن رہے تھے اب

توبہ کر کے دوست کے بن گئے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ابرار کے رجسٹر میں ہمارا نام کیسے درج ہو جائے تو چاہیے کہ ہم چیونٹیوں کو بھی تکلیف نہ دیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے خوش نہ ہوں، نہ اپنے گناہ سے خوش ہوں نہ دوسروں کے گناہ سے خوش ہوں، اللہ کی نافرمانی دیکھ کر دل غمگین ہو جائے، اپنا گناہ ہو یا کسی اور کو گناہ کرتے دیکھا تو دل کو صدمہ پہنچ جائے۔ یہ تعلق مع اللہ کی دلیل ہے، جس کو اپنے باپ سے محبت ہوتی ہے تو باپ کی نافرمانی کرنے والے بھائیوں کو دیکھ کر وہ دل میں غمگین ہو جاتا ہے کہ تم کیسے نالائق بھائی ہو کہ ابا کو تکلیف دیتے ہو۔ پس مومن کے دل میں خدائے تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے وہ گناہ کے کاموں سے صدمہ محسوس کرتا ہے۔

ایک مرتبہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے تین مرتبہ اپنی جگہ سے ہٹ کر وضو کیا، ایک جگہ وضو شروع کیا پھر اُٹھ کر دوسری جگہ بیٹھ گئے پھر وہاں سے ہٹ کر تیسری جگہ بیٹھ گئے، لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا وہاں چیونٹیاں تھیں جو وضو کے پانی سے منتشر ہو جاتیں اور اُن کا خاندان اِدھر اُدھر بکھر جاتا جس سے ان کو اذیت پہنچتی۔ آہ! یہ ہیں اللہ والے، یہ ہیں ابرار جو چیونٹیوں کو بھی اذیت نہیں پہنچاتے۔

بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین

اپنی بیویوں کی ایک لاکھ خطا معاف کرو، اگر اپنی ایک لاکھ معاف کرانی ہے۔ بھئی! سوچئے کہ جب سے ہم بالغ ہوئے ہیں ہم سے کتنی خطائیں ہوئی ہیں، ہم لوگوں سے کتنی نظر خراب ہوئی، کتنے گناہ ہوئے، کس قدر جھوٹ بولے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ سے اپنی لاکھ خطائیں معاف کرانی ہیں تو اپنی بیویوں کی لاکھ خطا معاف کرو۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ میرے گھر میں لڑائی رہتی

ہے۔ میں نے کہا کہ میں جو مشورہ دوں گا عمل کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! میں نے کہا کہ دفتر جانے سے پہلے الگ کمرے میں جاؤ جہاں کوئی دوسرا نہ ہو اور بیوی سے معانقہ کرو، اس کے گالوں کا پیار سے چمہ لو اور پیشانی بھی چومو، پیشانی چومنا سنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چومی تھی۔ کبھی یہ سنت بھی ادا کرو۔ بہر حال اگر قیامت کے دن اپنی ایک لاکھ خطائیں معاف کرانی ہیں تو اپنی بیوی کی ایک لاکھ خطائیں معاف کرو۔

حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار اپنے نوکر سے کہا کہ میں تمہیں کتنا معاف کروں؟ تم نے مجھے اتنا ستایا ہے کہ میں بھگتّے بھگتے عاجز ہو گیا، اب کتنا بھگتوں؟ بھگتنا کے معنیٰ ہیں برداشت کرنا۔ تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے جتنا تجھے اپنا بھگتوانا ہے اتنا بھگت لے۔ آہ! کیا جملہ ہے۔

غرض اپنی بیویوں کی ایک لاکھ خطا معاف کرو اور ان کو پیار سے رکھو۔ تو ان صاحب نے جن کے یہاں لڑائی رہتی تھی اور بیوی ناراض رہتی تھی جب میری بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کیا اور دفتر جاتے وقت اور آتے وقت اور سوتے وقت اس کو پیار کیا تو ساری لڑائی ختم ہو گئی اور بیوی نے کہا کہ بس اسی بات کی کمی تھی کہ تم مجھے پیار نہیں دیتے تھے۔ بیوی کی پیشانی کا بوسہ لینا اور گال چومنا بھی جائز ہے، مکروہ بھی نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں کہ میری بندی کو پیار کر رہا ہے۔ خاص کر بڈھا جب کسی بڑھیا کو پیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ جوانی میں تو طبیعت کے تقاضے سے پیار کر رہا تھا، اب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے تقاضے سے پیار کر رہا ہے۔ دل نہیں چاہتا بڈھے کا کہ بڈھی کو پیار کرے کیونکہ اس کے دانت باہر آ گئے، گال پچک گئے اور آنکھ پر پونے گیارہ نمبر کا چشمہ لگ گیا۔ اس لیے میں نے لندن میں کہا

تھا کہ اپنی بڈھی بیویوں سے اکیلے میں کمرہ بند کر کے جہاں کوئی اور نہ ہو پیار کرو اور چاہے دل سے نہ کہو، زبان سے کہو تو بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہے کہ اے میری بڑھیا، شکر کی پُڑیا، واہ رے میری گڑیا۔ خصوصاً بڑھاپے میں خوب پیار کرو۔ اگرچہ دل ساتھ نہ دے رہا ہو، پھر بھی اجر ہے، ثواب ہے، ان شاء اللہ۔ اخلاقِ ظاہرہ دکھانا بھی بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہے۔

بیویوں کا ایک حق

لہٰذا دل نہ چاہے پھر بھی بیوی کو پیار کرو، کبھی کوئی جائز فرمائش کرے اس کو پورا کرنا نہ بھولو ورنہ اس کے دل میں یہ ہوگا کہ شوہر کے دل میں ہماری قدر نہیں ورنہ ہماری چائے، بسکٹ وغیرہ کی چھوٹی سی فرمائش ضرور پوری کرتا۔ اس کی فرمائش کو خاص طور سے نوٹ کرو اور جلدی پورا کرو۔ اگر ایک بسکٹ کی فرمائش کرے تو تین پیکٹ لے آؤ، وہ کہے گی کہ تین کیوں لے آئے؟ تو کہو کہ تمہاری فرمائش تو ایک کی ہے، مگر ہماری محبت نہیں مانتی، میرا دل چاہتا ہے کہ میں تین ڈبے لاؤں۔ آہ! ارے یہی اخلاق پیش کر کے جنت چلے جاؤ، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ قیامت کے دن تہجد کا نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے تہجد کیوں نہیں پڑھی، یہ پوچھا جائے گا کہ میرے بندوں کے ساتھ تمہارے کیا اخلاق تھے؟

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنا حق معاف کر دیا لیکن مخلوق کے حق کو زیادہ بڑھایا کیونکہ مخلوق تکلیف محسوس کرتی ہے لیکن ہماری نالائقیوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ حدیث پاک کی دعا ہے:

((یَا مَنْ لَّا تَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُہُ الْمَغْفِرَۃُ فَھَبْ لِیْ
مَا لَا یَنْقُصُکَ وَاغْفِرْ لِیْ مَا لَا یَضُرُّکَ))

(شعب الایمان للبیہقی ومناجاتِ مقبول)

اے وہ ذات! اے میرے اللہ! میرے گناہوں سے تجھ کو کوئی نقصان نہیں

پہنچتا اور اگر تو ہم کو بخش دے تو تیرے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہوگی، پس تیرا جو خزانہ کم ہونے والا نہیں وہ ہمیں دے دے یعنی تو ہمیں معاف کردے اور ہمیں بخش دے اور ہمارے جن گناہوں سے تجھ کو تکلیف نہیں ہوئی تو انہیں معاف کرنے میں آپ کا کیا بگڑتا ہے، پس آپ اپنی رحمت سے ہم کو معافی دے دیں۔ یہ مضمون حدیث شریف کا ہے۔

مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھو اگر تم فرض نماز پڑھ رہے ہو اور کوئی اندھا جا رہا ہے اور سامنے کوئی گڈھا یا کنواں ہے اور ڈر ہے کہ وہ اس کنوئیں میں گر جائے گا تو تم نماز توڑ دو، میرا حق چھوڑ دو، میری مخلوق کا خیال کرو۔ دیکھا آپ نے یہ ہے اللہ تعالیٰ۔ اللہ اللہ ہے بھائی! اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ مخلوق کے معاملے میں کبھی ظلم نہ کرو۔

والدین کو ستانے والے کی توبہ کا طریقہ

اگر کبھی کسی کو ستا دیا ہے مثلاً اگر ماں باپ کو ستایا ہے اور ان کا انتقال ہوگیا، اب پچھتاوا ہوا کہ میں نے ماں باپ کو بہت ستایا ہے تو اس کے لیے بھی راستہ موجود ہے۔ روزانہ یٰسین شریف پڑھ کر ثواب بخشو، صدقہ خیرات سے ایصالِ ثواب کرو اور ان کی مغفرت کے لیے دعا بھی کرو، ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اللہ اس کو فرمانبرداروں میں لکھ دے گا۔

حدیثِ پاک میں اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ اگر کسی شخص کے ماں باپ ناراض ہو کر وفات پا گئے اور وہ ساری عمر قرآنِ پاک پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتا رہے اور کچھ مال بھی مدرسہ وغیرہ میں ان کے نام سے صدقہ جاریہ میں لگا دے تو ان شاء اللہ قیامت کے دن فرمانبردار لکھ دیا جائے گا۔ اور اگر ماں باپ زندہ ہیں تو ان کے پیر پکڑ کر معافی مانگو۔ بیوی بھی زندہ ہے تو اس کو الگ کمرے میں بلا کر لپٹ جاؤ اور کہہ دو کہ ہمیں معاف کرو اور صرف سوکھی معافی مت مانگو۔ ایک عالم

سے سب نے لپٹ کر مصافحہ تو کیا مگر کسی نے ایک روپیہ بھی ہدیہ نہ دیا تو اس نے جنوبی افریقہ سے لندن جا کر مولانا ایوب سورتی سے کہا کہ محبت تو خوب کی مگر مصافحہ خشک کیا۔ لہٰذا محبت کرو تو کچھ ہدیہ بھی دو اور پیر بھی ہدیہ دے، یہ نہیں کہ ون وے ٹریفک چلائے، پیر کے لیے بھی ضروری ہے کہ کبھی وہ بھی ہدیہ دے، دونوں طرف سے ہدیہ ہے، جن احباب سے بے تکلفی ہو ان سے کبھی ہدیہ مانگنا بھی سنت ہے۔ ایک کنجوس سے کسی نے انگوٹھی مانگی کہ اسے دیکھ کر تمہیں یاد کرلیا کروں گا۔ اس نے کہا کہ میں انگوٹھی نہیں دوں گا، جب اپنی خالی انگلی دیکھو تو یاد کرلینا کہ میں نے انگوٹھی نہیں دی۔

بتاؤ! میری تقریر میں مزہ آرہا ہے یا نہیں۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ میری تقریر اور مجلس کو اللہ تعالیٰ نے چٹ پٹی مزیدار بنایا ہے، آج تک کسی نے نہیں کہا کہ میرا دل گھبرا رہا ہے بلکہ جس کا دل گھبراتا ہے یہاں آ کر اس کی گھبراہٹ دور ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان اور کرم ہے۔ اس لیے میں نے اس وقت چند نصیحتیں کی ہیں کہ اپنی بیوی کی ایک لاکھ خطائیں معاف کرو اور غیرت کا نام نہ لو کہ مجھے غیرت آتی ہے کہ بیوی ہو کر ہمیں غلام بنانا چاہتی ہے، لفظ غیرت سے توبہ کرو۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ غیرت تمہاری نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَغْلِبْنَ كَرِيْمًا وَيَغْلِبُهُنَّ لَئِيْمٌ فَأُحِبُّ اَنْ اَكُوْنَ كَرِيْمًا مَغْلُوْبًا وَلَا اُحِبُّ اَنْ اَكُوْنَ لَئِيْمًا غَالِبًا))

(تفسیر روح المعانی، ج:۵، ص:۱۴)

جو کریم شوہر ہیں، لائق شوہر ہیں اُن پر بیویاں غالب رہتی ہیں اور جو نالائق اور کمینے لوگ ہیں وہ بیویوں پر غالب رہتے ہیں، پس میں محبوب رکھتا ہوں کہ میں کریم رہوں، ان سے مغلوب رہوں، میرے اخلاق خراب نہ ہوں اور اس کو

محبوب نہیں رکھتا کہ کمینہ ہو کر ان پر غالب رہوں۔

سن لو! بڑی غیرت غیرت کرتے ہو خاص کر بعض علاقے کے لوگ غیرت کے نام پر بہت ظلم کرتے ہیں، پہلی رات میں بیوی کو بلاقصور مارتے ہیں، کہتے ہیں تاکہ ہمیشہ کے لیے اس پر رعب رہے، کیا کہیں ظلم ہی ظلم ہے۔ ارے محبت ایسی چیز ہے کہ اگر تم پیار سے رکھو گے تو تم پر فدا رہے گی، غلام بنی رہے گی، ہر طرف تعریف کرے گی، اپنے ماں باپ سے بھی کہے گی کہ ہم تو زبان کی کڑوی ہیں، نالائق ہیں مگر آپ کو داماد فرشتہ ملا ہے۔ لہٰذا فرشتے بن کر رہو اور بیوی کی ایک لاکھ خطا معاف کرو، اور قیامت کے دن اپنی معاف کرالو، ان شاء اللہ! اور دل نہ چاہے تو بھی پیار کرو، خاص کر بڑھاپے میں کیونکہ بڑھاپے میں چہرہ خراب ہو جاتا ہے، اس وقت بھی تم پیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس پر ڈبل اجر دے گا کہ اب میرے بندے کا دل نہیں چاہتا، چہرے کا نقشہ بدل گیا، صورت خراب ہوگئی پھر بھی آسمان پر مجھ کو خوش کرنے کے لیے زمین پر مہربانی کر رہا ہے۔ جوانی میں تو سب ہی پیار کرتے ہیں، کافر بھی پیار کرتا ہے لیکن بڈھی بیوی کو پیار کرنا اولیاء اللہ کا کام ہے کہ یا اللہ! تیری بندی ہے۔ اس کا دل خوش کرنے کے لیے کلیجہ سے لگا لیا اور یہ نہیں کہ خشک معانقہ اور خشک مصافحہ کیا بلکہ کبھی سو روپیہ پیش کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اگر زیادہ دیا ہے تو ایک ہزار کا نوٹ پیش کر دیا اور کہا کہ یہ تمہارا ہے جو چاہو خرچ کرو، پوتوں کو دو، نواسوں کو دو، اپنے ماں باپ کو دو، خود کھاؤ۔ حضرت حکیم الامت نے لکھا ہے کہ بیوی کو وظیفہ دینا اس کا ایک حق ہے۔ اس کا نام ہدیہ ہے۔ کچھ رقم ہر ماہ اس کو دو جس کا اس سے حساب نہ لو کہ ایک ہزار روپیہ دیا تھا، کہاں خرچ کیا؟

ماضی میں بیوی پر ظلم کیا ہو تو اسے لپٹا کر معافی مانگ لو کہ جب سے شادی ہوئی ہے آج تک مجھ سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو مجھے معاف کر دو،

اب ہم آئندہ آپ کو محبت سے رکھیں گے، کبھی نہیں جھڑکیں گے، نہ ڈانٹیں گے۔ ان کا ہر مہینہ ہدیہ مقرر کردو اور اس کا حساب نہ لو۔

غرض جن سے دل نہ چاہے ان کے ساتھ بھی اخلاق سے پیش آؤ۔ مخلوق ستائے تو اس کے لیے موت کی تمنا یا بیماری کی تمنا مت کرو، بس یہ کہو کہ اے اللہ! اس کو ہدایت دے دے، اس کے ظلم سے ہم کو نجات دے اور اس کو تلافی کی توفیق دے دے۔

ارے دوستو! قدر کرلو ایک دن اختر بھی قبر میں جانے والا ہے، یہ باتیں اللہ کی رحمت کے صدقے میں ہیں، ہماری اپنی کمائی اور مطالعہ نہیں ہے۔ بزرگوں کی صحبت اُٹھانے کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ وقت پر میرے دل پر مضامین عطا فرماتا ہے۔ آج اس زمانے میں روئے زمین پر اتنی صحبت اُٹھانے والا آپ کو نہیں ملے گا۔ ہر عالم اور ہر دینی مربی سے جا کر پوچھو کہ تم شیخ کے ساتھ کتنا رہے تو ان شاء اللہ میرا عرصۂ صحبت بڑھ جائے گا۔ دس برس تو میں اپنے شیخ کے ساتھ جنگل میں رہا اور سات برس اپنے مدرسہ کا ملا کر سترہ سال ہوئے اور تین سال یہاں، تین برس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ، رات دن روزانہ بلا ناغہ ان کی صحبت میں جاتا تھا۔

اور مولانا شاہ محمد احمد صاحب اتنے بڑے شیخ تھے کہ میرے شیخ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے ان کو اپنا پیر بنایا ہوا تھا۔ اور میرے شیخِ اوّل شاہ حضرت عبدالغنی پھولپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر گئے اور حضرت نے وہاں کی زمین اور آسمان کو دیکھا اور فرمایا کہ مولانا محمد احمد صاحب کا نور میں زمین سے آسمان تک دیکھ رہا ہوں، اتنا بڑا شخص اور حکیم الامت کا خلیفہ مولانا شاہ محمد احمد صاحب کے بارے یہ کہہ رہا ہے، تو مولانا شاہ محمد احمد صاحب کے ساتھ میں تین سال رہا۔

میں فخر نہیں کر رہا ہوں، میں حق تعالیٰ کی رحمت کا شکریہ ادا کر رہا ہوں کہ اختر ان بزرگوں کے پاس نہیں جا سکتا تھا اگر آپ توفیق نہ دیتے کیونکہ میری بالکل جوانی کا آغاز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اولیاء اللہ کی گود میں، اللہ والوں کی گود میں ڈال دیا۔ میں ان کے اولیاء اللہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن اُمت مسلمہ ان کو ولی اللہ سمجھتی ہے اور میں بھی ان کے بارے میں یہی نیک گمان رکھتا ہوں اور ان کے آثار اور علامات بھی ایسے ہی تھے کہ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ اللہ والے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب کی مجلس ہو رہی تھی، دیوبند کے صدر مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی مجلس میں موجود تھے کہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب تقریر کرتے کرتے تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ حضرت مفتی صاحب نے جھک کر مولانا کے چہرہ کی طرف دیکھا اور میرے کان میں فرمایا کہ اب مولانا یہاں نہیں ہیں یعنی زمین پر نہیں ہیں۔ یہ وہ اللہ والے ہیں کہ ذرا سی دیر میں فرش سے عرش پر پہنچ جاتے ہیں تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ اب مولانا یہاں نہیں ہیں۔ الحمد للہ! ایسے ایسے بزرگوں کی اللہ نے زیارت نصیب فرمائی۔ انہی کے صدقے میں یہ مضمون بیان ہو رہا ہے، آپ کا دل فیصلہ کرے گا کہ یہ باتیں آپ کو کم ملیں گی، ہم نایاب نہیں کہتے کمیاب کہتے ہیں، نایاب کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ دعویٰ ہو جائے گا، ہو سکتا ہے اللہ کا کوئی بندہ چھپا ہوا ہو لیکن مختلف خانقاہوں میں بیٹھ کر پھر میری بات سنو پھر آپ کو قدر معلوم ہو گی۔

بندیوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی سفارش

تو یہ عرض کر رہا ہوں کہ سب سے بڑا کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں لہٰذا آج سے ارادہ کر لو کہ ہماری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے خاص کر اپنی بیویوں کے معاملہ میں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے سفارش نازل کی:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

(سورۃ النسآء، آیت:۱۹)

اے ایمان والو! اپنی بیویوں سے بھلائی سے پیش آؤ، اگر تم نے بیویوں کو رُلایا اور ان کی آہ نکلوائی تو یاد رکھو یہ آہ تمہارے اوپر گرے گی، گردہ خراب ہوجائے گا یا کینسر ہوگا یا کوئی اور عذاب نازل ہوجائے گا۔ اختر نے یہ بات اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے اتنی زیادہ دیکھی ہے کہ جنہوں نے اپنی بیویوں کو رُلایا، ان کی آہ نکلوائی وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگئے۔ وہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر، بھائیوں کو چھوڑ کر اللہ کی شریعت و قانون کے مطابق اپنی ساری زندگی ہمیں سونپ دیتی ہیں تو ہمارا بھی فرض بنتا ہے کہ جب ان کے ماں باپ، ان کے بہن بھائی ان کے پاس نہیں ہیں تو ہم ان کی دل جوئی کرنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنی بندیوں کی سفارش نازل فرمائی ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اپنی بیویوں سے بھلائی سے پیش آؤ۔ کیوں صاحب! اگر کسی ملک کا وزیرِ اعظم آپ کو خط لکھ دے کہ تم اپنی بیوی سے اچھے اخلاق سے پیش آنا کیونکہ تمہاری بیوی میری بیٹی کے ساتھ پڑھی ہوئی ہے تو آپ اپنی بیوی کو ستا سکتے ہیں؟ بولیے! تو اللہ تعالیٰ کی سفارش کے بعد اپنی بیویوں کو ستانے کی ہمت کیسے ہوتی ہے۔ بیوی چاہے جوان ہو چاہے بڈھی ہو، منہ میں اس کے دانت نہ ہو، دانت ٹوٹ گئے ہوں، جب جوانی تھی تو خوب پیار کیا، جب بیچاری کے دانت ٹوٹ گئے، گال پچک گئے اب اس کو حقیر سمجھ رہے ہو، یہ ٹھیک نہیں ہے، اس بڈھی کا بھی خیال کرو کیونکہ تمہارے ساتھ بڈھی ہوئی ہے، اُس وقت طبیعت سے پیار کرتے تھے اب اللہ کا حکم سمجھ کر اس کے ساتھ شفقت کرو، اگر اس کے سر میں درد ہوجائے تو دوا لے آؤ۔ غرض اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرو۔

اچھے اخلاق کثرتِ عبادت کا نام نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے اچھے اخلاق اس کے ہیں جس کے اپنی بیوی کے ساتھ اخلاق اچھے ہیں، ہم دوستوں میں تو خوب ہنسیں گے، خوب لطیفے سنائیں گے اور بیوی کے پاس منہ سکوڑے ہوئے جائیں گے یا سنجیدہ بزرگ بن جائیں گے، جیسے ہنسنا جانتے ہی نہیں۔ اب وہ بیچاری تعجب میں ہے کہ یا اللہ میں دن بھر منتظر تھی کہ رات کو میرا شوہر آئے گا تو اس کے ساتھ ہنسوں بولوں گی، بیویوں کے ساتھ ہنسنا بولنا عبادت میں داخل ہے، دوستوں میں رات بھر جاگنا اور بیوی سے بات نہ کرنا صحابہ کی سنت کے خلاف ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں، نہ بیوی کے پاس جاتے ہیں نہ لوگوں سے ملتے جُلتے ہیں تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ان کے گھر گئے، جب حضرت ابودرداء نے ان کی خدمت میں کچھ کھانے کے لیے پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم بھی کھاؤ، حضرت ابودرادء نے عرض کیا کہ میں روزہ سے ہوں، اس پر انہوں نے فرمایا کہ اگر تم نہیں کھاؤ گے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا اور پھر یہ حدیث پیش کی:

((اِنَّ لِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا))

تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے۔ اور فرمایا کہ میں تمہارا مہمان ہوں مجھ سے باتیں کرو، اس کے بعد فرمایا اچھا جاؤ کچھ نفلیں پڑھو، جب نفلیں پڑھ لیں تو فرمایا:

((اِنَّ لِزَوْجَتِكَ عَلَيْكَ حَقًّا))

(سنن النسائی الکبری، ج:۲، ص:۱۲۸، دار الکتب العلمیة)

تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔ پس جاؤ اپنی بیوی کا بھی حق ادا کرو، اس سے بھی باتیں کرو۔

اسی لیے حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے کے لیے سفارش نازل کی ہے تو جو خدا کی سفارش کو رد کردے، یہ حکیم الامت کے الفاظ ہیں میں نہیں کہہ رہا، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اپنے زمانے کے مجدد تھے، وہ فرماتے ہیں کہ جو اپنی بیویوں کو ستائے اور اللہ تعالیٰ کی سفارش کو رد کردے، ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش نہ آئے تو یہ بے غیرت مرد ہے کیونکہ وہ بے چاری کمزور ہے، اس کے ماں باپ اور بھائی اس سے دور ہیں، وہ تمہارے قبضہ میں ہے، دو تین بچوں کے بعد وہ اور بھی کمزور ہوجاتی ہیں اور مرد صاحب مسٹنڈے رہتے ہیں، انڈے کھا کھا کر ڈنڈے دِکھاتے ہیں اور کہتے ہیں صاحب کیا کروں میں تو غصے سے پاگل ہوجاتا ہوں، کہتا ہوں تولیہ دھو، اس نے تولیہ نہیں دھویا۔ ارے بھائی! کیوں تم نے اس کو خادمہ سمجھ رکھا ہے اپنا تولیہ خود دھولو، بیوی اس لیے تھوڑی دی گئی ہے کہ تمہارے کپڑے دھوتی رہے، خود دھولو لیکن اس کو مت ستاؤ۔

غصہ چالاک ہوتا ہے

کراچی میں ہمارے ایک دوست تھے وہ کہتے تھے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم غصے سے پاگل ہوجاتے ہیں بالکل غلط کہتے ہیں، غصہ کبھی پاگل نہیں ہوتا، غصہ بہت ہوشیار ہوتا ہے، جب سیر بھر طاقت والے کے پاس سوا سیر والا آجائے اور ڈنڈا اور چھرا اور چاقو دکھائے تب اس وقت غصہ کہتا ہے کہ معاف کردینا۔ اب غصہ کو یہ عقل کہاں سے آگئی؟ خوب سن لو دوستو! سیر بھر طاقت والا غصہ آدھے سیر والے پر پاگل ہوتا ہے، اپنے سے کمزور پر پاگل ہوتا ہے لیکن جب سوا سیر والا آگیا، محمد علی کلے نے بوکسنگ کا ایک ہاتھ دکھایا تو وہاں ہاتھ جوڑ کر بلی بن گئے۔ معلوم ہوا کہ غصہ میں کوئی پاگل نہیں ہوتا، یہ سب بیوقوفی اور مکاری کی باتیں ہیں پھر بھی میں غصہ کا علاج بتائے دیتا ہوں۔

غصہ کا علاج

جدہ سے میرے پاس ایک خط آیا کہ میری بیوی میں، میرے بچوں میں، سارے خاندان میں غصہ بہت ہے، غصہ کا یہ مرض ایک عذاب بنا ہوا ہے۔ میں نے ان کو لکھا کہ جب دسترخوان بچھاؤ تو سب لوگ مل کر کھاؤ اور کھانے پر سات مرتبہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر دم کرو اور دم کرتے وقت تھوڑا سا تھوک بھی گر جائے مگر ذرّہ کے برابر یہ نہیں کہ ایک تولہ تھوک دیا۔ ملا علی قاری مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں لکھتے ہیں خُرُوۡجُ الۡبُزَاقِ مِنَ الۡفَمِ بزاق کے معنیٰ ہیں کہ تھوک کے تھوڑے سے ذرات گر جائیں۔ تو انہوں نے اس پر عمل کیا، ایک مہینے کے بعد خط لکھا کہ اللہ کے رحمٰن اور رحیم نام کے صدقہ میں ہم سب پر شانِ رحمت آ گئی، ہمارے غصے ختم ہو گئے اور ہم معتدل مزاج کے ہو گئے۔ اس لیے اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ کسی بزرگ سے مشورہ کرلو، آج ہم نے بزرگوں سے، اللہ والوں سے تعلق چھوڑ دیا، اپنا علاج خود ہی کرنے لگے، روحانی بیماری کا کوئی مرض ایسا نہیں جو اچھا نہ ہو سکے، پوچھ کر عمل کر کے دیکھو۔

پُرسکون زندگی حاصل کرنے کا طریقہ

بعض لوگ اپنے ماں باپ کو ستاتے ہیں، اپنے شیخ کو ستاتے ہیں، اپنی بیویوں کو ستاتے ہیں، اپنے بچوں کی بے جا پٹائی کرتے ہیں، گلاس گر گیا تو مار مار کر ہڈی توڑ دی اور بچہ کو ہسپتال میں داخل کرنا پڑا جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جیسے تمہاری زندگی ہے برتنوں کی بھی زندگی ہے، ان کی بھی موت لکھی ہوتی ہے جس دن گرنا ہے گر کر رہے گا، اس لیے ذرا نرمی سے تنبیہ کر دو کہ مضبوط ہاتھوں سے برتن پکڑو، یہ نہیں کہ مار، پٹائی اور ظلم و تشدد شروع کر دیا، یہ اسی کا عذاب ہے کہ آج ہم سکون سے نہیں ہیں۔

بیوی کو ستانے کا عذاب

بیویوں کا دل اتنا حساس ہوتا ہے کہ ان کو ذرا سا جھڑک دو کہ آج ہم بہت تھکے گئے ہیں، تم کیا کام کرتی ہو دن بھر آرام سے پڑی رہتی ہو، اب وہ بے چاری رات بھر رورہی ہے کہ یا اللہ میں اس ظالم کے پیار کی بھوکی تھی کہ گھر آئے گا، مسکرائے گا، کچھ بولے گا، یہ تو ایسا تھکا ماندہ آیا ہے کہ آتے ہی سو گیا، ان مظلوموں کی آہ براہِ راست آسمان پر جاتی ہے، اللہ ان کے آنسوؤں کو دیکھتا ہے، ایسے ظالم شوہروں کو میں نے سخت عذاب میں مبتلا پایا۔

ایک صاحب کی بیوی کالی رنگت کی تھی، انہوں نے اسے چھ بچوں کی ماں ہونے کے باوجود طلاق دے دی کہ ہم بہت حسن پرست ہیں، ہمیں بہت خوبصورت بیوی چاہیے، میری ماں نے غلطی کی جو ایسی عورت سے میری شادی کردی۔ یہ بات انہوں نے خود مجھ سے کہی، یہ سنا سنایا قصہ نہیں آنکھوں دیکھا حال ہے، انہوں نے کہا کہ اب مجھ سے گذارہ نہیں ہوگا۔ میں نے ان کو بہت سمجھایا کہ ایسا نہ کرو لیکن وہ نہیں مانے۔ اس عورت نے کہا کہ جب میں آپ کو پسند نہیں تھی تو یہ چھ بچے کہاں سے آگئے؟ اُسی وقت طلاق دے دیتے تو میری شادی آسانی سے ہوجاتی، اب چھ بچوں والی بنا کر مجھے طلاق دے رہے ہیں، ان صاحب نے کہا کہ نہیں میں مجبور ہوں، اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، میں کسی حسین عورت سے شادی کروں گا اور اسے طلاق دے دی، جب وہ چھ بچوں کو لے کر گھر سے نکلی تو سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور بزبانِ حال یہ شعر پڑھا ؎

ہم بتاتے کسے اپنی مجبوریاں
رہ گئے جانبِ آسماں دیکھ کر

اس کے بعد شوہر صاحب نے ایک خوبصورت لڑکی سے شادی کرلی، چھ مہینے بھی نہیں گذرے تھے کہ ان پر فالج گر گیا، اس کے بعد تقریباً دس سال تک زندہ

رہے اور چارپائی پر پاخانہ پھرتے رہے اور وہ حسین لڑکی بھی بھاگ گئی کہ ایسے شخص سے میرا گذارہ کیسے ہوگا؟ دیکھا آپ نے یہ ہوتا ہے خدا کی بندیوں کو ستانے کا انجام! اس لیے عرض کرتا ہوں کہ اپنی مظلوم بیویوں کی آہ مت خریدو۔

بیوی پر مہربانی کرنے کا انعام

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

((خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ))

(سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی ﷺ)

تم میں سب سے اچھے اخلاق اس کے ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ مہربانی کرتا ہے، ان کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے۔ حکیم الامت تھانوی نوّر اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ایک مزدور نے بڑی محنت کر کے پسینہ گرا کر پیسے جمع کیے اور مرغی لایا، بھوک بھی سخت لگی ہوئی تھی مگر کھانے میں بیوی سے نمک اتنا تیز ہوگیا کہ اس سے کھایا نہیں گیا، مگر بیوی کو کچھ نہیں کہا، اللہ والا آدمی تھا، اس نے سوچا کہ اگر میری بیٹی کے ہاتھ سے نمک تیز ہوجاتا تو میں کبھی نہ چاہتا کہ میرا داماد اس کو جوتے مارے تو میری بیوی بھی کسی کی بیٹی ہے، ہم اپنی بیٹیوں کے لیے تو تعویذ مانگتے ہیں کہ مولانا صاحب تعویذ دے دو تاکہ میرا داماد میری بیٹی کو پیار محبت سے رکھے، خطا ہو جائے تو اس کو معاف کردے، اسے گالیاں نہ دے، جوتے نہ مارے، اس سے منہ نہ پھلائے، اپنی بیٹی کے لیے تعویذ لیتے ہیں یا نہیں؟ اور آپ کی بیویاں بھی تو کسی کی بیٹیاں ہیں یا نہیں؟ بولو بھئی! تو کھانے میں نمک تیز ہوجانے کے باوجود شوہر نے بیوی کو معاف کردیا اور کہا کہ یا اللہ آپ کی بندی سمجھ کر اس کو معاف کرتا ہوں جو چند دن کے لیے مجھے ملی ہے، پھر نہ ہم ہوں گے نہ یہ ہوگی، سب قبروں میں لیٹے ہوں گے، میں آپ کو خوش کرنے کے لیے آپ کی اس بندی کی خطاء کو معاف کرتا ہوں۔ حکیم الامت مجدد الملت اپنے وعظ

میں بیان کرتے ہیں کہ جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کو ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اے بھائی! اللہ کے یہاں تیرا کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا کہ میرے بڑے گناہ تھے لیکن اللہ نے فرمایا کہ تو نے جو نمک تیز کرنے پر میری بندی کو معاف کردیا تھا اس کے بدلہ میں میں تجھ کو معاف کرتا ہوں۔

اکمل ایمان کیسے حاصل کریں؟

آج ایک حدیث سن لیجئے، ان شاء اللہ اس کی برکت سے ایمان کامل نہیں اکمل ہوجائے گا، بس فرض، واجب، سنت مؤکدہ پڑھ لو، زیادہ نفل، حج، عمرہ بہت زیادہ تسبیح اور نفلی عبادات چاہے کم ہوں مگر اخلاق اچھے کرلو تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کے اخلاق مخلوقِ خدا کے ساتھ اچھے ہوں گے قیامت کے دن اس کا ایمان کامل ہی نہیں اکمل ہوگا۔ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ))

(صحیح البخاری، کتاب الجماعۃ والامامۃ، ج:۵، ص:۹۷، ۲۳، دار ابن کثیر۔ الیمامۃ)

کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہاں علامہ بدرالدین عینی نے ایک علمی اِشکال کیا ہے کہ کیا پیر سے مارنے کی اجازت ہے؟ کیونکہ حدیث میں صرف دو باتیں ہیں زبان سے تکلیف نہ دو اور ہاتھ سے تکلیف نہ دو مگر پیر کا ذکر نہیں فرمایا لہٰذا کیا زبان اور ہاتھ کو بچاؤ اور دو لات لگا دو؟ تو علامہ بدرالدین عینی اس کا جواب دیتے ہیں کہ جو اعضاء تکلیف پہنچانے میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں وہ دو ہیں زبان اور ہاتھ، لات کی نوبت تو بہت کم آتی ہے تو جب زیادہ استعمال ہونے والے اعضاء کی حفاظت کی مشق ہوجائے گی تو لات کی تو نوبت ہی نہیں آئے گی، اس کو قابو کرنا بالکل آسان ہوجائے گا۔

علامہ ایک اِشکال اور کرتے ہیں کہ زبان سے تکلیف ہوتی ہے یا زبان کے الفاظ سے تکلیف ہوتی ہے، زبان میں تو ہڈی بھی نہیں ہے، وہ تو ملائم گوشت کا ٹکڑا ہے۔ اگر آپ غصہ میں اپنی بیوی کے گال پر زبان کو زور سے رگڑیں تو کیا وہ کہے گی کہ ہائے میں مرگئی؟ اسی لیے علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہیں فرمایا اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ اَلْفَاظِ لِسَانِہٖ یعنی مسلمان وہ ہے جس کے الفاظ سے لوگوں کو اذیت نہ پہنچے، زبان بے چاری کیا تکلیف پہنچائے گی۔ علامہ بدرالدین عینی اس کا جواب دیتے ہیں کہ بعض وقت بغیر الفاظ کے بھی زبان سے تکلیف دی جاسکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ نبوت میں کمالِ بلاغت دیا گیا تھا، آپ نے لسان اس لیے فرمایا تاکہ اس میں وہ لوگ بھی داخل ہوجائیں لِیَدْخُلَ فِیْہِ الَّذِیْ یُخْرِجُ لِسَانَہٗ اِسْتِہْزَآءً (المرقاۃ، ج:۱،ص:۱۳۷، دارالکتب العلمیۃ) جو کسی کا مذاق اُڑانے کے لیے زبان کو باہر نکالتے ہیں اور ہلا کر بھاگ جاتے ہیں، اس میں کوئی لفظ بھی نہیں نکلتا، بچے اکثر ایسا کرتے ہیں، جب دیکھتے ہیں کہ پٹائی ہو رہی ہے اور بدلہ نہیں لے سکتے تو بچے زبان نکال کر، منہ چڑا کر بھاگ جاتے ہیں اور بعضے بڑے بھی ایسا کرتے ہیں تو علامہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مِنْ لِّسَانِہٖ اس لیے فرمایا تاکہ وہ ظالم، وہ موذی، وہ تکلیف دینے والے بھی اس حدیث میں شامل ہوجائیں جو زبان کو نکال کر ہلا کر مذاق اڑا دیتے ہیں اور بولتے کچھ نہیں۔

مخلوق پر احسان کرنا اچھے اخلاق کی نشانی ہے

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک ملازم کو ڈانٹ رہے تھے، اس نے کہا حضور خطا ہوگئی معاف کردیجیے، فرمایا تم نے ایک درجن خطائیں کی ہیں، میں کتنا بھگتوں؟ یعنی کتنا برداشت کروں تو تبلیغی جماعت

کے بانی مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت پاس بیٹھے ہوئے تھے جو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے سگے چچا بھی تھے، انہوں نے شیخ الحدیث کے کان میں فرمایا کہ قیامت کے دن جتنا اپنا بھگتوانا ہو، جتنی اپنی خطاؤں کی معافی کرانی ہو اتنا یہاں بھگت لو اور اللہ کے بندوں کو معاف کر دو۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھانجے حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے ناراض ہو گئے اور قسم اُٹھائی کہ اب میں ان کو کبھی کچھ نہیں دوں گا۔ حضرت مسطح بدری صحابی تھے، بدری صحابہ اللہ کے مقبولین میں سے ہیں اور اللہ ایک دفعہ جس کو قبول کرتا ہے پھر اس کو کبھی مردود نہیں کرتا، ہم لوگ تو اس لیے مردود کر دیتے ہیں کہ ہم کو مستقبل میں کسی کی وفاداری کا علم نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اُسی کو مقبول بناتے ہیں جو علم الٰہی میں ہمیشہ مقبول ہوتا ہے، ماضی، حال، مستقبل اللہ تعالیٰ کو سب کا علم ہے چنانچہ جس کو ایک مرتبہ قبول کر لیتے ہیں پھر کبھی اس کو مردود نہیں فرماتے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر سے حضرت مسطح کے لیے سفارش نازل فرمائی:

﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾

(سورۃ النور، آیت:۲۲)

اے ابو بکر صدیق! کیا تم محبوب نہیں رکھتے کہ میرے اس بدری صحابی کو جس نے بدر میں جنگ لڑی تھی اور میں نے اس کو اپنا مقبول بنا لیا تھا، جس سے بے شک غلطی ہو گئی لیکن میں اس کو معاف کرتا ہوں اگر تم اس کو پسند کرتے ہو کہ اللہ تم کو بخش دے تو تم میرے مسطح کو معاف کر دو۔ یہ تفسیر جو میں پیش کر رہا ہوں روح المعانی میں اس آیت کے شانِ نزول میں موجود ہے۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے عرض کیا کہ اے اللہ! میں اس بات کو محبوب رکھتا ہوں کہ آپ مجھے قیامت کے دن بخش دیں، میں آپ کے اس بندہ کو معاف کرتا ہوں بلکہ اس پر پہلے سے بھی زیادہ احسان کروں گا۔

بیویوں کی کڑوی باتوں پر درگذر سے کام لیں

اب رہ گیا یہ کہ بیویاں بھی تو ہمیں ستاتی ہیں تو اس کے بارے میں سن لو کہ اگر یہ عورتوں کا مجمع ہوتا تو میں ان کے سامنے آپ کی طرف داری کرتا، ان کو یہ سکھلاتا کہ اپنے شوہروں کی عزت کرو، ان کو ناراض مت کرو ورنہ تمہاری عبادت قبول نہیں ہوگی لیکن اس وقت آپ ہمارے ہاتھ لگے ہوئے ہیں تو اس کے خلاف والا مقدمہ پیش کررہا ہوں کہ بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ لیکن پھر بھی میں چند واقعے پیش کیے دیتا ہوں جن سے آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ اگر وہ ستاتی بھی ہیں تو بھی آپ صبر کریں، اگر بیوی غصہ کی تیز ہے، کڑوی کڑوی باتیں سناتی ہے تو اس کو برداشت کریں، ان شاء اللہ اسی سے آپ اللہ کے پیارے ہوجائیں گے۔

مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ کی بیٹی کڑوی زبان والی ہے اور آپ کو داماد شریف مل گیا اور آپ کی بیٹی نے آپ سے آکر کہا کہ اگر میں اپنے شوہر کو کڑوی بات کہہ دیتی ہوں، ستاتی ہوں، غصہ دِکھاتی ہوں پھر بھی میرا شوہر مجھے کچھ نہیں کہتا، آپ کا داماد فرشتہ ہے، مجھ سے کوئی بدلہ نہیں لیتا بلکہ جب اس سے برداشت نہیں ہوتا تو باہر چلا جاتا ہے، تو آپ بتائیے کہ ایسے داماد کے بارے میں ابا کا دل کیا کہے گا؟ بولو بھئی! ابا کہے گا کہ کوئی بلڈنگ ہوتی تو اس کے نام لکھ دیتا، کار ہوتی تو اس کو دے دیتا تو جو لوگ ربا کی کڑوی مزاج اور غصے والی بندیوں کی بداخلاقیوں اور کڑوی باتوں کو برداشت کررہے ہیں تو ربا بھی ایسے بندوں سے خوش ہوجاتے ہیں کہ اپنے اس بندے کو میں کیا دوں، نسبت مع اللہ کا اعلیٰ مقام، تعلق مع اللہ کا اعلیٰ مقام عطا فرماتے ہیں۔ بہرحال اللہ ایسے لوگوں کو اپنا بہت بڑا ولی بناتا ہے، جب ابا داماد کو انعام دے سکتا ہے تو ربّا اس بندے کو کیوں انعام نہ دے گا جو اس کی ایسی بندیوں کو پار لگادے جو زبان کی

کڑوی ہوں۔اب ایک واقعہ اور سنیں۔

ایک بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! مجھے کوئی کرامت دے دیں، تیری یہ بندی جو میری بیوی ہے بڑی کڑوی کڑوی باتیں کرتی ہے جو مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں، میرا بھی غصہ تیز ہے اس کا بھی غصہ تیز ہے ؎

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

لہٰذا آپ مجھے کوئی کرامت دے دیں تاکہ میں اس پر اپنی بزرگی کا رعب جما دوں تاکہ وہ مجھ کو ولی اللہ سمجھ کر میری بد دعا کے ڈر سے مجھے نہ ستائے۔آسمان سے آواز آئی کہ اپنی چارپائی پر بیٹھ جا میں اس کو اُڑنے کا حکم دوں گا، پھر اس کو بتانا کہ دیکھ آج میں نے تجھ کو کیسی کرامت دکھائی، اب تو تو مجھے بزرگ مان کر مجھے ستانا چھوڑ دے۔تو ان کے بیٹھتے ہی چارپائی اُڑنے لگی، انہوں نے اپنے گھر کے صحن کے اوپر سے اُڑ اُڑ کر بیوی کو دِکھایا، پھر آ کر اس سے پوچھا کہ آج تم نے کوئی بزرگ دیکھا؟ کہا ہاں! آج ایسے بزرگ دیکھے جو آسمان پر اُڑ رہے تھے، میرے صحن پر سے کئی دفعہ گذرے، بزرگ اس کو کہتے ہیں، ایک تو ہے خوامخواہ کا بزرگ بنا ہوا ہے، ہر وقت زمین ہی پر دھرا رہتا ہے کبھی تو نے اُڑ کر دکھایا؟ تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! وہ میں ہی تھا، اللہ نے مجھ کو کرامت دی تھی، تو بیوی کہتی ہے توبہ توبہ وہ تم تھے! جب ہی تو کہوں ٹیڑھے ٹیڑھے کیوں اُڑ رہے تھے۔دیکھا آپ نے کرامت کو بھی اس نے گڑبڑ کر دیا۔

ایک صاحبِ کرامت بزرگ تھے شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ، ایک شخص ہزار میل دور سے ان سے مرید ہونے آیا، شیخ اس وقت جنگل میں لکڑی کاٹنے گئے ہوئے تھے، اس شخص نے ان کے گھر پہنچ کر ان کی بیوی سے پوچھا کہ شیخ کہاں ہیں، وہ تڑخ کر بولی واہ! شیخ کیا ہے میخ ہے وہ تو، میں تو رات دن اس کے ساتھ رہتی ہوں، وہ کوئی بزرگ وزرگ نہیں ہے، تم لوگ نہ جانے کن

چکروں میں پھنس گئے ہو۔ اب وہ بیچارہ رونے لگا کہ یا اللہ! ہزار میل دور سے بزرگ سمجھ کر آیا تھا اور یہ عورت اتنی شکایتیں کر رہی ہے، اتنے میں محلہ والوں نے کہا کہ یہ عورت بدتمیز ہے، ان کو بہت ستاتی ہے لیکن ان کا ظرف ہے کہ اس کو برداشت کر رہے ہیں، اس کے ساتھ نباہ کر رہے ہیں۔ جاؤ! جنگل میں جا کر ان کی بزرگی دیکھو۔ جب وہ جنگل گیا تو دیکھا کہ شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ شیر پر بیٹھے لکڑی لادے چلے آرہے ہیں اور ہاتھ میں سانپ کا کوڑا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں اس قصہ کو بیان فرما رہے ہیں۔ اب تو یہ حیران رہ گیا کہ یا اللہ بیوی تو شکایت کر رہی تھی کہ بزرگ نہیں ہے اور اِدھر یہ کرامت! تب شیخ نے فرمایا کہ لگتا ہے تم میرے گھر سے آرہے ہو تبھی چہرہ اُترا ہوا ہے، میری بیوی سے تم نے کوئی شکایت سنی ہوگی، اس کا خیال مت کرو، میں جو اس کے ساتھ نباہ کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ نے اسی کی برکت سے یہ کرامت دی ہے کہ میں شیرِ نر سے بے گار لے رہا ہوں، یہ شیر میرے قبضہ میں ہے، میں روزانہ اس پر لکڑی لاد کر لے جاتا ہوں اور سانپ کا کوڑا بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے، مجھے آسمان سے آواز آئی تھی کہ تو نے جو میری کڑوی زبان والی بندی کی کشتی پار لگادی اس کے صدقہ میں تجھے اتنی بڑی کرامت دیتا ہوں۔ اس واقعہ پر میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ مست ہو کر مولانا رومی کا یہ شعر پڑھتے تھے ؎

گر نہ صبرم می کشیدے بارِ زن
کے کشیدے شیرِ نر بیگارِ من

اگر میں اس کڑوی زبان والی عورت کو برداشت نہ کرتا اور میرا صبر اس عورت کا کی بد اخلاقی کا بوجھ نہ اُٹھاتا تو یہ شیرِ نر بھی میری بے گاری، میری مزدوری نہ کرتا، یہ انعام اللہ تعالیٰ نے اسی صبر کے صدقہ میں دیا ہے۔

دوستو! میں یہی بات عرض کررہا ہوں کہ بیویوں کے معاملہ میں اچھے اخلاق سے پیش آؤ، ان کی کڑوی زبان کو برداشت کرلو، نہ برداشت ہوتو تھوڑی دیر کے لیے گھر سے باہر چلے جاؤ۔ سعدی شیرازی نے فرمایا کہ اگر کوئی کڑوی بات کرے تو اس کے منہ میں مٹھائی ڈال دو تاکہ گالی بھی میٹھی میٹھی نکلے۔ لوگ ڈنڈے سے بیویوں کو ٹھیک کرتے ہیں حالانکہ بیویاں ڈنڈے سے ٹھیک نہیں ہوتیں۔

عورت کے ٹیڑھے پن پر صبر کرنے کی وجہ

بخاری شریف کی حدیث ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں عورت مثل ٹیڑھی پسلی کے ہے، بابا آدم کی ایک پسلی نکالی گئی تھی جس سے اماں حوا پیدا کی گئیں، آپ سب اپنی پسلیاں گن لو بائیں طرف ایک پسلی کم ہوگی اسی ٹیڑھی پسلی سے اماں حوا پیدا ہوئیں۔ علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عورت ٹیڑھی پسلی کی طرح ہے اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اسی ٹیڑھے پن کے ساتھ فائدہ اٹھالو، بتائیے! آپ لوگ ٹیڑھی پسلی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں یا نہیں یا ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں کہ میری ٹیڑھی پسلی کو سیدھا کردو، اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْمَرْءَةُ كَالضِّلَعِ اِنْ اَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا وَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيْهَا عِوَجٌ))

(صحیح البخاری، کتاب النکاح، ج:۵، ص:۱۹۸۷، دار ابن کثیر۔ الیمامۃ)

عورت مثل ٹیڑی پسلی کے ہے اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس ٹیڑھے پن کے ساتھ فائدہ اٹھالو بجائے اس کے کہ ناک بھوں چڑھاؤ کہ اس کی ناک چپٹی ہے، اس کا منہ کالا ہے، مجھے حسین بیوی ملنی چاہیے۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی کے پیٹ سے کوئی عالم، حافظ، ولی اللہ پیدا کردے جو قیامت کے دن تمہارے کام

آئے۔اس لیے ان کو حقیر مت سمجھو،صورت کو مت دیکھو،بعض وقت زمین کالی ہوتی ہے مگر غلہ بہت بڑھیا نکلتا ہے،بعض وقت کالی کلوٹی عورت سے ولی اللہ پیدا ہوئے ہیں اور گوری چٹیوں سے شیطان پیدا ہوئے۔اس لیے اپنی بیویوں کو حقیر نہ سمجھو،ان کے رنگ وروغن کو مت دیکھو،تو فرمایا اِنْ اَقَمْتَهَا اگر تم عورتوں کو سیدھا کروگی کَسَرْتَهَا تو انہیں توڑ دو گے۔علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

((فِيْهِ تَعْلِيْمٌ لِّلْاِحْسَانِ اِلَى النِّسَآءِ وَالرِّفْقِ بِهِنَّ وَالصَّبْرِ عَلٰى عِوَجِ اَخْلَاقِهِنَّ لِاِحْتِمَالِ ضُعْفِ عُقُوْلِهِنَّ))

(ارشادُ السّاری،ج:۸،ص:۷۸،دارالفکر)

اس حدیث میں تعلیم ہے عورتوں کے ساتھ احسان کرنے کی اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کی اور ان کے ٹیڑھے پن پر صبر کرنے کی کیونکہ ان کی عقل کمزور ہے اور جن کی عقل کم ہوتی ہے وہ زیادہ جلد لڑ جاتے ہیں،دیکھو بچوں میں جس کی عقل کم ہوگی وہ زیادہ لڑتا ہے اور روح المعانی میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عورتوں کا مزاج ایسا ہے کہ يَغْلِبْنَ كَرِيْمًا کریم شوہر جو انتقام نہیں لیتے،ڈنڈے نہیں مارتے بلکہ ڈنڈے کی جگہ انڈے کھلاتے ہیں تو ایسے شوہروں پر بیویاں غالب آجاتی ہیں،جانتی ہیں کہ یہ بدلہ نہیں لے گا،ڈنڈے نہیں مارے گا،گالی نہیں دے گا،اسی لیے کریم شوہر سے زور زور سے بولتی ہیں کہ ارے!میں نے تم سے کہا تھا کہ ایسا کپڑا لانا تم چیتھڑے لے آئے،میں نے اچھی چپل کے لیے کہا تھا تم لیتھڑے اٹھالائے اور میں نے کہا تھا چائے کی اچھی پیالیاں لے آنا تم ٹھیکرے لے آئے اور وہ بے چارہ مسکرا کر رہ جاتا ہے اور بولتا کچھ نہیں:

((يَغْلِبْنَ كَرِيْمًا وَ يَغْلِبُهُنَّ لَئِيْمٌ))

(تفسیر روح المعانی،تحت سورۃ البقرۃ)

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظِ نبوت ہیں، تفسیر روح المعانی کے اندر دیکھ لو، میں نے اپنی کتاب کشکولِ معرفت کے اندر اس کا حوالہ بھی لکھ دیا ہے۔

شوہر کو ناز دِکھانا عورت کا حق ہے

تو نیک و لائق شوہر پر عورتیں غالب آجاتی ہیں، زبان سے تیز بولتی ہیں اور کمینے و مسٹنڈے لوگ ڈنڈے مار مار کر ان پر غالب آجاتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ یہ کمزور ہیں، ان کا بھائی باپ تو پاس ہے نہیں لہٰذا ایک لات اور دو گھونسے مار دیئے، اب ایسے شوہر کو مارے ڈر کے وہ کبھی ناز بھی نہیں دِکھاتیں حالانکہ اپنے شوہر کو ناز دِکھانا ان کا شرعی حق ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے عائشہ! جب تو ناراض ہوتی ہے تو مجھے پتہ چل جاتا ہے، معلوم ہوا عورتوں کو تھوڑا روٹھنے کا، تھوڑا ناراض ہونے کا حق حاصل ہے لیکن آپ کو انہیں جوتا مارنے کی اجازت نہیں ہے، ان کے ناز برداشت کرو، تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کو کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ میں آپ سے ناراض ہوں؟ فرمایا کہ جب تو مجھ سے ناراض ہوتی ہے تو کہتی ہے:

((اَوَرَبِّ اِبْرَاهِیْمَ))

ابراھیم کے رب کی قسم۔ اور جب مجھ سے خوش ہوتی ہے تو کہتی ہے:

((بَلٰی وَرَبِّ مُحَمَّدٍ))

(صحیح البخاری، کتاب الادب، ج:۵، ص:۲۲۵۷، دار ابن کثیر۔ الیمامۃ)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہنس پڑیں اور فرمایا یا رسول اللہ! آپ نے بالکل صحیح فرمایا، تو معلوم ہوا کہ عورتوں کو تھوڑا سا روٹھنے کا بھی حق حاصل ہے، اگر وہ منہ پھلا لے تو آپ گھونسے مت مارو، پیار سے پھسلا کر، منہ میں گلاب جامن ڈال کر اس کو منالو۔ مگر یہاں تو لوگ اس

کو کہتے ہیں تم کو کیا حق ہے روٹھنے کا؟ بس ایک آیت یاد کرلی:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾

(سورۃُ النسآء، آیت: ۳۴)

اور باقی حدیثیں اور آیتیں ان کو نظر نہیں آتیں، مولوی بھی اس میں مبتلا ہیں، وہ بھی گھونسا مار کر منہ سُجا دیتے ہیں کہ خبردار اگر آئندہ منہ پھلایا، حالانکہ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر وہ منہ پھلائے تو اس کو خوش کرو، پوچھو کہ کیا تکلیف ہے؟ آپ کے حق میں مجھ سے کیا کوتاہی ہوئی؟ گلاب جامن چھپا کر لے جاؤ اور جلدی سے اس کے منہ میں ڈالو، بیویوں کے منہ میں لقمہ ڈالنا سنت ہے یا نہیں؟ کبھی تو اس پر بھی عمل کرلو اور لقمہ سے مراد یہ نہیں کہ اس کے منہ میں چٹنی ڈال دی اور مرچوں سے اس کو پیچش لگ گئی۔

بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا معیار

آگے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں:

((فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ مَغْلُوْبًا کَرِیْمًا))

میں محبوب رکھتا ہوں اس بات کو کہ عورتیں مجھ سے تیز آواز سے باتیں کریں لیکن میں کریم رہوں، میں اپنے اخلاق کی بلندیوں کے منار کو نہ گرنے دوں، میں اپنی اخلاقی بلندیوں کو قائم رکھوں اور اللہ کی بندیاں سمجھ کر بیویوں کی باتوں کو برداشت کروں:

((وَلَآ اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ غَالِبًا لَئِیْمًا))

اور میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں کمینہ و بداخلاق بنوں، ڈنڈے جوتے مار مار کر ان کو ٹھیک کروں اور میری اخلاقی بلندیوں میں نقص آجائے۔ ایک مرتبہ نان ونفقہ کے بارے میں ہماری مائیں زور زور سے بول رہی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو سب فوراً خاموش ہوگئیں، لیکن انہوں نے

آوازیں سن لی تھیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تیز آواز سے باتیں ہو رہی ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی بندیو! تم نبی سے تیز آواز سے بولتی ہو اور عمر سے ڈر گئیں؟ تو ہماری ماؤں نے کہا کہ اے عمر! تم سخت مزاج کے ہو جبکہ ہمارا پالا رحمۃ للعٰلمین سے پڑا ہے، وہ ہمارے ناز اُٹھانے والے ہیں۔ جبکہ ہمارا یہ حال ہے کہ ہم عورتوں کے ناز کیا اٹھاتے اُلٹا عورتوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے ناز اٹھائیں، بعضے شوہر ایسے نالائق ہوتے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر ہاتھ چھوڑ بیٹھتے ہیں، رات کو کہتے ہیں کہ تم کو محبت کا اعلیٰ مقام پیش کریں گے اور دن کو ڈنڈے لگاتے ہیں۔

دوستو! اس لیے عرض کرتا ہوں کہ اگر بیوی سے کوئی تکلیف پہنچے تو علماء سے مسئلہ پوچھ لو مثلاً نماز نہیں پڑھتی تو علماء سے پوچھ لو، فضائلِ نماز اس کو روزانہ پڑھ کر سناؤ لیکن مار پیٹ کا طریقہ اچھا نہیں ہے، جہاں تک ہو سکے برداشت کرو لیکن اگر سختی کی ضرورت پیش آجائے تو منع بھی نہیں کرتا، دین کے معاملے میں کچھ اجازت بھی ہے جیسے وہ سینما دیکھنے کے لیے کہے تو اس میں تھوڑی سختی کر سکتے ہو، وی سی آر لانے کو کہے تو ہرگز نہ لاؤ کہہ دو کہ ہمارے گھر میں گناہ کا کام نہیں ہوگا، اگر اپنے بچوں کے لیے پلاسٹک کی بلی لے آئے تو فوراً اس کو توڑ کر پھینک دو لیکن اس سے پہلے کوئی عمدہ چیز لا دو ورنہ لڑائی ہو جائے گی۔

حقوق میں کوتاہی پر بیویوں سے بھی معافی مانگی جائے

تو دوستو! جن لوگوں سے اپنی بیویوں کے حقوق میں کوتاہی ہوگئی ہے وہ اب ان سے معافی مانگ لیں اور کہہ دیں کہ آئندہ میں تمہیں اللہ کی بندی سمجھ کر تم سے اخلاق سے پیش آؤں گا، تمہیں مجھ سے جو بھی اذیت پہنچی ہو، غصہ کی حالت میں کچھ کہہ دیا ہو اس کو معاف کردو اور قیامت کے دن جو بڑا ہولناک دن ہوگا مجھ سے کچھ بدلہ نہ لینا اور جیسے میں اپنی بیٹی کے لیے چاہتا ہوں کہ میرا

داماد اس کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے، اس کی خطاؤں کو معاف کر دے آج سے میں تمہاری خطاؤں کو معاف کرتا ہوں بلکہ پیشگی معاف کیا اور اب تمہیں کبھی نہیں رُلاؤں گا، کبھی ناراض نہیں کروں گا، اس طریقہ سے اس کو خوش کر دو اور محض زبانی جمع خرچ نہیں کرو بلکہ اس کو کچھ رقم ہدیہ بھی دے دیا کرو اور اس کا حساب بھی نہ لو، کہہ دو کہ یہ رقم تم کو دے دی اب تمہیں اختیار ہے جہاں چاہے خرچ کرو، چاہے اپنے بھائی بہن، ماں باپ، رشتہ داروں پر خرچ کرو، آج سے میں اس کا کوئی حساب نہیں لوں گا۔

جیب خرچ دینا بیوی کا حق ہے

حکیم الامت نے کمالاتِ اشرفیہ میں لکھا ہے کہ بیویوں کا یہ حق ہے کہ ان کو جیب خرچ بھی دو پھر اس کا حساب بھی نہ لو کیونکہ وہ مجبور ہیں کما تو سکتی نہیں، اب ان کا دل چاہتا ہے کہ میرا بھائی آیا ہے، غریب ہے، لاؤ اس کو ہدیہ دے دوں تو کہاں سے دے گی؟ لہٰذا اس کی خواہشات اور جذبات کا احترام کرو، وہ بے چاری ساری زندگی کے لیے تمہاری پابند ہے، رفیقِ حیات ہے، دروازے سے باہر نہیں جاسکتی، ساری زندگی تمہارا ساتھ دے رہی ہے لہٰذا غیروں کی طرح اس سے پائی پائی کا حساب مت لو۔ عورت کی وفاداری اور شوہر کے ساتھ نباہ کرنے پر ایک چشم دید واقعہ عرض کرتا ہوں۔

عورت کی وفاداری کا عبرت انگیز واقعہ

ایک صاحب دوسری عورتوں پر نظریں مارتے تھے اور اپنی بیوی کو کم حسن کی وجہ سے حقیر سمجھتے تھے، ان کو ہیضہ ہو گیا، دست پر دست آرہے ہیں، تو ایسے وقت میں وہی عورت ان کا پاخانہ دھویا کرتی تھی، اس کی اتنی خدمت کی اتنی خدمت کی کہ جب وہ اچھا ہو گیا تو رونے لگا کہ اے میری بیوی تو نے تو میرا پاخانہ دھویا اور جن عورتوں سے میں نظر بازی کرتا تھا ان میں سے آج کوئی کام

نہیں آئی، کام تو بس تو ہی آئی۔ ارے میاں! جب بڑھا چار پائی پر بیٹھتا ہے تو بڑھی ہی کام آتی ہے، جب کوئی بیماری آتی ہے تو بتاؤ بڑھی کام آتی ہے یا نہیں؟ اس لیے ان کو حقیر مت سمجھو، بس آج وعدہ کرلو، اگر آپ حضرات نے اللہ پر نظر کر کے اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے رہنے کا ارادہ کرلیا کہ میرے اللہ کی بندی ہے لہٰذا اس کا دل خوش کردو تو اختر کا آنا وصول ہو گیا ان شاء اللہ۔

اگر میرا یہ وعظ قبول ہوجائے تو میری یہاں تک آنے کی ساری تکلیفیں، سارا کچھ قبول ہوجائے گا، میں سارے عالم میں یہی باتیں پیش کر رہا ہوں کہ ایک تو نظر کی حفاظت کرو، غیر عورتوں کو اور پُرکشش لڑکوں کو مت دیکھو، ایسے آدمی پر اللہ کی لعنت برستی ہے، نمبر دو کسی پر ظلم نہ کرو، جانور پالو تو اس پر بھی ظلم نہ کرو اور بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ، اللہ کی کسی مخلوق پر ظلم نہ کرو۔ بس یہ آج کی تقریر کا خلاصہ ہے کہ کسی کا برادری خاندان میں کوئی جھگڑا ہو گیا ہو تو اس کو معاف کردو اور سچے دل سے درگذر کردو۔

بس جتنا بھی عرض کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمالیں، اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم سب کو اللہ والی زندگی عطا فرمائیں۔ اے اللہ! ہمیں نفس و شیطان کی غلامی سے نکال کر سو فیصد اپنی فرماں برادری اور اطاعت کی زندگی نصیب فرمادیجیے، ہمارے گناہوں کو معاف کردیجئے۔ یا اللہ! ہم نے آپ کی کسی مخلوق پر ظلم کیا ہو، کوئی چیونٹی بھی نالائقی اور غفلت کی بنا پر ہم سے کچلی گئی ہو یا بیویوں کو ہم نے ستایا ہو یا خاندان والوں کو، ماں باپ کو ستایا ہو تو ہماری ان خطاؤں کو معاف فرمادیجیے اور ان میں سے جو لوگ زندہ ہیں ان سے ہمیں معافی مانگنے کی توفیق عطا فرمادیجیے، ہم سب کو اپنے حقوق میں کوتاہی پر بھی معاف کردیجیے اور اپنی مخلوق کے حقوق میں کوتاہی پر بھی معاف کردیجئے۔ یا اللہ! آپ مسافر کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں، بس ہم سب کو صاحبِ نسبت

بنا دیجئے، کسی کو محروم نہ فرمایئے، سب کو اللہ والا بنا دیجئے، جو خواتین یہاں نہیں ہیں ان کو اور ان کے خاندان والوں کو، ہماری بیویوں کو، بچوں کو اے اللہ نیک بنا دے، ہماری دنیا بھی بنا دیجئے اور آخرت بھی بنا دیجئے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

تیرے دیوانوں کے دل میں عشقِ مولیٰ چاہیے

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس

مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

قیس کو لیلیٰ اگر وامق کو عذرا چاہیے
تیرے دیوانوں کے دل میں عشقِ مولیٰ چاہیے

میرے سر کو اے خدا تیرا ہی سودا چاہیے
نغمۂ گلشن تو ہو پر آہِ صحرا چاہیے

عشق کہتا ہے کہ میرے سر کو سنگِ در ملے
عقل کہتی ہے کہ مجھ کو فکرِ فردا چاہیے

ڈھونڈتا ہوں ہر زمیں پر اہلِ دردِ دل کو میں
مجھ کو تیرے عاشقوں کے چند اسما چاہیے

دین کی خدمت سکونِ قلب سے کرتا رہوں
اس کی خاطر مجھ کو یارب حفظِ اعدا چاہیے

یاد تیری ہر نفس غالب رہے دل پر مرے
یہ شرف اخترؔ کو بھی امروز و فردا چاہیے

میں پہنچا خدا تک سرِ دار ہو کر

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس
مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

نگہ جس نے نامحرموں سے بچالی
حلاوت بھی ایمان کی اُس نے پالی

دیا ملک و اقبال جاہِ بلخ کا
ہے شہرہ زبانوں پہ شاہِ بلخ کا

مگر پی گیا جو لہو آرزو کا
نہ دیکھا کبھی منہ کسی خوبرُو کا

اگر شاہِ ادھم سے برتر نہیں ہے
وَلے شاہِ ادھم سے کمتر نہیں ہے

جو دل روکش غیرِ حق ہو رہا ہے
فقیری میں شاہِ بلخ ہو رہا ہے

مہ و شمس سے دست بردار ہو کر
میں پہنچا خدا تک سرِدار ہو کر

ہوئی تیغ حق سے شہادت کسی کی
نہیں جس پہ لیکن شہادت کسی کی

قیامت کے دن باطنی یہ شہادت
کرے گی شہیدوں کی صف میں اقامت

جس عاشق کا سر ہو تری تیغ سے خم
عجب کیا کہ ہو رشکِ سلطانِ ادھم